نگران اعلیٰ: وسیم طاہر ڈھکو

بانی: زیب النسا

مدیر اعلیٰ: نزہت جبیں ضیاء

مدیر: ندیم عباس ڈھکو

مینجمنٹ آفیسر: منظور اکبر تبسم

آرٹ اینڈ ڈیزائن: محمد شعیب

تمام مصنفین، قارئین اور شعراء حضرات سے درخواست ہے کہ وہ داستانِ دل کی تحاریر کے سلسلے میں چیف ایڈیٹر اور ایڈیٹر کے علاوہ کسی سے لین دین مت کریں۔ تمام تحاریر نیک نیتی کی بنیاد پر بغیر مفت شائع کی جاتیں ہیں۔۔ اور کوئی آپ سے پیسوں کے عوض ہمارا نام لے کر تحریر مانگے تو اسے ہر گز اپنا سرمایہ مت دیں اور ادارے کو فوری اطلاع کریں

شمارہ: 06

اکتوبر 2016

خط و کتابت کا پتہ: ندیم عباس ڈھکو، چک نمبر 5/79 L ڈاکخانہ 5/78 L تحصیل و ضلع ساہیوال

فون نمبر 03225494228 ہمارا ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

ابتدائیہ

انٹرویو

قسط وار ناول

افسانے

افسانے

مکمل ناول

ناولٹ

آرٹیکل

حمد باری تعالی

نہیں ہے ابتدا تیری نہیں ہے انتہا تیری

عبادت کر رہے ہیں روز و شب ارض و سما تیری

تیری تسبیح پڑھتے ہیں فلک والے زمین والے

ہوا کی سرسراہٹ میں بھی ہے حمد و ثنا تیری

نہیں ہیں رحمتیں مخصوص تیری پارساؤں پر

تو رب العالمین ہے عام ہے جود و سخا تیری

تیرے محبوب بندوں کی محبت میرا ایماں ہے

تیرے بندوں کو حاصل ہے عطا تیری جلا تیری

یہ در تیرا، یہ سر میرا، تو اخگر کو عطا کر دے

وہ دل جس میں وفا تیری، وہ دل جس میں رضا تیری

(انتخاب: محمد شعیب)

نعت مقبول ﷺ

اشک آنکھوں میں خوشی کے جھلملانے لگے ہیں

حج کے قافلے مدینے کو جانے لگے ہیں

ہم بھی اب کے مدینے کو جانے لگے ہیں

اب دل و جاں بن گیا ہے مدینہ میرا

رحمت کے ہر سو دریا بہنے لگے ہیں

ہم بھی اس رحمت میں ڈوبنے لگے ہیں

اب اشک آنکھوں سے بہنے لگے ہیں

کہ ہم بھی اب مدینے کو جانے لگے ہیں

ہر طرف سے آرہی ہے درود و سلام کی صدا

ہم بھی صلی علی پڑھنے لگے ہیں

ہے فضاؤں میں مہک نور محمد کی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

زمین و آسماں میں بھی نور محمد چمکنے لگا (مصطفی ﷺ)

ہو کے روشن سارے سبھی ستارے

تیری عظمتوں کے قصے سنانے لگے ہیں

ہم بھی درودوں کی مالا بنانے لگے ہیں

ہم بھی حسن مصطفی کی تعریف لفظوں میں سنانے لگے ہیں

کہ جنت کا ماحول بنانے لگے ہیں

لفظوں سے لفظ ملانے لگے ہیں

اب کے ہم بھی مدینے کو جانے لگے ہیں

از شازیہ کریم

آؤ دین سیکھیں

جمعہ کے دن کے سنت اعمال

1. غسل کرنا اور غسل میں خطمی (بوٹی) استعمال کرنا۔ اب صابن اس کی جگہ ہے۔

2. ناخن کٹوانا، ہاتھ کے ناخن کاٹنے میں ترتیب مسنون یہ ہے سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی، بیچ کی انگلی، اس کے برابر والی انگلی، چھینگیا، پھر الٹے ہاتھ کی چھینگیا، اس کے برابر والی انگلی ،بیچ والی انگلی، اس کے برابر والی انگلی، (جیسے ہم دعا مانگتے ھیں ۔اسی ترتیب سے) انگوٹھا، پھر سیدھے ہاتھ کا انگوٹھا۔ اور پاؤں کے ناخن کاٹنے میں ترتیب مسنون یہ ہے کہ دائیں پاؤں کی چھنگلی سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کرنا

3. خوشبو لگانا

4. سورہ کہف پڑھنا

5. جمعہ کی آخری ساعت میں دعاؤں کا اہتمام کرنا

6. کثرت درود شریف

7. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسی مرتبہ یہ درود شریف پڑھے: اَللّھم صلی علی محمدن النبی الامی وعلی آلہ وسلم تسلیما

اس کے اسی (80) سال کے گناہ معاف ہوں گے اور اسی (80) سال کی عبادت کا ثواب اس کے لئے لکھا جائے گا۔

ماخوذاز: "آج کا سبق" صفحہ 331

مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

انتخاب: سردار شعیب امین سعودی عرب پی ایم ٹی
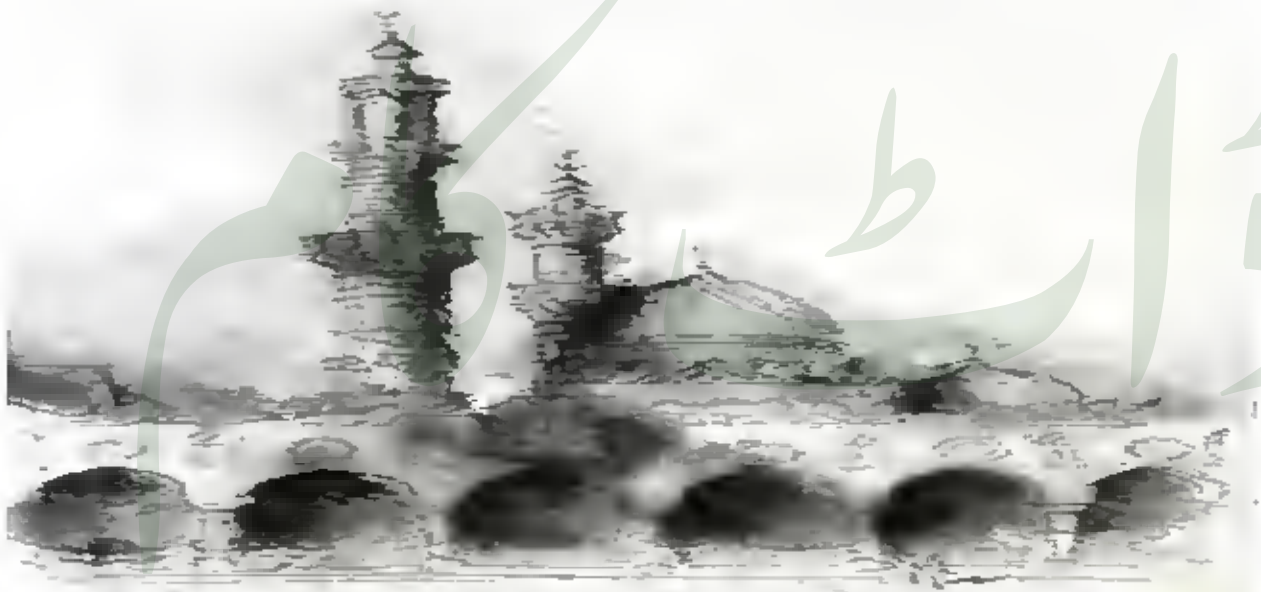
اداریہ

اسلام علیکم کیسے آپ ؟؟؟؟؟؟

امید کرتے ہیں آپ سب خریت سے ہوں گے ،،،،

ماہنامہ داستان دل ساہیوال جو کے اپ سب دوستوں کے تعاون سے اب تک بہت سے لوگوں کی جان بن چکا ہے ،اور انشاءاللہ بہت جلد ہر زبان پہ اسی ڈائجسٹ کا نام ہو گا،،

داستان دل کا تعارف کرواتا چلوں

داستان دل تین ماہ تک اخبار کی شکل میں پورے پاکستان کی بک شاپ پر فری جاتا رہا ہے،،،

پھر ہمیں بے شمار خطوط وصول ہونے لگے کے اسکو ڈائجسٹ میں لے کر آئیں،،،ہم نے کوشش کی مگر کچھ قانونی مسائل کی وجہ سے مارکیٹ میں نہ آسکا، ان مسائل کو دور کرنے کے لیے دو سے تین ماہ کا وقت چاہیئے میں نے سوچا اب داستان دل کے قارئین کو اس سے دور نہیں کرنا چاہیئے تو دن رات ہماری ٹیم نے محنت کر کے آون لائن اپلوڈ کیا دو ماہ سے سے آون لائن پاک سوسائٹی پر ارہا ہے۔اور انشاءاللہ وہ دن اب دور نہیں جب داستان دل اپ سب قارئین کے ہاتھوں میں ہو گا،،،

قارئین میں ایسا کیوں کر رہا ہوں میری زندگی بھی بہت مصروف ہے مگر میں ادب کی خدمت کرنا چاہتا ہوں خاص کر نئے لکھنے والوں کی ہمارا اعلان ہے کہ جو ہمیں تحریر ارسال کرے گا اس کی تحریر ہر حال میں شائع ہو گی اگر نیو لکھنے والا ہوا تو ہم گارنٹی دیتے ہیں کہ دو ماہ میں اس کی تحریر داستان دل کے صفحات پر ہو گی پرانے لکھنے والوں کی باری پہ شائع ہو گی،،،

مگر مجھے افسوس بھی ہے کہ پاکستان میں ایسا کوئی ڈائجسٹ نہیں جو نیو لکھنے والوں کو جگہ دہں،،

قارئیں یقین کریں میں نیو لکھنے والوں کا درر سمجھ سکتا ہوں،،،ہمیں اپ سب کا ساتھ چاہیئے اپ سب داستان دل کا لنک آگے ضرور سنڈ کیا کر ہں جتنا ہو سکے ہمیں اپ سب کے تعاون کی ضرورت ہے اور میں امید کرتا ہوں کے اپ میرا ساتھ ضرور دو گے،،،دعا کریں انشاءاللہ دسمبر 2016 کا شمارہ مارکیٹ سے ملے گا،،تب تک آون لائن پاک سوسائٹی پر اپلوڈ کیا جائے گا لنک پلیز پلیز پلیز ضرور آگے سنڈ کر ہں،،،،،

اپ ہمیں کسی بھی طرح اپنی تحریریں سنڈ کر سکتے ہیں شرط اتنی ہے کہ اردو فونٹ میں لکھی ہوئی ہو،،،،،

داستان دل میں مندرجہ ذیل تحریری سنڈ کر سکتے ہیں

ناول

افسانہ

شاعری

تبصرے

اب بیتیاں

جگ بیتاں

کالم

مضمون

اسلامی تحریری

خوفناک سٹوری

تحریری ارسال کرنے کے طریقے

وائس اپ(03225494228)

فیس بک(03377017753) نمبر سرچ کریں ائی ڈی آجائے گی

ای میل،،abbasnadeem283@gmail.com

پوسٹ ایڈرس

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر79\5ایل ساہیوال

شکریہ

آپ سب کا اپنا

ایڈیٹر ندیم عباس ڈھکو

انٹرویو (منظور اکبر تبسم)

ملیے شمع حفیظ سے

السلام علیکم! کیسے ہیں مزاج؟

وعلیکم سلام، اللہ کا احسان ہے۔۔۔الحمد للہ

2۔سب سے پہلے تو ہمیں اپنے بارے کچھ بتائیں.

میں ایک عام سی عورت ہوں لیکن اللہ کا کرم ہے جس نے نام ، عزت اور مقام دیا، پہلے صرف ڈائجسٹ ورلڈ کے لوگ شناسا تھے آج بہت سے دوسرے لوگ بھی شمع حفیظ کے نام سے واقف ہیں، میں نثر نگار اور شاعرہ ہوں۔ لیکن آج بھی مجھے وقت ہر گزرتے لمحے کے ساتھ کچھ نہ کچھ سکھا پڑھا رہا ہے اور میں ایک اچھی طالبہ کی طرح سیکھتی سمجھتی جا رہی ہوں۔۔۔اور سیکھنے، سمجھنے کا یہ عمل انشاءاللہ میری آخری سانس تک جاری رہیگا۔

3۔: آپ نے کہاں تک تعلیم حاصل کی؟

میں نے گریجوایشن کیا ہے، مزید پڑھنے کی تمنا تھی لیکن شادی رکاوٹ بنی، سسرال میں بڑی بہو ہونے کے ناطے بے حساب ذمہ داریوں کے بیچ رہی تو آگے پڑھنا خواب ہو گیا، ہاں کتابیں اتنی بہت سی پڑھ لی ہیں کہ مزید نہ پڑھنے کا دکھ جاتا رہا۔۔۔ کہتے ہیں کورس کی کتابیں آپ کو وہ سب نہیں سکھاتیں جو غیر نصابی کتب سکھاتی ہیں، سو میں نے انہی کتابوں سے اپنی بہت سی کمیوں، خامیوں اور اعتماد کو پورا کیا ہے اور آج بھی کر رہی ہوں۔

4۔ادب کی دنیا میں کب قدم رکھا؟اور سب سے پہلے کیا لکھا؟ کتنی پزیرائی ملی؟

ادب کی دنیا میں قدم رکھے بیس سال ہونے کو ہیں، اب تو لگتا ہے جیسے قلم کی مزدوری زندگی کا اٹوٹ انگ ہو، پہلا ناولٹ 'قدرِ مشترک' تھا جو کرن ڈائجسٹ میں چھپا اور قارئین کی پسندیدگی کا باعث بنا۔۔ یہاں سے اشاعت کا باقاعدہ آغاز ہوا اور پھر آگے بڑھنے کی چاہ جاگی تو بس ناول، افسانے، ناولٹ اور کہانیاں کہنے کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہو گیا، یہ اللہ کا کرم ہے جو کچھ بھی لکھا اسے خوب پزیرائی ملی۔

5۔آپ نے سب سے زیادہ کس موضوع پر لکھا؟

میں نے ہر طرح کے موضوع کو برتا، ہر طبقے کی کہانی لکھی اور آج بھی جاندار موضوعات کو الفاظ کے جامے میں ڈھالنا اچھا

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

لگتا ہے، میں ہمیشہ وہ ٹاپک چنتی ہوں جس میں کچھ نیا ہو، عام سے فسانے کو اپنے اسلوب سے خاص کرنا مجھے بے حد پسند ہے، میں کوشش کرتی ہوں کہ عام ڈگر سے ہٹ کر لکھوں اور قاری کے تجسس کو ابھاروں ـــــ اسی لیئے زندگی کا ہر رنگ میری تحریر کا حصہ ہے۔

6۔ آپ کے لکھے گئے کردار حقیقی زندگی سے مناسبت رکھتے ہیں یا پھر تصوراتی؟

میرا ناول ہو یا افسانہ۔۔۔ اس کا ہر کردار اسی معاشرے کا عکاس ہے، قارئین میرے لکھے کو اسی لیئے قبول کرتے ہیں کہ انھیں کہانی میں حقیقت دکھائی دیتی ہے، میں دیو مالائی داستانوں اور مافوق الفطرت کرداروں سے کوسوں دور ہوں، میرا اندازِ بیاں سادہ اور پڑھنے والوں کے لیئے عام فہم ہے۔ کہانی کیسی بھی ہو کردار جاندار ہونے ضروری ہیں کیونکہ وہی کہانی کو کہانی بناتے ہیں، سو لکھاری وہی اچھا ہے جو کرداروں کی زبان اور حرکات و سکنات سے ایک بے جان پلاٹ میں جان بھر دے اور پڑھنے والے کو اس میں اپنا عکس دکھائی دے۔

7۔ لکھنے کا شوق تھا یا کوئی اور وجہ؟

لکھنے کا شوق بچپن سے تھا نہ لڑکپن سے۔۔۔ بس یونہی پنگا لے لیا تھا، کرنل محمد خان جیسی نامور شخصیت نے کچھ اسطرح سراہا کہ مجھ جیسی ناسمجھ بھی لکھاری بننے کے سپنے دیکھنے لگی، ان سپنوں کی تعبیر گو کے بہت دیر میں ملی لیکن خوب ملی، جب لکھا تو رد نہ ہوا اور جہاں بھی ارسال کیا شائع ضرور ہوا۔۔۔ یوں کانفیڈنس بڑھا اور آج ہم صاحب کتاباں ہوئے بیٹھے ہیں۔ ہے نا مزے کی بات۔۔۔

8۔ ادب کی دنیا میں کتنی مشکلات کا سامنا ہوا؟ گھر والوں نے کس حد تک تعاون کیا؟

ادب کی دنیا بڑی کٹھن مسافت کے بعد راس آتی ہے، ہر ایک کو یہاں جگہ نہیں ملتی، یہ سفر در سفر ریاضت کا سلسلہ ہے کتابوں سے، استادوں سے محبت اور زمانے کے بدلتے رویوں سے سیکھنے اور سہنے کا نتیجہ ہے، جو ان کے پار اتر گیا وہی ادب کے سمندر سے وہ صدف چن لاتا ہے جس میں عزت و محبت کے ساتھ پزیرائی کا گہر چھپا ہوتا ہے۔۔ مشکلات میرے حصے میں بھی آئیں لیکن اچھے اور عالی ظرف مہرباں ملتے گئے اور راستہ آسان ہوتا رہا، گھر والوں نے خوب تعاون کیا، بڑھاوا دیا۔۔۔ یہ اور بات کہ ہمارے لکھے کو در خور اعتناء نہ جانا، وہ فسانے جو باہر ہاتھوں ہاتھ لیئے گئے وہی فسانے پڑھنے کا وقت فیملی کے پاس آج بھی نہیں ہے۔۔۔ اسے کہتے ہیں، چراغ تلے اندھیرا۔۔۔

9۔ آپ کی فیملی میں کوئی اور رائٹر بھی ہے؟

جی نہیں، یہ گناہ صرف میں نے کمایا ہے۔۔۔ میرے والد بے حد پڑھے لکھے اور بالغ نظر انسان تھے، خطوط خوب لکھا کرتے تھے لیکن لکھاری بننا بس ہمیں راس آیا۔۔۔

10۔ ادب کو زندگی کے آئینے میں کیسے دیکھتی ہیں؟

میرے نذدیک ادب اور زندگی الگ نہیں ہیں، یہ ایک دوسرے کا آئینہ ہیں۔ ہم جو کچھ زندگی سے اخذ کرتے ہیں قلم

کی وساطت سے کاغذ پر اسکی منظر کشی کر دیتے ہیں، زندگی انسانوں سے عبارت ہے ان کے دکھ سکھ اور معاشرتی رویوں کی غماز ہے اور ہر جیتی جان کی الگ کہانی ہے، ایک لکھاری کی نظر ایسی بے شمار کہانیوں پر ہوتی ہے جسے منظرِ عام پر لایا جائے تو تہلکہ مچ جاتا ہے، ادب زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر کرتا ہے یہ انسانی زندگی کے نشیب و فراز کا پرتو ہے۔

11۔ بتائیں کہ ھمارے لکھنے والے ادیب حضرات کے قلم سے معاشرے پہ کیا منفی اور مثبت اثرات ہیں؟

ہر ادیب کی آنکھ زندگی کے جملہ معاملات اپنے پوائنٹ آف ویو سے دیکھتی پرکھتی ہے، وہ جب بھی لکھتا ہے اپنے ذاتی مشاہدے اور تجربے کا نچوڑ لکھتا ہے، یہی نچوڑ اسے منٹو بناتا ہے تو کبھی اشفاق احمد۔۔۔ کہیں وہ واجدہ تبسم ہوتا ہے اور کہیں بانو قدسیہ ۔۔۔۔ کچھ لکھاری اپنے عامیانہ طرزِ تحریر سے ڈوب جاتے ہیں اور کچھ اپنے عمدہ اسلوب کا جادو جگاتے ہیں، اچھی اور مثبت تحریر قاری کے دل میں گھر کرتی ہے جبکہ معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے اور ولگیریٹی کو جنم دیتی سوچ کو قاری آپ ہی رد کر دیتا ہے، قلم کی طاقت معاشرے کو بنانے اور بگاڑنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے، کیونکہ قلم سے نکلے لفظ زہر بھی ہو سکتے ہیں اور تریاق بھی، لوگ تحریر کا اثر جلد قبول کرتے ہیں اس لیئے ہر ادیب کو ذمہ دار اور بالغ نظر ہونا چاہیئے۔

12۔ کیا آپ ناول بھی لکھتی ہیں؟ کون کون سے لکھے ھیں. کس ناول کو بہت پسند کیا گیا؟

میں بنیادی طور پر ایک ناولسٹ ہی ہوں، طویل اور دلچسپ تحریر میری پہچان ہے میں نے بہت سے ناول لکھے جن میں سے کچھ کتابی صورت میں مارکیٹ میں موجود ہیں اور کچھ زیرِ طبع ہیں، اعتبار کا موسم، شہرِ دل، کالا گلاب اور تم ہو میرا آسماں اب تک سب سے پسندیدہ رہے قارئین نے انھیں بے حساب سراہا اور کھل کر اپنی رائے دی، یہ میرے کچھ ناولز کا عکس ہے۔۔۔

13۔ آپکی پسندیدہ شخصیت اور پسندیدگی کی وجہ؟

پسندیدہ شخصیت میرے والد ہیں، حلیم طبع، منکسر المزاج، بے حد پڑھے لکھے اور نفیس انسان تھے، جو ایک بار مل لیتا گرویدہ ہو جاتا، وہ ایسے باپ تھے جن کی دنیا مثال دیتے نہیں تھکتی، اللہ انھیں جنت کے اعلیٰ درجات پر فائز کرے، آمین

14۔آپ کی آئیڈیل تحریر کون سی ہے جو آج تک نہ بھول سکی؟

قدرت اللہ شہاب کی مایہ ناز تخلیق 'شہاب نامہ'۔۔۔اس سے اچھی سوانح عمری میں نے آج تک نہیں پڑھی، اور بابا محمد یحیٰی کی کتاب 'پیا رنگ کالا' ایک عجب تحریر ہے جس کا سرور اب بھی ذہن و دل کو باندھے ہوئے ہے، فار ایور گرین بکس۔۔۔ جنھیں میں کبھی فراموش نہیں کر سکتی،

15۔بطور لکھاری آپکی کوئی عجیب خواہش؟

یہی کہ میں جو لکھوں وہ پڑھنے والے کے دل میں اتر جائے۔

16۔آپ ٹی وی تو دیکھتی ہونگی؟ کون سا پروگرام زیادہ دیکھتی ہیں؟

وقت ملے تو ضرور دیکھتی ہوں، زیادہ تر ٹاک شوز اور ہلکے پھلکے موسیقی کے پروگرام،

17۔آپ کا پسندیدہ چینل، اداکار، گلوکار، شاعر، ڈرامہ، فلم؟

عموماً جیو ہی دیکھتی ہوں، اداکار اور شاعر بہت سے پسند ہیں، ڈراموں میں دھواں، ستارہ اور مہر النساء اور ہمسفر وغیرہ جبکہ فلمیں لاتعداد ہیں آجکل کورین فلمیں شوق سے دیکھتی ہوں، مجھے ڈاکومنٹری بھی اچھی لگتی ہے،

18۔آپ نے پہلی بار کیا سوچ کر لکھا تھا؟

یہی کہ اتنے بہت سے لکھنے والوں میں ایک نام میرا بھی ہونا چاہیئے۔۔

19۔بچوں کے لئے بھی کبھی کچھ لکھا؟

نہیں، مجھے افسوس ہے ابھی تک نہی لکھا حالانکہ میں بچوں کو بہت سی کہانیاں سناتی ہوں وہ بہت شوق سے سنتے ہیں۔

20۔: کبھی ڈرامہ لکھنے کا اتفاق یا اشتیاق ہوا؟

ابھی تک تو نہیں، کہا ضرور گیا لیکن میں پابندیوں کے ساتھ نہیں لکھ سکتی،

21۔آپ ایک معروف رائٹر ہونے کے ساتھ ساتھ نامور شاعرہ بھی ہیں. آپ نے کب شاعری کا آغاز کیا اور شاعری میں استاد کی کیا اہمیت ہے؟

میں نے لکھنے سے پہلے کہا۔۔۔ یہ خداداد صلاحیت ہے، اللہ کا احسان ہے لوگ پسند کرتے اور سراہتے ہیں، شاعری استاد کے بغیر نہیں ہو سکتی کیونکہ ہر پل اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے، ایک استاد خیال کو مزید نکھارتا اور سنوارتا ہے، کسی بھی اچھے شعر کو ہم اپنی طرز میں تب ڈھالتے ہیں جب ہم شاعری کے قواعد پورے کرتے ہیں اور وہ قواعد ہمیں استاد ہی سکھاتا ہے،

22۔: قارئین کی نظر اپنے شاعری کلام کی تازہ نظم یا غزل؟

ایک نظم حاضر ہے، عنوان ہے 'کاش'

پُر نور فضاؤں میں
پنچھی کی اڑانیں ہوں
اگتے ہوئے سورج کی
بکھری ہوئی کرنیں ہوں
اور آئینہء دل میں
ہر عکس تمہارا ہو

موسم بھی سہانہ ہو
منظر بھی سہانہ ہو
خاموش سی دنیا میں
اک تیری ہی ہستی ہو
اک میری بھی ہستی ہو
کیا خواب یہ ممکن ہے

23۔: فیس بک پر اکثر آپ کے مختصر الفاظ پڑھنے کو ملتے ہیں جو بہت زیادہ اہمیت کے حامل ھوتے ہیں. ان الفاظ کا آپ کہاں سے چناؤ کرتی ھیں؟

میں آجکل اسٹیٹس کے طور مختصر سی جو بات کہتی ہوں وہ ۸۰ فیصد میری ذاتی کاوش ہے باقی ۲۰ فیصد بڑے لوگوں کے اقوال یا کسی کا بھی اچھا جملہ۔۔۔ جو مجھے اپیل کرے میں اپنے پڑھنے والوں کی نذر کر دیتی ہوں۔۔

24۔: آپ کس قسم کی کہانیاں بہت زیادہ لکھتی ھیں؟

وہ کہانیاں۔۔۔ جن میں کوئی مقصد یا پیغام پنہاں ہو۔ میں ہلکے پھلکے انداز میں اپنے قاری کو وہ سب کچھ سناتی ہوں جو ہمارے معاشرے میں دیکھ کر بھی ان دیکھا کیا جاتا ہے، میری کہانی ہو یا ناول۔۔۔ روز مرہ کے حالات و واقعات کے گرد گھومتے ہیں اور قاری کے دل پر اپنا اثر چھوڑ جاتے ہیں

25۔ آپ کے شاعری کلام کا کوئی مجموعہ جو منظر عام پہ آچکا ھو یا آرہا ھو؟ اس کے بارے کچھ بتائیں.

ارے واہ، میں کوئی بڑی شاعرہ نہیں ہوں جو شعری مجموعہ چھپوا دوں، ابھی طفل مکتب ہوں، دل کی بات کو یا اپنی سوچ کو شعر میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہو۔۔۔ جس دن کسی بڑے شاعر نے مجھے بے ساختہ داد دی تو شاید اس بارے میں سوچوں ورنہ لکھنے لکھانے کا سلسلہ تو چلتا رہے گا۔

26۔ ھم نے سنا ہے کہ بچوں پہ آپ بہت رعب جماتی ہیں. اس کی کیا وجہ ھے؟

ہاہاہاہا۔۔۔ یہ کس سے سنا ہے آپ نے؟؟ بچے میری کمپنی میں بہت خوش رہتے ہیں جناب، مجھے ان شیطانوں کو ٹیکل کرنا آتا ہے، میں انھیں خوب ڈھیل دیتی ہوں۔۔۔ نخرے اٹھاتی ہوں مگر لمٹس کراس کرنے نہیں دیتی، بدتمیزی میری برداشت سے باہر ہے کیونکہ شرارت اور بدتمیزی میں بال برابر فرق ہوتا ہے اور یہ بات میں بچوں کو پہلے سمجھا دیتی ہوں، تب وہ خوش اور میں بھی بہت خوش رہتی ہوں۔۔۔ میری اپنی اولاد بھی ویل مینرڈ ہے، الحمدللہ۔

27۔ کب تک لکھنا چاہیں گی؟

جب تک اللہ مجھ پر مہربان ہے اور میری یاداشت و صلاحیت برقرار ہے۔

28۔ محبت اور دوستی کیا ہے؟ عصر حاضر سے کتنی متفق ہیں؟

محبت اللہ کا وردان اور دوستی اللہ کا احسان ہے، دونوں تعلق دل سے نبھتے ہیں اور دل ہی سے جڑتے ہیں۔ آجکا دور نفسا نفسی اور خود غرضی کا دور ہے سو سارے تعلق اور رشتے ناطے دکھاوے کی ڈور سے بندھے ہیں پھر بھی میرا ایمان ہے

اگر میں دوسرے سے مخلص ہوں تو دوسرے بھی میری قدرو منزلت دوستی اور محبت ہی سے کریں گے۔

29۔ آپ کا لکھاری ہونا نجی اور گھریلو زندگی پر کیا اثرات رکھتا ہے؟

کچھ خاص نہیں، میں نے وقت کو بانٹ رکھا ہے اپنی ذمہ داریوں کے لحاظ سے، جو اہم ترین کام ہیں انھیں میں کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کرتی، میں اپنی فیملی اور گھر آئے گیسٹ یا عزیز کو پورا وقت دیتی ہوں، دنیا ہی نہیں۔ میں اللہ کو بھی جوابدہ ہوں، چونکہ میں ایک ہاؤس وائف ہوں اس لیئے اپنے گھر گرہستی پر کسی کو فوقیت نہیں دیتی، میرے شوہر اور بچوں کا سکون واطمینان سب سے پہلے ہے، سو میں نے رات کے کچھ گھنٹے اپنی ذات کے لیئے مختص کر رکھے ہیں، رات بارہ بجے سے دو ڈھائی گھنٹے تک میں لکھنے پڑھنے کا کام کرتی ہوں رات کی خموشی مجھ سمیت کسی دوسرے فرد کو اذیت نہیں دیتی، میرے فیملی ممبرز مجھ سے مکمل تعاون کرتے ہیں اور میری مجبوری کا خیال کرتے ہیں۔

30۔: آپ کے لکھنے کا بہترین وقت کون سا ہے؟ گھریلو زندگی میں خلل تو نہیں پڑتا؟

میں اس سوال کا جواب اوپر دے چکی ہوں۔۔۔

31۔ شدید بھوک ،پیاس، اور غصے کی حالت میں آپکا رد عمل؟

کھانا میں خود بناتی ہوں سو بھوک پیاس کبھی مسلہ نہیں کرتے، میں کباب یا نگیٹز وغیرہ فریز رکھتی ہوں سو فوری بھوک کا تدارک ہو جاتا ہے۔۔البتہ غصہ خوب آتا ہے اور جس پر آتا ہے اسے اپنے آف ہوتے موڈ سے ضرور باخبر کرتی ہوں جسکا نتیجہ مثبت نکلتا ہے وہ سوری کہہ دیتا ہے ورنہ دوسری صورت میں میری خموشی غصے کا اظہار کرتی ہے جو سب کے لیئے نا قابلِ برداشت ہے۔

32۔: جب پہلی بار کسی سے ملتی ھیں تو کون سی چیز نوٹ کرتی ہیں؟

پہلی ملاقات میں، میں سب سے پہلے مقابل کی آنکھیں دیکھتی ہوں کیونکہ اللہ تعالی نے ہمارے وجود میں سب سے زندہ چیز آنکھوں کو بنایا ہے، دل جو محسوس کرتا ہے وہ احساس آنکھوں سے چھلکتا ہے، جسے ہم عرفِ عام میں آنکھوں کا بولنا کہتے ہیں۔۔۔ یہ بولی مجھے بہت دلچسپ لگتی ہے کیونکہ اسمیں جھوٹ نہیں ہوتا، اس طرح میں مخاطب کے سچ جھوٹ کو آسانی سے جج کر لیتی ہوں اور وہ خود کو چھپانے میں ناکام رہتا ہے۔۔۔

33۔ آپ آج کل کس کس ڈائجسٹ میں لکھ رہی ہیں؟

دوشیزہ، سچی کہانیاں، ادبی صفحات اور آن لائن ڈائجسٹ میں، بہت جلد ایک نئے آن لائن ڈائجسٹ میں میرا سلسلے وار ناول بھی شروع ہونے جارہا ہے۔۔

34۔: ایک رائٹر کن خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک ھوتا ھے؟

ایک لکھاری باشعور، بالغ نظر اور ذمہ دار ہونا چاہیئے، اسے معاشرے کے بدلتے ٹرینڈ کا بخوبی ادراک ہونا چاہیئے۔۔ سب سے پہلے اسے مہذب اور با اخلاق ہونا چاہیئے اور اتنا

ذہین وحاضر جواب کہ اپنے قاری کے سوالات کا فوری اور بروقت جواب دے سکے، وہ اپنے قلم کی حرمت سے واقف ہو اور اپنے لکھے سے قاری کو مطمئن رکھ سکے۔

35۔سب سے زیادہ کب خوش ہوئی اور کیوں؟

اپنے بیٹے کے پرائمری سیکشن کلیئر کرنے کے بعد جب میں حسان کو لے کر ہائی اسٹینڈرڈ کے ایڈمیشن کے لیئے ایک نئے اسکول میں پہنچی تو پتا چلا کہ او، لیولز جونیئرز کا ایڈمیشن ٹسٹ بھی ہو رہا ہے، میں نے اپنے طور پر فوری فیصلہ کیا اور حسان کو ٹسٹ دینے پر راضی کر لیا، اس دن میرا بیٹا ایک سو دو درجے کے بخار میں مبتلا تھا، میں ڈاکٹر سے دوا لے کر سیدھی اسکول آئی تھی، ٹسٹ کے لیئے حسان کی کوئی تیاری نہیں تھی لیکن اکیڈمک ریکارڈ بہتر پا کر میں نے او، لیولز جونیئرز میں ایڈمیشن کا فیصلہ کیا تھا، ٹسٹ کے لیئے ڈیڑھ گھنٹے کا وقت دیا گیا اور اسی دن رزلٹ بھی بتا دیا گیا حسان کا نام خصوصی ریمارکس کے ساتھ پکارا گیا تھا اور تالیوں کی گونج میں اناؤنس کیا گیا کہ 265 کینڈیڈیٹس میں میرے بیٹے کی پہلی پوزیشن تھی۔۔۔ اس دن میں بہت خوش اور نازاں تھی کہ میرے بچے نے اپنی محنت سے میرے فوری فیصلے کو درست ثابت کیا تھا۔

36۔ کس بات کا بہت زیادہ دکھ ہوا؟

اپنے ماں باپ سے جدائی کا دکھ میری زندگی کا سب سے بڑا دکھ ہے انکی وفات کے بعد مجھے ابھی تک صبر نہیں آیا۔

37۔ آج کل کی نوجوان نسل خوب قلم کاری کے جوہر دکھا رہی ہے۔ آپکی کیا رائے ہے؟

بہت اچھی بات ہے پاکستان کا مستقبل روشن ہے، نوجوانوں کو ہر میدان میں اپنے جوہر دکھانے چاہیئے میری دعا ہے آنے والے وقت میں میرا وطن پڑھا لکھا پاکستان کہلائے۔۔۔ نئے لکھاری اردو ادب کے گلستان کو نئے رنگ سے سینچیں، اور خوب ترقی کریں۔

38۔ آپکی نظر میں تنقید کیا ہے۔۔کچھ لوگ تو اس کا منفی مطلب لیتے ہیں؟

تنقید کا مطلب اصلاحی تبصرہ ہے، پڑھنے والے ہماری تحریر کی خوبی و خامی پر بات کرتے ہیں، یہ اصلاح تعمیری ہونی چاہیئے نا کہ دل شکنی یا دل آزاری کا سبب بنے، لکھاری حساس ہوتا ہے وہ بھی سینے میں دل رکھتا ہے اسکی غلطی کو اچھالنے کی بجائے سدھارنے کا مشورہ دیا جانا چاہیئے، حوصلہ افزائی ہر چیز کے لیئے ضروری ہے۔ تنقید مثبت ہو تو کوئی برا نہیں مانے گا، میں بھی نہیں مانتی کیونکہ غلطی ہر بشر سے ہو سکتی ہے۔

39۔ لکھنے کے علاوہ کس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں؟
میں ہر طرح کی ایکٹیوٹی میں حصہ لیتی ہوں، مجھے اپنی دلچسپی کے راستے نکالنا مشکل نہیں لگتا یہی وجہ ہے کہ میں بہت کم بور ہوتی ہوں، میں کھانا پکاتی ہوں، گھر کا کام کرتی ہوں، میڈ چھٹی پر ہو تو سب کچھ سنبھال لیتی ہوں، لکھنا لکھانا ویسے بھی رات میں ہوتا ہے سو دن بھر میں بہت کچھ نمٹا لیتی ہوں۔

40۔ موجودہ ملکی صورت حال پہ آپ کا اظہار خیال۔
ملکی صورت حال پہ کیا کہوں، ایک کھچڑی سی پکی ہے جس میں وہ مصالحہ بھی ڈالا جا رہا ہے جو اس کا حصہ نہیں۔۔۔ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے، قوم ایک راستے پر ہے۔۔ لیڈران دوسرے راستے پر۔۔۔ کرپشن ہے فساد ہے، غربت ہے
اور مزے کی بات یہ ہے ملک پھر بھی چل رہا ہے۔۔۔ اللہ پاکستان کی حفاظت کرے اور اسے مخلص حکمران عطا کرے،

43۔ آپکی من پسند ڈش، ڈرنک، پھل، سبزی اور آئس کریم؟
من پسند ڈش، ہر قسم کے کباب، فرائی فش۔
ڈرنک، پانی۔۔۔ پیاس صرف پانی سے بجھتی ہے۔
سبزی۔۔ ہری مرچ، اسکے بغیر میں کھانا نہیں کھاتی
آئس کریم۔۔ کے بیز کی آئس کریم، مکس فلیور میں،۔

44۔ سوشل میڈیا فیس بک، ٹویٹر، وٹس اپ کے بارے کیا کہنا پسند کریں گی؟
یہ سب وقت کی اہم ضرورت اور رابطے کا اچھا ذریعہ ہیں، دنیا کے فاصلے ان کی وجہ سے سمٹ گئے ہیں۔۔

45۔ نوجوان لکھاریوں کے لئے کوئی خاص بات اور پیغام؟
یہی کہ آپ سب اپنے اپنے اسلوب میں بہت اچھا لکھ رہے ہیں، لکھتے جایئے لیکن پڑھنا بھی ضروری ہے، آپکا مطالعہ جتنا وسیع ہوگا فسانہ یا کہانی لکھتے ہوئے اسی قدر سہولت ہوگی، جو بھی لکھیں پہلے اسکے بارے میں مکمل واقفیت رکھیں، اسطرح آپکی تحریر جامع اور بہترین کہلائے گی۔

41۔ اگر آپ کو حکومت کا اختیار حاصل ہوتا تو کیا تبدیلی لاتیں؟
میں صرف تعلیم کو عام کرتی، سستی اور اپ ٹو ڈیٹ ایجوکیشن میرا منشور ہوتا کیونکہ ترقی کا ہر راستہ تعلیم سے شروع ہوتا ہے، تعلیم شعور اجاگر کرتی ہے صحیح اور غلط کا فرق سمجھاتی اور مقابلے کی فضا پیدا کرتی ہے۔۔۔ یہی تین عوامل ایک قوم

کو زندہ قوموں میں شامل کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی قومی عزت کو بحال رکھتے ہیں۔

42۔ آپ کی صبح کا آغاز کیسے ہوتا ہے؟

میرے دن کا شیڈول (آجکل) صبح چھ بجے سے شروع ہوتا ہے الحمدللہ مجھے کبھی آلارم کا سہارا نہیں لینا پڑا میں ٹھیک پہلی اذان کے ساتھ بستر چھوڑ دیتی ہوں نماز سے ابتداء ہوتی ہے اور پھر سب کچھ اپنے آپ راؤنڈ دی کلاک چلتا ہے جو سیٹ اپ میں اپنے گھر کا بنا چکی ہوں وہی سارے دن کو کور کرتا ہے۔۔ میرے بچے بڑے ہو گئے ہیں سو صبح ہلکان ہونا نہیں پڑتا سب میری ایک صدا پر اٹھ جاتے ہیں اور روٹین کے مطابق اپنا معمول نمٹا کر اسکول کالج کو نکل جاتے ہیں میرے گھر میں صبح کا وقت انتہائی سکون اور خوبصورتی کا مظہر ہے،

46۔ 6 ستمبر یوم دفاع پاکستان کے موقع پر ہم وطنوں کیلیئے آپ کے کیا جزبات ہیں؟

6 ستمبر یوم دفاع پاکستان۔۔۔ پاکستانی تاریخ کا سنگِ میل۔ جب ہماری جری افواج نے دشمن کو دم دبا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا اور دنیا میں اپنے وجود کا لوہا منوایا۔۔ کسی بھی قوم کا اہم اور بنیادی جزو اس کا اتحاد اور باہمی جذبہء محبت ہوتا ہے جو اسے وطن پر نثار ہونے کی ترغیب دیتا ہے پاکستانی قوم بھی وطن دوستی اور یک جہتی میں کسی دوسری قوم سے کم نہیں وہ دنیا کے سامنے ایک مثال بن کر ہمیشہ ابھری ہے اور تا قیامت ابھرتی رہے گی۔۔۔ کیونکہ پاکستان تا قیامت قائم رہنے کے لیے وجود میں آیا ہے اور ہماری آنے والی نسلیں بھی اس کی عظمت کے گن گائیں گی۔۔۔ انشاءاللہ،

47۔ آخر میں ماہنامہ داستان دل ڈائجسٹ ساھیوال کو پڑھ کر کیسا لگا. کیا کہنا چاہیں گی؟

ماہنامہ داستان دل ڈائجسٹ ساھیوال ایک دلچسپ اور مکمل آن لائن ڈائجسٹ ہے۔۔۔ ایک بہترین ٹیم ورک کی مثال۔۔۔ جس میں سب کی کاوش و محنت اسکے ہر شعبے میں دکھائی دیتی ہے، اسمیں قارئین کی دلچسپی اور ذوق کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے، میری دعا ہے یہ ڈائجسٹ خوب ترقی کرے اور پڑھنے والوں میں مقبولِ عام رہے۔۔۔ آمین

48۔ ماہنامہ داستان دل کی ٹیم کے نام کوئی پیغام؟

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے۔۔۔۔ ماہنامہ داستان دل کی ٹیم کے نام نیک خواہشات اور دلی تمنائیں ہیں، اپنا کام محنت اور دیانت داری سے کیجئے، صلہ اللہ دے گا اور ایوارڈ آپ کے پڑھنے والے دیں گے، انشاءاللہ

دل کا حال نہ پوچھو
تجھ کو کیا بتلائیں ہم
کوئی سوال نہ پوچھو
وعدہ کرتے ہیں
لیکن کب اُس وعدے کو
پورا کرتے ہیں

ملیے بانو قدسیہ سے

بانو قدسیہ کے گھر "داستان سرائے" میں ہر جمعہ کے دن ان کے ملنے والوں کا رش ہوتا ہے، جو اپنی مصروف زندگی کی گاڑی کو "داستان سرائے" کے دروازے پر روک کر بانو قدسیہ سے ملنے آتے ہیں، ان کی باتیں سنتے ہیں اور اپنی زندگیوں میں ان کے کہے کے مطابق تبدیلی لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب "دنیا" کی ٹیم ان کے گھر پہنچی تو وہ اپنے ملنے والوں سے ملنے کے لئے اپنے وسیع ڈرائنگ روم میں تشریف لا چکی تھیں، باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ہر ایک سے بڑی محبت اور شفقت سے حال چال پوچھتی رہیں، ہر نئے آنے والے کو وہ پورے دھیان کے ساتھ سنتیں اور پھر اپنی گفتگو کا سلسلہ جوڑ دیتیں۔ "داستان سرائے" کے اندر موجود ہر فرد بانو آپا کو جس محبت اور عقیدت سے سن اور دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کی شخصیت اور فن کے لئے ایک نذرانہ عقیدت ہی تھا۔ "دنیا" کے قارئین کے لئے ہم نے دو بار بانو آپا سے ملاقات کی۔ اس دوران ان سے جتنے سوال بھی کئے گئے انہوں نے سوالوں کی سختی اپنے لہجے کی نرمی میں ملا کر ختم کر دی اور خوبصورت جواب دیئے۔ بانو قدسیہ اردو ادب کی

مشہورو معروف ادیبہ ہیں۔ انہوں نے اردو اور پنجابی زبانوں میں ٹیلی ویژن کے لیے بہت سے ڈرامے لکھے۔ اُن کا سب سے مشہور ناول "راجہ گدھ" ہے۔ اُن کے ڈرامے "آدھی بات" کو کلاسک کا درجہ حاصل ہے۔ وہ 25 سے زیادہ کتابیں لکھ چکی ہیں۔ فلسفہ ،نفسیات اور روحانیت...ادب میں ان کے موضوعات رہے ہیں۔ انہیں بہت سے دیگر اعزازات کے ساتھ حکومت پاکستان کی جانب سے ستارہ امتیاز سے نوازا گیا ۔بانو قدسیہ کے بچپن میں جھانکیں تو ان کے بقول "میرا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔ والد زراعت میں بیچلر کی ڈگری رکھتے تھے۔ اُن کا انتقال میرے بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ تقسیم پاکستان کے بعد میں اپنے خاندان کے ساتھ لاہور آ گئی۔ لاہور آنے سے پہلے میں مشرقی بھارت کے صوبہ ہماچل پردیش دھرم شالا میں زیر تعلیم رہی۔ میری والدہ بھی تعلیم یافتہ خاتون تھیں، اس لئے انہوں نے میری تعلیم اور تربیت دونوں کے راستے میں کسی رکاوٹ کو جگہ نہ بنانے دی"۔ بانو قدسیہ نے نامور ادیب اشفاق احمد سے شادی کی۔ اور اسے ہی وہ اپنی زندگی کا ٹرننگ پوائنٹ قرار دیتی ہیں۔ "میری اور اشفاق صاحب کی شادی ان کی پسند سے ہوئی، اسے محبت کی شادی بھی کہا جاسکتا ہے، لیکن میں اس کو اپنی طرف سے محبت کی شادی کا نام نہیں دے سکتی۔ میرے لئے ان کی حیثیت محبت سے کہیں زیادہ تھی۔ لیکن انہوں نے میرے لئے بہت بڑی قربانی دی ۔اپنے گھر والوں کی مخالفت کے باوجود مجھے اپنی زندگی میں

باعزت مقام دیا اور ساری عمر اس کا بھرم رکھا۔" اشفاق احمد کا ادب میں مقام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے ان کی لکھی گئی منفرد تحریروں نے اردو ادب کو نئی شکل اور جہات سے متعارف کروایا۔ روحانیت کے موضوع پر لکھی گئی اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کی تحریروں نے ایک بڑے حلقے کو متاثر اور مرعوب کیا لیکن وہیں ان کی ایسی تحریروں پر ایک بڑے سیکولر اور لبرل حلقے کو بہت سے تحفظات بھی ہیں۔ ان کے مطابق جنرل ضیاء کے مارشلائی دورِ حکومت میں بانو قدسیہ اور ان جیسے دوسرے مصنفین جن میں اشفاق صاحب، قدرت اللہ شہاب اور ممتاز مفتی جیسے لوگ ہیں، انہوں نے اپنا فرض بہتر انداز میں نبھانے کی بجائے خدا

کی تلاش کے فلسفے سے لوگوں کو روشناس کرانے کی ٹھانی، انہوں نے لوگوں میں حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے لوگوں میں صبر اور برداشت کا مادہ بڑھانے کی کوشش کی، بہت سے لوگوں کا اعتراض ہے کہ ایسے مضبوط لکھنے والوں نے اپنے فرض سے نظریں چرائیں اور اپنی تحریروں کو معاشرے کے پسے ہوئے افراد میں خودی پیدا کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا۔جب بانو قدسیہ سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ آپ نے ایک بڑے طبقے کی تنقید سہی ہے، مخالفت بھی لی ہے۔خود آپ کیا سمجھتی ہیں کہ اس کام کو کرنے کے پیچھے کیا خاص فلاسفی تھی جسنے آپ سے روحانیت پر کام لیا؟اس بارے میں بانو قدسیہ کہتی ہیں "یہ اعتراضات کرنے والوں کا مسئلہ ہے، بہت زیادہ لوگ ہیں جو اس طرزِ تحریر کی وجہ سے ہم سے محبت بھی کرتے ہیں، ہم نے ان لوگوں کو دیکھا، ویسے بھی مصنف لکھتے ہوئے اگر دوسروں کی تنقید، سوچ، رویے اوراعتراض جیسی باتوں کو ذہن میں رکھے گا تو پھر لکھ نہیں پائے گا، یا اگر لکھ بھی لے گا تو وہ تحریر اس کی ذات کی عکاس ہو گی نہ ہی اس کی سوچ کا مظہر۔ہم لوگوں نے جو بہتر سمجھا لکھا اب یہ نقادوں کا کام ہے کہ وہ ہمارے کام کو پرکھیں اور اپنا کام کریں۔"مطلب آپ ان لوگوں کے اعتراض کو بے بنیاد قرار دینا چاہتی ہیں۔؟"یہ میرا مسئلہ ہی نہیں ہے کہ میں اس پر بات کروں۔میں نے روحانیت کا راستہ اس لئے اپنایا کہ مجھے یہ اچھا لگا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جو ہمارا مذہب اسلام ہے، یہ سیرتِ پر مبنی ہے

،اور اس ان پڑھ لوگوں کے لیے زیادہ راستے اور امن ہے۔ ہم بنا سوچے پرکھے سوالوں میں جائے نبی ﷺ کو مانتے ہیں۔ ان کی باتوں اور ان کی تعلیمات کو مانتے ہیں تو پھر سوال جواب کی طرف کیوں بھاگیں۔سب علم چھوڑ دو تا کہ اللہ کا علم حاصل ہو سکے۔دو چیزیں بہت مختلف ہیں اسلام میں جو دوسرے کسی مذہب میں نہیں ہیں ایک تو یہ ہے یہ عشق کا راستہ نہیں ہے۔ عشق اللہ کے نبی کریں، اللہ سے۔ عشق ہم عام انسانوں کے کرنے کی چیز نہیں ہے، کیوں کے ہم اس کے قاعدے قانون نہیں نبھا سکتے۔یہ میرا اور آپ کا راستہ نہیں ہے ہمارا راستہ محبت ہے۔محبت کریں جس میں تواتر ہے، جیسے ماں کی محبت ہے۔ماں بچپن میں بھی محبت کرتی ہے اور بڑھاپے میں بھی۔90سال کی ماں رات ہونے پر بہو کی باتیں سنتی ہے جب اس سے اپنے 50,55 سالہ بیٹے کا بے چینی سے پوچھتی ہے کہ خدا خیر کرے اندھیرا ہو گیا ہے، میرا بچہ نہیں آیا۔ماں کی محبت میں تواتر اور ایک تسلسل ہوتا ہے۔ عشق میں تسلسل نہیں ہوتا آج ایک لڑکی سے بڑا عشق ہو گیا، اس کے لئے مرنے مارنے کے دعوے ہو گئے، اور دس سال بعد اس کی شکل بھی نہ پہچان سکیں۔یہ جو عشق میں شدت پائی جاتی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع کیا ہے۔ یہ کام صرف نبیوں کے کرنے ہیں وہ عشق بھی کرتے ہیں اور تواتر بھی کرتے ہیں۔ہم نہیں کر پاتے، ہم نہیں کر سکتے اس لئے وہ کام کریں جو بہتر انداز میں کر سکتے ہوں، ہم جیسوں نے وہی کیا۔"آپ کو اس چیز کا کیسے احساس ہوا کہ آپ نے یہ کام کرنا

ہے اور ان راستوں پر چلنا ہے؟" یہ ایک بہت لمبی کہانی ہے لیکن آپ پسند کریں تو وہ میں آپ کو بیان کر دیتی ہوں۔ بات یہ ہے کہ 1980ء میں امریکہ اور پاکستان کے درمیان ایک ایکسچینج پروگرام شروع ہوا۔ اس پروگرام میں یہاں سے کچھ ادیب امریکہ جاتے تھے اور ان کو وہاں امریکہ کے مختلف خاندانوں کے ساتھ ان کے گھروں میں ٹھہرایا جاتا تھا۔ اور وہاں کے لوگوں کو کہا جاتا تھا کہ ان کو مرعوب کریں کہ امریکن کلچر کتنا خوبصورت ہے اور پاکستانی کلچر تو کچھ بھی نہیں ہے اس کلچر کے سامنے۔ اشفاق صاحب بھی اس پروگرام کے تحت امریکہ گئے اور امریکیوں کے اخلاق و کلچر سے کافی متاثر ہو کر آئے تھے۔ جب وہ وہاں سے آئے تو جواب میں ایکسچینج پروگرام کے تحت ہی ان کے لوگ ہمارے ہاں بھی آتے رہے۔ پاکستان میں جب امریکہ سے لوگ آیا کرتے تھے تو مسئلہ یہ تھا کہ یہاں پر ایسے کوئی گھر نہیں تھے، جو Properly پاکستانی کلچر کو بیان کر سکیں۔ لیکن ہماری پوری کوشش ہوتی تھی کہ اپنے کلچر کے بارے میں انہیں کافی کچھ بتا سکیں اور متاثر کر سکیں۔ اسی طرح وہ ہمارے مذہب کے بارے میں بھی جاننے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی پروگرام کے تحت ہمارے ہاں ایک لڑکا آیا، جس کے گھر اشفاق صاحب امریکہ جاتے رہتے تھے۔ اس کی ماں کا نام ماریہ ہیزل تھا، وہ بوڑھی خاتون تھی وہ تو نہ آسکی لیکن اس نے اپنا بیٹا باب ہیزل بھیج دیا۔ وہ ہمارے ہاں جس کمرے میں ٹھہرا اس کا نام 'کاسنی کمرہ' ہے۔ 'کاسنی کمرہ' وہ کمرہ ہے جس میں قدرت اللہ شہاب رہا کرتے تھے۔ اس کمرے کی ہر چیز میں کاسنی رنگ نمایاں تھا، کمرے میں قالین' پردے' پلنگ پوش سبھی کاسنی ہے اسی لیے اس کمرے کو 'کاسنی کمرہ' کہتے ہیں۔ یہ کمرہ شہاب صاحب کی پسند کے مطابق بنایا گیا تھا۔ اور اسی کاسنی کمرے میں ہی باب ہیزل کو ٹھہرایا گیا۔ ہم سب ناشتا ساتھ کرتے تھے۔ ناشتا کرنے کے بعد میں ڈرائنگ روم میں جہاں ہم اس وقت بیٹھے ہیں، یہ جو یہاں صوفے اور چوکے پڑے ہیں... میں یہاں آکر ان کے پاس کھڑی ہو جاتی اور باہر دیکھنے لگتی تھی۔ باب ہیزل اکثر میرے پاس آکھڑا ہوتا۔ وہ کہتا! ہم امریکن ہر کام میں بہت آگے ہیں اور ہمارا مذہب مسیحیت محبت اور امن کا درس دیتا ہے۔ تو پھر اسلام سب سے بہتر اور مختلف کیسے ہوا؟۔ میں اسے کہتی کہ اسلام کہتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ تو وہ مجھے کہتا کہ کیا عیسائی کہتے ہیں کہ خدا دو ہیں، یا پھر یہودی کچھ یوں کہتے ہیں کہ اللہ دو ہیں؟۔ میں چپ ہو جاتی بڑی پریشان ہو جاتی۔ تو دوسرے دن وہ پھر آجاتا پھر کہتا کہ بتایئے کہ اسلام میں کون سی ایسی چیز ہے انسانوں کے لیے، جو کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے۔؟ اور یہ آخری مذہب بنا ہے تو اس کے پیچھے کیا خاص وجہ ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز بناتی ہے۔ میں جب بھی اس سوال کا جواب دیتی، بڑا نالائق اور فضول سا ہوتا۔ میرے پاس کوئی ایسا جواب نہیں تھا جو اسے لاجواب کر سکتا اور مجھے مطمئن۔ ایسے ہی دنوں میں ایک دن میں یہ سامنے والے لان کی طرف منہ کر کے کھڑی تھی۔ اس لان میں ایک درخت لگا

ہوا تھا جس کا نام ''سندری کا درخت'' تھا۔ سندری کا درخت وہ درخت ہے جس کی لکڑی سے سارنگی بنتی ہے۔ میں ''سندری'' کو دیکھتے ہوئے اپنی سوچوں میں گم تھی کہ باب ہیزل آ گیا اور آتے ہی مجھے زچ کرنے لگا۔ اس نے مجھ سے وہی سوال دہرایا کہ اسلام کیسے بہتر ہے دوسرے مذاہب سے؟... تو آپ یقین کریں کہ اس سندری کے درخت میں سارنگی بجنے لگ گئی اور آواز آنے لگی کہ رزقِ حرام' رزقِ حرام... مجھے نہیں پتا یہ آواز کیسے آئی لیکن میں نے اسے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ اسلام کہتا ہے کہ رزق حرام نہ کھاؤ... ورنہ تمہاری اولاد اور تمہاری آنے والی نسلیں پاگل اور دیوانی ہو جائیں گی۔ تو جیسے ہی یہ جواب میں نے اسے دیا تو وہ مجھے حیرانگی سے دیکھنے لگا... تھوڑی دیر بعد بولا، ٹھہریں بانو آپا! میں ابھی آتا ہوں۔ میں وہیں کھڑی رہی، اب میں مطمئن تھی، میں اس کو وہ جواب دے چکی تھی، جس کی تلاش میں، میں خود بھی تھی۔ وہ پندرہ منٹ بعد واپس آیا اور آ کر کہنے لگا! مبارک ہو بانو آپا میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ باب نے اپنا اسلامی نام احمد رکھا۔ یہ رزقِ حرام کا پہلا Miracle دیکھا میں نے۔ اور دوسری صبح جب میں اوپر پڑھنے کے لئے گئی تو اوپر ایک کتاب پڑی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا ''راجہ گدھ''۔ آپ یقین کریں کہ وہ ناول میں نے اوپر ہی بیٹھ کر ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پر مہینہ ڈیڑھ مہینہ میں ختم کیا۔ اور پھر وہ چھپ کے آپ لوگوں کے سامنے آ گیا، اسے بہت پزیرائی بھی ملی۔ لیکن میں اسے ناول نہیں ایک معجزہ سمجھتی ہوں۔''

بانو آپا کا لکھا گیا شاہکار ناول ''راجہ گدھ'' کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے، اسے ناقدین اردو ادب کے بڑے ناولوں میں شمار کرتے ہیں، ''راجہ گدھ'' کا ہیرو آفتاب حلال اور حرام کی جنگ میں پھنسا رہتا ہے لیکن انجام میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے پیدا ہونے والے Abnormal بیٹے کو کہانی کے حساب سے اس کے گناہوں کی سزا قرار دیا گیا۔ جب بانو آپا سے یہ سوال کیا گیا کہ اسلام کی رو سے ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہر انسان کو اس کے اعمال کی سزا خود ہی ملتی ہے، اپنا کیا ہوا عمل اچھا یا برا اس کی سزا و جزا کا وہ خود حق دار ہو گا... تو ایسی صورت حال میں آپ کیا سمجھتی ہیں کہ اس کے بیٹے کی صورت میں آفتاب کو سزا ملنا انصاف پر مبنی ہے یا جیسے ابھی آپ نے کہا کہ حرام خوری کی سزا میں آئندہ نسلیں پاگل ہو جائیں گی۔ یہ آپ کے ''راجہ گدھ'' کا Theme یا نچوڑ بھی ہے۔ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ آنے والی نسلوں کو بزرگوں کے کئے اعمال کی سزا ملنا ایک درست فارمولا ہے۔ بانو قدسیہ کا کہنا تھا ''یہ اللہ کا Formula ہے جب اللہ نے ایک بار کہہ دیا کہ آپ حرام نہ کھائیں۔ تو نہ کھائیں ورنہ یہ سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔'' تو کیا یہ لازمی ہے کہ یہ سزا ہی ہو، امتحان بھی تو ہو سکتا ہے؟ اس پر بانو آپا کہتی ہیں۔ ''انسان امتحان میں بھی فیل ہو جاتا ہے۔ ہم نے ماضی میں دیکھا بہت سے نیک لوگ گزرے، حتیٰ کے ان کے آباؤ اجداد بھی نیک تھے لیکن ان کی اولادوں کو ایسے حالات دیکھنے پڑ جائیں تو اس پر کیا کہیں گی آپ؟ بانو قدسیہ کہتی ہیں'' جب وہ رزقِ حرام کھائیں گے تو

ہی مشکلات آئیں گی۔ ''کیا کسی کے عمل کی سزا اولاد کو ملنا ٹھیک راستہ ہے؟'' (بانو آپا مسکراتے ہوئے) تو جب آپ کی اولاد کو آپ کی جائیداد سے پیسہ ملتا ہے آپ کی خوشیاں ملتی ہیں، وہ تو ٹھیک ہے؟ ارے بھئی اگر آپ کے اعمال حرام پر مبنی ہوں گے تو آپ کی اولاد ضرور سامنا کرے گی جیسے آج کی جنریشن کر رہی ہے، یہ طالبانائزیشن کا مرض ہم دیکھ رہے ہیں، ہمارے چاروں طرف دہشت گردی ہو رہی ہے۔ ان کے بڑوں سے کہیں بھول ہوئی ہے، ہم غلطی مان کر توبہ نہیں کرتے معافی نہیں مانگتے، تبھی ہماری نسلیں سزا بھگتتی ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے، یہ آج کے لوگ جو عمل کر رہے ہیں ان کو سزا نہیں ملے گی، ان کی اولادیں ضرور Suffer کریں گی۔'' آپ کی تحریروں میں عورت کا کردار بہت کمزور اور پچھلی سیٹوں پر بیٹھنے والوں جیسا رکھا نظر آتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ کہہ رہی تھیں کہ مذہب میں عورت کا نام مرد کے بعد آتا ہے، وہ مرد کے پیچھے کھڑی نظر آتی ہے۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ Biologically ایسا ہے کہ عورت کا جسم اور ذہن Medically کم اور کمزور ہے یا اللہ کی طرف سے ایسا ہے، آپ نے عورت کو کمزور بنا کر پیش کیوں کیا ہے؟ بانو قدسیہ مضبوطی سے بولیں ''عورت کا نام اور نمبر خدا نے خود مرد کے بعد رکھا ہے۔ اسے مرد کے بعد بنایا ہے۔ مرد اور عورت کو اللہ نے ایک جوڑا بنایا۔ مرد عورت کی کفالت کرتا ہے، مطلب پیسہ لا کر دیتا ہے۔ مرد اس لیے باہر کام کرتا ہے تاکہ عورت کو باہر نہ جانا پڑے۔

عورت شرم و حیا کے ساتھ گھر پر رہے، بچوں کی پرورش کرے۔ یہ دونوں کے کام اور کردار کی تقسیم ہے جو خدا کے بنائے نظام میں کی گئی ہے۔ لیکن آج کی عورت یہ کہتی ہے کہ میں نے مغرب سے سیکھا ہے، میں اپنا کام خود کروں گی۔ میں اپنے لئے خود کما لوں گی... تم کون ہوتے ہو، جو مجھ پر رعب جھاڑو...... تو اس کے نتائج میں یہ ہوتا ہے کہ مرد دو' تین' چار شادیاں کر لیتا ہے وہ بے راہ رو جاتا ہے۔ پھر بدلے میں عورت بھی ایسی ہی زندگی گزارنا چاہتی ہے جو کہ کسی صورت میں عورت کو Suit نہیں کرتی۔ کیونکہ اس طرح اس کی پرورش پر حرف آتا ہے، اگر عورت کمانے والی ہے تو اسے ہرگز یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ وہ اب سب کچھ ہے۔ عورت اگر دس ہزار کما رہی ہے اور شوہر 1500 بھی کما رہا ہے تو عورت کے لیے اس کے 1500 کی بہت قدر ہونی چاہیے۔ بچوں کی پرورش تب ہوتی ہے جب شوہر باہر سے کما کر لائے اور بیوی گھر پر بچوں کی پرورش کرے۔ شوہر کو خدا نے مجازی خدا کا رتبہ دیا ہے تو عورت کو ہمیشہ اس بات کو ماننا چاہیے۔ جو عورتیں اپنے شوہر کو ہی مجازی خدا مان لیں وہ خدا کی ہو جاتی ہیں۔ جو مرد خدا کی تلاش میں نکلتے ہیں وہ اسے پا لیتے ہیں، لیکن سب سے پہلے اس کی مانتے ہیں، بنا سوال کئے، بنا کوئی شرط رکھے۔ ہمارے ہاں یہی مشکل ہے کسی کو بھی مان لینا بہت مشکل ہے۔ بیوی کی کوشش ہونی چاہئے کہ وہ شوہر کی ماننے والی بن جائے اس سے زندگی بہت آسان ہو جائے گی۔ وہ اپنے شوہر کی جو نالائق باتیں کر رہا ہو ان کو بھی دل

سے مان لے تو خدا تک کا راستہ پا جائے گی۔" جو تصوف ہمیں آپ کی' قدرت اللہ شہاب کی اور اشفاق صاحب کی تحریروں میں ملتا ہے۔ وہ سکون سے زیادہ فرار کی جانب جاتا نظر آتا ہے۔ آپ کے نزدیک تصوف سکون ہے یا فرار ہے؟

اس سوال پر بانو آپا نے کہا"تصوف میں یہ دونوں ہی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ جو لوگ اللہ کو تلاش نہیں کرنا چاہتے وہ تصوف میں گھس جاتے ہیں اور عبادات کا دکھاوا کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو ایک صوفی کے طور پر Establish کروا کے دنیاداری سے دور فرار کی راہ اختیار کر کے تصوف کی اوٹ میں چھپ جاتے ہیں۔ لیکن آپ کبھی داتا دربار پہ جا کر دیکھیں وہاں جو اپنی چادر میں لپٹے، چھپے عبادت کرتے ہیں ان کو بھی ہم نے دیکھا ہے، وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں وہ فرار نہیں ہے وہ بیٹھ کر اللہ کا راستہ تلاش کرتے ہیں"۔ آج کل تھیٹر کا کلچر تیزی سے بڑھ رہا ہے ۔ماضی میں آپ کی جتنی بھی کہانیوں کو ڈراموں کی شکل دی گئی وہ بہت پسند کئے گئے، اب آپ نے اس پر کام کرنا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ بانو آپا کہتی ہیں" میرا خیال ہے کہ یہ Sitcom کا دور ہے اب لوگ ہنسنا چاہتے ہیں زیادہ Serious نہیں رہنا چاہتے۔" آج کل ایسی تحریریں نہیں لکھی جاتیں، جن سے زمانے میں بہتری اور مثبت سوچ کو بڑھاوا ملے کیا وجہ ہے۔"میں نے پہلے بھی کہا نہ کہ آج کل جو دور ہے وہ Sitcom کا ہے لوگ ہنستے رہنا چاہتے ہیں اور آنسوؤں کی طرف نہیں آتے۔ یہی تو فرق ہے ہماری Generation کا اور آج کی Generation کا۔ اسی لیے تو ہم نے خدا کی تلاش کے راستے کو چنا اور آج کی نسل کے مسائل مختلف ہیں، بہتری کہاں سے آئے گی۔" آپ کیا سمجھتی ہیں کہ ہم بہت سارے ادیبوں سے توقعات وابستہ رکھتے ہیں جیسے آج کل یہ کہا جا رہا ہے کہ جو ملکی حالات ہیں شاعروں اور ادیبوں کو ان کے حوالے سے لکھنا چاہیے۔ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ شاعر یا ادیب سے ایسی توقع رکھنا ضروری ہے؟"توقعات کسی سے بھی نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ وہ کام خود بخود کر دے تو ٹھیک لیکن توقعات رکھنا غلط ہے۔ توقعات تو اپنے بیٹے سے بھی رکھنا غلط ہے۔" آپ کے اوپر اشفاق صاحب کا بہت گہرا رنگ نظر آتا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔"

اشفاق صاحب ایسے شوہر تھے جنہوں نے ہمیشہ مجھے support کیا۔ مجھے نئی سوچ، نئی پہچان دی، انہوں نے خود مجھ سے پہلے یہ سوچا کہ یہ صرف روٹی ہی نہ پکاتی رہے اس میں جو جوہر ہے وہ سب کے سامنے باہر آنا چاہیے تو اس طرح سے وہ میرے شوہر بھی ہوئے' میرے استاد بھی ہوئے' میرے باپ بھی ہوئے۔"میں ان کو مانتی تھی، ان کو سب سے زیادہ اپنی زندگی میں اہمیت دیتی تھی تو مجھ پر ان کا رنگ نظر آنا فطری سی بات ہے۔ میرا یقین ہے جو انسان ماننے والا ہوتا ہے وہ مضبوط ہوتا ہے اور جو نہ ماننے والا ہوتا ہے وہ کمزور ہوتا ہے۔" تو اس طرح کیا آپ سمجھتی ہیں کہ آپ خود اشفاق صاحب سے زیادہ Strong تھیں کیونکہ آپ ماننے والی تھیں۔ آپ ان کی مانتی تھیں؟"(بانو قدسیہ ہنستے ہوئے)میں نے ان کے اور اپنے تعلقات، رفاقت پر کتاب

"راہِ رواں" لکھ دی ہے۔ اس میں سب کچھ لکھ دیا ہے کہ میں نے ان کے ساتھ زندگی کیسے گزاری' ان سے کیسے محبت ہوئی اور کیسے ان کو ماننے والی بن گئی۔ مجھ سے منوانے والا اوپر اللہ اور نیچے اشفاق تھے۔ "کبھی جھگڑا نہیں ہوا آپ دونوں کے درمیان، یا کوئی جلن کے جذبات؟" "نہیں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ہم نے ایک دوسرے کو آگے بڑھنے کا راستہ دیا۔ اشفاق صاحب نے مجھے ہمیشہ خود سے آگے چلنے کا موقع دیا۔ میں نے ان سے کبھی جھگڑا کیا ہی نہیں۔" مرد اور عورت کے رشتے میں عقیدت، محبت، مرعوبیت اور خوف کے جذبات ہوسکتے ہیں، آپ دونوں کے رشتے میں ان الفاظ میں سے کون سا عنصر موجود تھا؟" "انہیں مجھ سے محبت تھی، اور مجھے عقیدت تھی۔" کبھی آپ نے ان کی کسی بات کو ماننے سے انکار کیا۔" "کبھی ایسا نہیں ہوا، میں ان کو مان چکی تھی۔" "اتنی عقیدت آپ کے اندر آ کیسے گئی؟" "یہ عقیدت اور یہ رویہ خود اشفاق صاحب کے سلوک اور رویے نے میرے اندر بھر دیا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ مجھے عزت اور احترام دیا میں نے ان کے احترام کا احترام کیا وہ بہت اچھے رائٹر تھے لیکن اس سے بھی اچھے شوہر تھے۔ ہمارا 50 سال کا ساتھ تھا۔ میں نے ان کی خاموشی سے بھی بہت کچھ سیکھا۔ ہم آپس میں بہت زیادہ باتیں نہیں کرتے تھے، اشفاق صاحب ہوتے تو آپ کو بتاتے کہ میں نے زندگی میں ایک بار بھی ان سے لڑائی نہیں کی۔ مجھے جھگڑا کرنا آتا ہی نہیں تھا۔ اس لئے ان کی مان لیتی تھی۔ بہت سے لوگوں کی رائے میں ایسا تاثر بھی ملتا ہے کہ آپ کی تحریروں سے اشفاق صاحب متاثر تھے، اور ان کے لکھے گئے بہت سے کام میں آپ کے انداز کی شبیہہ نظر آتی ہے۔ اس پر آپ کیا کہتی ہیں؟" "آپ "راہِ رواں" پڑھ لیں تو آپ کے سامنے واضح ہو جائے گا۔ وہ بہت منفرد انسان تھے۔ انہوں نے مجھے میری زندگی میں میرے وجود سے متعارف کروایا۔ پہلی کہانی تب لکھی جب میں پانچویں کلاس میں تھی، لیکن اس کے بعد یہ سلسلہ رک گیا۔ شادی کے بعد ایک دن کچن میں کھڑی روٹیاں بنا رہی تھی تو اشفاق صاحب کہنے لگے تمہیں اور کوئی کام نہیں آتا، پہلے میں اس سوال پر حیران ہوئی، پھر میں نے کہا، کہانیاں لکھا کرتی تھی بچپن میں۔ جس پر انہوں نے کہا کہ اب تم روز ایک افسانہ لکھا کرو گی اور روٹیاں پکانے کے لیے ہم کوئی اور عورت رکھ لیں گے۔ تو میں نے کہا کہ مجھے تو آتا ہی نہیں افسانہ لکھنا تو کیسے لکھوں گی۔ تو کہنے لگے کہ جب مچھلیاں پکڑتے ہیں تو دانہ ڈالتے ہیں۔ پہلی بار میں ایک یا دو مچھلیاں دانہ کھاتی ہیں لیکن اگر روز دانہ ڈالو تو کئی مچھلیاں آنے لگیں گی۔ اسی طرح پہلے دن لکھنے کے حوالے سے کم خیال آئیں گے لیکن پھر ہر دن نئے نئے خیالات آتے رہیں گے۔ میں ماننے والوں میں ہوں تو میں نے اپنے شوہر کی بات مانی اور لکھنا شروع کیا۔ اوپر اللہ تھا جس نے مجھے راستہ دکھایا اور نیچے اشفاق صاحب تھے جنہوں نے مجھے Torch کے ذریعے راستہ دکھایا اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب لکھا کرو تو اس کا ایک وقت مقرر کر لوں پھر اس وقت میں چاہے تمہاری ماں آئے' تمہارا باپ

آئے یا میں آؤں تب بھی نہیں اٹھنا۔ سب کو یہ کہہ دینا کہ جب میں لکھنا ختم کردوں گی تو میں آؤں گی۔ یوں نے ساری زندگی اسی فارمولے پر عمل کیا۔ "کیا ایسا ممکن ہوتا ہے کہ روز ہی مقرر وقت پہ بیٹھ کر لکھا جائے کیونکہ اکثر سیانے کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے آپ کو کئی کئی دن خیال ہی نہ آئے کہ کیا لکھا جا سکتا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگیں "میں نے تو اشفاق صاحب کی بات پر عمل کیا اور جو انہوں نے مچھلیوں والی بات مجھے سمجھائی اسی کو مانا اور لکھنا شروع کیا ایک مقررہ وقت پر۔ پھر چاہے کوئی بھی آتا اس وقت میں' تب کسی سے بات نہ کرتی بعد میں جب لکھ لیتی تو پھر ان سے بات کرتی۔ "قدرت اللہ شہاب سے آپ لوگوں کا بہت قریبی تعلق تھا' اس کے پیچھے کیا وجہ تھی؟" یہ شہاب صاحب کا پیار اور مہربانی تھی۔ آپ یقین کریں کہ تقریباً ہر ہفتے وہ اسلام آباد سے اشفاق صاحب سے ملنے آیا کرتے تھے۔" آپ شہاب صاحب کی شخصیت کو کیسے بیان کریں گی؟ "وہ نہایت ہی شفیق' سچے انسان تھے۔ کبھی کسی کے ساتھ زیادہ کھل کر نہ ملتے، ہمیشہ ایک فاصلہ رکھتے تھے۔ وہ جب بھی ہمارے ہاں آتے تو کاسنی کمرے میں ٹھہرتے تھے۔ آپ یقین کریں کہ اس کمرے سے ان کی موجودگی میں کاسنی روشنی بھی آتی تھی۔" آپ نے اور اشفاق صاحب نے کمال تحریریں رقم کی ہیں کیا آپ کے بچوں میں بھی یہ شوق موجود ہے؟ بانو آپا کہتی ہیں "جی ہاں! بالکل ان کے شوق بھی ہیں اسی طرف۔ میرا بڑا بیٹا امریکہ میں ہے اس کی بیٹیاں بھی باہر ہیں' وہ پڑھائی میں مصروف ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ لکھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں، سب سے چھوٹا بیٹا تو میری بہت خدمت کر رہا ہے۔ میں رات کو بھی بولوں تو بھاگ کے آ جاتا ہے میرا پتا کرنے۔ "کوئی پیغام دینا چاہئیں گی۔" انسان کے پاس ہمیشہ دو راستے ہوتے ہیں ایک راستہ بدی کا اور دوسرا راستہ نیکی کا ہے۔ تو یہ انسان پر ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ٹرین کو کس راستے پر لے کر چلتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ توازن رکھنا چاہیے۔ اگر میں آپ سے محبت کرتی ہوں یا نفرت... تو میری محبت' میری نفرت پر غالب نہ آئے اور میری نفرت' میری محبت پر غالب نہ آئے تبھی سب ٹھیک رہے گا۔"

☆☆☆☆☆

بشکریہ روزنامہ دن

ملیے نائلہ جاوید سے

(انٹرویور: فاطمہ عبد الخالق)

السلام علیکم قارئین کیسے ہیں آپ سب امید واثق ہے کہ آپ سب بخیر وعافیت ہوں گے اور ماہنامہ داستان پڑھنے میں مگن ہو گے تو جناب ہم نے سوچا کیوں نہ اس بار کسی خاص ہستی سے آپ کی ملاقات کروائی جائے تو دوستو اس بار ہم کروانے جارہے ہیں آپ کی ملاقات مسز نائلہ جاوید سے، جو کہ عصر حاضر کی بہت اچھی شاعرہ ہیں ان کی شاعری میں محبت اور ہجر کا رنگ نمایاں ہے امید ہے آپ سے ان کی ملاقات کی یہ نشست ایک یادگار ملاقات ہو گی تو آیئے دیر کس بات کی ملتے ہیں مسز نائلہ جاوید سے السلام علیکم! نائلہ جی کیسی ہیں آپ؟

اپنے متعلق کچھ بتایئے آپ کس مزاج کی ملکہ ہیں؟

جواب: بہت شکریہ فاطمہ مجھ سے میرے بارے پوچھنے کا۔ مزاج کے بارے میں کیا بتاؤں سچ پوچھو بہت صاف اور محبت بھرا دل ہے میرا منافقت نہ پسند ہے اور نہ کبھی کی ہے۔ بہت حساس ہوں جلد اداس ہو جاتی ہوں۔

کچھ گھریلو مصروفیات سے متعلق؟

جواب: درس وتدریس سے وابستہ ہوں۔ گورمنٹ کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر ہوں۔ ایک ہی بیٹی ہے جو آٹھویں میں پڑھتی ہے اور بہت بچپن سے انگلش شاعری کر رہی ہے۔ میرا تمام وقت گھر کالج اور میری بیٹی کے ارد گرد گھومتا ہے۔

آج کل تو لکھاری ہر صنف پر طبع آزمائی کرتے ہیں پھر آپ صرف شاعری سے ہی وابستہ کیوں ہیں؟

جواب مجھے شاعری سے شغف بچپن سے تھا۔ بہت چھوٹی عمر سے لکھنا شروع کیا۔ مجھے لگتا ہے میں شاعری میں اپنے احساسات زیادہ بہتر بیان کر سکتی ہوں۔ لیکن میں نے کہانیاں بھی لکھی ہیں۔

شاعری آپ کے نزدیک کیا ہے؟

میرے نزدیک شاعری اپنے احساسات کو اسطرح لفظوں کا پیراہن پہنانا ہے کہ جو بھی پڑھے اسے اپنے دکھ سکھ کا عکس اس میں دکھائی دے۔ کہتے ہیں شاعر اور محبت لازم وملزم ہیں آپ کے نزدیک محبت کیا ہے؟

جواب: محبت کا تصور لا محدود ہے۔ آپ اسے صرف مرد وہ زن کی محبت تک میں حدود نہیں کر سکتے۔ اپنے مقصد سے بھی عشق ہو سکتا ہے نظریہ سے بھی۔ اور سب سے اعلی وہ عشق جو انسان کو اللہ تک لے جائے۔ آپکی محبت اللہ کے عشق سے جا ملے۔ آپکی خواہش اللہ کی رضی کے تابع ہو جائے۔ جس

طرح تمام دریا سمندر میں جا ملتی ہیں اسی طرح تمام چھوٹی بڑی محبتیں آخر خدا سے محبت میں ڈھل جاتی ہیں۔

آپ کو کب اور کیسے احساس ہوا کہ آپ بھی لکھ سکتی ہیں؟ پہلی بار اشاعت کو وقت آپ کے کیا محسوسات تھے؟ پہلی شاعری جو شائع ہوئی؟ اور کس ماہنامے کی زینت بنی؟

جواب: شعاع ڈائجسٹ کا شائد چوتھا شمارہ تھا جس میں میری پہلی غزل چھپی تھی۔ میں سکول میں پڑھتی تھی تب۔ اس سے پہلے نظمیں کرکٹ میگزین اخبار وطن میں بہت لکھیں۔ اور چھپیں بھی۔

آپ نے اتنا لکھا پھر بک فارم میں آپ کا کلام کیوں نہیں آیا؟ اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: کتاب شائع نہیں کرا سکی شاعری کی اصلی ئے کہ میں سمجھتی ہوں ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ مگر انشاء اللہ جلد اس پر کام کروں گی۔

آپ کی سب سے زیادہ حوصلہ افزائی کس نے کی؟

جواب: میری حوصلہ افزائی کسی نے نہیں کی۔ ابو کو میرا شاعری کرنا ناپسند تھا۔ وہ ہر صورت مجھے ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے اور مجھے پروفیسر بننے کا شوق تھا۔ میں چھپ کر لکھتی میرے سامعین میرے چھوٹے بھائی تھے ماشاء اللہ دونوں سرجن ڈاکٹر ہیں اور انگلینڈ میں ہیں آجکل۔ میں جو لکھتی انہیں سناتی اور پھر وہ رسالے میں پوسٹ کر دیتے۔ ابو کو شاعری وقت کا زیاں لگتا۔ مگر بعد میں انہیں سب سے زیادہ میرا نام رسالوں میں دیکھ کر خوشی ہوتی۔

آپ کا کوئی ایسا شعر جو آپ کو بہت پسند ہو اور آپ کے لبوں پہ رہتا ہو؟

جواب: مجھے میرا ایک شعر پسند ہے

دوست سمجھ کر جنھیں میں خلوص بانٹتی رہی
سانپ تھے وہ لوگ اپنی ذات کی گھپاؤں میں

کبھی تنقید کا سامنا ہوا؟ آپ کے نزدیک تنقید لکھاری کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے؟

جواب: تنقید اگر مثبت ہو تو آپکی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیئے بہت ضروری ہے۔

خواب انسانی زندگی کا حصہ ہیں ہر شخص مستقبل کے خواب دیکھتا ہے، آپ کا خواب کیا ہے؟

جوابیں اپنے سارے خواب اپنی بیٹی میں دیکھتی ہوں۔ خدا اسے کامیاب لکھاری اور بہت خوش بخت بنائے۔

ماشاء اللہ آپ لیکچرار بھی ہیں پھر گھریلو مصروفیات اور ساتھ ساتھ سوشل میڈیا اور شاعری، کبھی مشکل نہیں محسوس ہوتی؟

جواب: میں وقت کو ایسے تقسیم کرتی ہوں کہ سب کچھ ہو جاتا ہے لکھنا پڑھانا پڑھنا اور پھر سارا کو پڑھانا۔

کہتے ہیں شوہر کے دل کا رستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے؟ تو آپ کے اس مقولے کے حوالے سے کیا خیال ہے؟ کوکنگ کیسی ہے آپ کی؟ کوئی خاص ڈش آپ کی؟

جواب: کوکنگ ضرور کرتی ہوں۔ سارا اور جاوید کو میری حلیم اور کڑھی بہت پسند ہے۔

آپ کی ہابیز کیا ہیں؟فارغ اوقات میں کیا کرنا پسند ہے ؟

جواب:۔ اچھی سی کتاب شاعری کی پڑھنا اور چائے

کوئی ایسا واقعہ جو آپ کبھی بھول نہیں سکتیں؟

جواب:زندگی کا وہ دن کبھی نہیں بھول سکتی جب بڑی منتوں مرادوں کے بعد سارا میری گود میں آئی۔اس لمحے کا شکر میں ہر سانس کے ساتھ ادا کرتی ہوں۔اسکی آنکھوں کی چمک اور پہلا معصوم سالمس ماں بننے کا احساس۔خدا کا انعام ہے میرے لیئے۔

آپ کے خیال میں انسان اپنی قسمت کے لکھے پر زندگی بسر کرتا ہے یا محنت کے بل بوتے پر؟

جواب:محنت فرض ہے۔نتیجہ خدا پر چھوڑ دیں۔پھل ضرور ملتا ہے دیر یا بدیر۔اور تقدیر میں جو لکھا ہے اوپر راضی ہو جائیں یہی اللہ کو پسند ہے۔

آپ کی سب سے بڑی خوبی؟

جوابشائدیہ خوبی ہے یا حماقت مگر میں بھول جاتی ہوں لوگوں کے نارواروپے۔منافقت نہیں ہوتی مجھ سے

آپ کے پسندیدہ شاعر اور مصنف؟

جواب:شاعر بہت سے پسند ہیں۔مگر امجد اسلام امجد محسن نقوی ابن انشا پروین شاکر پسندیدہ ترین ہیں

کوئی آئیڈل شخصیت؟

مصنفہ عمیرہ احمد امرتا پریتم

زندگی کی کامیابی کا راز؟

جواب:کامیابی کا راز محنت مستقل مزاجی اور مقصد سے لگن میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

پریشانیاں زندگی کا حصہ ہیں تو آپ اپنی پریشانی کا کس سے اظہار کرتی ہیں؟

جواب:پریشان ہوں تو حاجت کے دو نفل پڑھ کر سب کچھ رب سے کہہ دیتی ہوں۔مجھے سمجھ نہیں آرہا مجھے اس پریشانی سے آپ ہی نکال سکتے ہیں۔وہ کوئی نہ کوئی راہ سجھا ہی دیتے ہیں۔لوگوں سے کہہ کر آپ کو کچھ نہیں ملتا تعلق بگڑ جائے تو سناسنا کر طعنے ماریں گے۔خدا سے اچھا دوست کوئی نہیں ہو سکتا۔دنیا صرف ہنس سکتی ہے آپ کے ساتھ مل کر۔

آزادیٔ نسواں آپ کی نظر میں؟

جواب:عورت کی آزادی اسلام کے خوبصورت فرمانوں میں موجود ہے۔ہم اسے فالو نہیں کرتے ہیں۔اس لیئے مسائل جنم لیتے ہیں

مطالعہ کی اہمیت آپ کی لائف میں؟

جواب:مطالعہ روح کی غزا سمجھیں۔سوشل میڈیا نے بچوں سے یہ عادت چھین لی ہے۔کتابیں آپکو جینے کا شعور دیتی ہیں۔

بارش کا موسم شعراء کو عموماً بہت پسند ہوتا ہے؟آپ اسے کیسے انجوائے کرتی ہیں؟

جواب:بارش بہت پسند ہے۔بارش میں بھیگنا۔اچھی سی کتاب شاعری کی پڑھنا اور چائے

شاپنگ اور عورت لازم وملزم سمجھی جاتی ہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: شاپنگ غیر ضروری سخت ناپسند ہے۔ کتابیں خریدنا سارا کے ساتھ ملکر بہت اچھا لگتا ہے۔

لوگوں کی کس بات پر غصہ آتا ہے؟ غصے میں آپ کی کیفیت؟

جواب: منافقت پر بہت غصہ آتا ہے۔ اور پروفیشنل لائف میں ایسے رویوں سے بہت واسطہ پڑتا ہے
غصے میں خاموش ہو جاتی ہوں۔ یا بہت غصے میں رو پڑتی ہوں

ہر محب وطن انسان اپنے ملک کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہے، آپ کی کیا خواہش ہے؟
آپ پاکستان کو کیسا دیکھنا چاہتی ہیں؟

جواب: جی چاہتا ہے زندگی وطن کے لیئے ایمانداری سے کام کرتے گزرے۔ اسکی ترقی میں سب اپنا اپنا کردار ادا کر سکیں۔ پاکستان کو ہر تعصب سے پاک ایک مضبوط ملک دیکھنا چاہتی ہوں۔ امن کا گہوارا۔

پڑھنے والوں کو کیا پیغام دیں گی آپ؟

جواب: پڑھنے والوں کے لیئے پیغام ہے کہ مطالعہ کی عادت کو فروغ دیں۔ اور مثبت تنقید کرنی چاہیئے۔
تم جیسی بہت تخلیقی ذہن کی حامل لڑکیوں کو خوب لکھنا چاہیئے۔ خدا آپکو ترقی دے بہت شکریہ

اس کے ساتھ ہی ہم نے نائلہ جاوید سے اجازت چاہی
بہت بہت شکریہ نائلہ جی آپ نے قیمتی وقت ہمیں دیا،

بزم کی روح رواں تھے ڈاکٹر انور سدید
علم وفن کے ترجماں تھے ڈاکٹر انور سدید

غوطہ زن رہتے تھے وہ بحر معنی میں سدا
فی الحقیقت نقطہ داں تھے ڈاکٹر انور سدید

کیوں نہ ہو دنیائے شعر وفن میں ان کا تذکرہ
عظمت حرف وبیاں تھے ڈاکٹر انور سدید

جو ہیں وابستہ ادب سے، آپ سے کرتے ہیں پیار
ہر کسی کی جان جاں تھے ڈاکٹر انور سدید

زندگی بھر خدمت علم وہنر کرتے رہے
صاحب عزم جواں تھے ڈاکٹر انور سدید

دوستوں کی ان کی مرگ ناگہاں پر ہے ملال
مہربان ورازداں تھے ڈاکٹر انور سدید

سوئے جنت چھوڑ کر تنہا ہمیں جاتے رہے
وہ ندیم دوستاں تھے ڈاکٹر انور سدید

ریاض ندیم نیازی

قصوروار کون؟

اسامہ بھٹی

جمال ایک آوارہ لڑکا تھا۔ اسکا اٹھنا بیٹھنا بھی محلے کے آوارہ اور بد مزاج لوگوں کے ساتھ ہی تھا. جمال کے والدین نے بھی جمال کی تربیت کی طرف توجہ نہ دی. وقت گزرتا گیا اور پھر جمال کی شادی بھی کر دی گئی. اس کے ماں باپ کا بھی انتقال ہو گیا. اب گھر کی ساری زمہ داری جمال کے سر پر آن پڑی. گھر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے بھی تو کافی روپے پیسے کی ضرورت تھی. جمال کے حالات سے سب واقف تھے . اسی لئے کوئی بھی جمال کو کام پر رکھنے پر راضی نہ ہوا. آخر ایک دن جمال نے اپنے دوستوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ کیوں نہ ہم سب لاکھوں روپے کمائیں. مگر کیسے؟ ایک دوست بات کاٹتے ہوئے جمال سے مخاطب ہوا. جمال ادھر ادھر دیکھنے کے بعد بولا کہ ہم لوگ بچوں کو اغوا کر کے بیچ دیا کریں گے. پہلے پہل تو سب نے انکار کر دیا. مگر جب جمال نے کل ان کو پیسوں کا لالچ دیا اور ہفتہ بھر میں کروڑپتی بننے کے خواب دکھائے تو سب متفق ہو گئے. اور انہوں نے یہ کام کرنا شروع کر دیا. وہ پیسہ ایسے کمانے لگے جیسے کہ سب کی سینکڑوں فیکٹریاں ہوں. شروع شروع میں تو بچوں کو اغواء کرتے اور بیچ دیتے مگر بعد میں بچوں کے دل، گردے اور دوسرے اعضاء نکال کر بیچنا شروع کر دیا اور پہلے کی نسبت زیادہ پیسے کمانے لگے. شہر بھر میں بچوں کے اغوا ہونے کی خبر آگ کی طرح پھیل گئی، مگر ملزمان کا سراغ نہ لگایا جاسکا. جمال کی بیوی نے یہ خبر سنی تو بولی کہ خدا کرے کہ ان اغواء کرنے والوں کے اپنے بچوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو تو پھر ان کو پتا چلے. جمال پاس بیٹھا اپنی بیوی کی بات سن کر دھیمے سے مسکرایا اور گھر سے باہر نکل گیا. اگلے روز جمال کو شہر سے باہر کسی دوست کو ملنے جانا تھا. جمال صبح صبح اپنے اکلوتے بیٹے ابراہیم کو پیار کرنے لگا اور بوسہ دیا اور اپنے سفر پر روانہ ہوا. ابراہیم بعد میں ضد کرنے لگا کہ اسے کھلونے چاہئیں. ماں نے اس کی خواہش پوری کرنے کی حامی بھری اور اپنے اکلوتے بیٹے کو ساتھ لے کر بازار چلی گئی، بازار میں اچانک ابراہیم غائب ہو گیا اور جمال کی بی جمال کی بیوی کو خبر تک نہ ہوئی. جب تک اسے اپنے بیٹے کے گم ہونے کا پتہ چلا تب تک بہت دیر ہو چکی تھی. جمال کی بیوی روتے ہوئے گھر پہنچی تو جمال کو دیکھ کر اور بھی زور سے رونے لگی. جمال نے

رونے کی وجہ پوچھی تو اصل قصہ معلوم ہوا۔ جمال پریشانی کے عالم میں اپنے اکلوتے بیٹے کو دربدر فل ڈھونڈنے لگا۔ مایوس ہو کر جب جمال گھر کی طرف بڑھا تو راستے میں اس کا دوست ملا اور بتلایا کہ آج انہوں نے بازار سے ایک خوبصورت بچہ اغوا کیا اور اس کے گردے اور دوسرے اعضاء بیچ کر بہت سی رقم حاصل کی ہے اور تمہارا حصہ تم کو دینے جا رہا تھا، اچھا ہوا کہ تم راستے میں ہی مل گئے۔ جمال نے لرزتے ہوئے ہونٹوں کو جنبش دی اور اس آدمی کو پوچھا کہ لاش کہاں پھینکی ہے۔ جمال لاش کا پتہ معلوم کر کے اس سمت بڑھا۔ جب اس جگہ پر پہنچا تو اپنے بیٹے کی لاش کو دیکھ کر زمین پر گر پڑا۔ جمال کے سامنے اس کے اپنے اکلوتے بیٹے کی لاش تھی اور اس کے ذہن میں کئی سوالات تھے کہ اس سارے واقعے کا قصوروار کون تھا؟ جمال یا جمال کے والدین یا پھر جمال کی بیوی؟

زندگی کے میلے میں، خواہشوں کے ریلے میں
تم سے کیا کہیں جاناں، اسقدر جھمیلے میں
وقت کی روانی ہے، بخت کی گرانی ہے
سخت بے زمینی ہے، سخت لامکانی ہے
ہجر کے سمندر میں
تخت اور تختے کی ایک ہی کہانی ہے
تم کو جو سنانی ہے
بات گو ذرا سی ہے
بات عمر کی بھر کی ہے
عمر بھر کی باتیں کب دو گھڑی میں ہوتی ہیں!
درد کے سمندر میں
ان گنت جزیرے ہیں، بے شمار موتی ہیں)
آنکھ کے دریچے میں تم نے جو سجایا تھا
بات اُس دیئے کی ہے
بات اُس گلے کی ہے
جو لہو کی خلوت میں چور بن کے آتا ہے
لفظ کی فصیلوں پر ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے
زندگی سے لمبی ہے، بات رتجگے کی ہے
راستے میں کیسے ہو؟
بات تخلیئے کی ہے
تخلیئے کی باتوں میں گفتگو اضافی ہے
پیار کرنے والوں کو اِک نگاہ کافی ہے
تم کو جو سنانی ہے
بات گو ذرا سی ہے
بات وہ پتے کی ہے
ہو سکے تو سُن جاؤ ایک دِن اکیلے میں
زندگی کے میلے میں، خواہشوں کے ریلے میں
تم سے کیا کہیں جاناں اسقدر جھمیلے میں

انتخاب ریمانور رضوان

شاعر: امجد اسلام امجد

اپنی جاں نذر کروں

ارم فاطمہ

ہمارا ہر لمحہ خوف کی کیفیت سے گذر رہا تھا۔ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ تمام افراد جن میں بچوں اور خواتین زیادہ تھے ایک اضطراب میں مبتلا تھے اور ہمارے لبوں پر دعائیں تھیں خدا بخیریت پاک وطن کی سرزمین پر سجدہ کرنے کی سعادت نصیب فرمائے سب کے چہرے غم کی تصویر تھے کسی نے اپنا لخت جگر کھویا تھا تو کسی نے اپنا بھائی۔ کوئی باپ کی شفقت سے محروم ہوا تھا تو کسی کی نرم و نازک کلی درندگی کا شکار ہو گئی تھی۔ خود میرا چھوٹا بھائی جو مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن کا صدر تھا اپنے ہندو دوستوں کی گولیوں کا نشانہ بنا تھا۔ کبھی سوچا نہ تھا برسوں کی دوستی اور اپنایت کے رشتے ایک آزاد وطن کا خواب دیکھنے کے جرم میں دشمنی میں بدل جائیں گے۔

ہماری جیپیں سست روی سے چل رہیں تھیں راستے میں جلے ہوئے گھر جو کھنڈر ہو چکے تھے اور کٹی پھٹی لاشیں ہندو بربریت کا منہ بولتا ثبوت تھیں اس لہو رنگ آزادی کی تصویر دکھا رہی تھیں یا چانک جیپیں رک گئیں کچھ مشعل بردار لوگوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا سب سے آگے جو آدمی تھا اسے ہم نے پہچان لیا وہ میری دوست مدھو کے پتا جی تھے ہماری دوستی بہت پرانی تھی مگر اب ان کی آنکھوں سے نفرت ٹپک رہی تھی۔

ابا بھائی پریشان تھے میری عمر 13 سال تھی میں جیپ سے اتری اور ان کے پیروں سے لپٹ گئی انہوں نے مجھے گود میں اٹھایا ایک لمحے کے لئے مجھے دیکھا اور جیپ میں بٹھا دیا۔

آج ان کی انسنیت کی وجہ سے ہمارا خاندان اپنے آزاد وطن پاکستان مین سانس لے رہا ہے۔"

سب بچے سعد کے کمرے میں دادی جان کے گرد بیٹھے یہ داستان سن رہے تھے وہ ہر سال 14 اگست کو انہیں یہ کہانی سناتیں اور وطن کے لئے قربانی اور ایثار کا درس دیتیں

خود سعد کی نظریں جھکی ہوئیں تھیں کہ جو سر پر پٹی اور ٹانگ پر پلاسٹر چڑھائے لیٹا تھا وہ اپنے عمل پر شرمندہ تھا۔

دادی جان کہہ رہیں تھیں "آزادی پٹاخے چلانے، جھنڈیاں لگانے اور سڑکوں پہ ون ویلنگ کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ

ایک عہد، ایک وزم نو اور ایک آگاہی کا دن ہے کہ جہاں ہمیں پاکستان کے لئے جینا اور پاکستان کے لئے مرنا ہے اس کی ترقی اور خوشحالی کو اپنا نصب العین اور اس کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھنا ہے اور دل میں اس عزم کو تازہ رکھنا ہے کہ کوئی مادر وطن کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہ کر سکے"

دادی وطن کی محبت کے جزبے سے پر جوش ہو رہی تھیں

ان کی محبت سے کہے گئے جملوں نے سعد کے دل میں وطن کی محبت کو پھر سے بیدار کر دیا اور اس نے ایک فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے وطن کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے پاک آرمی جوائن کرے گا

اس کے سکول میں جشن آزادی کی تقریب منائی جارہی تھی اس نے اس میں حصہ لینے کے لئے ایک نظم اور مضمون تیار کیا۔ اب وہ بالکل بدل چکا تھا اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ گروپ بنایا اور ان کے ساتھ یہ پروگرام ترتیب دیا کہ وہ اور اس کے دوست آزادی کے اگلے دن تمام جھنڈیوں کو جو سڑکوں اور گلیوں میں زمین پر پڑی ہوتیں ہیں ان کو پیروں کے نیچے مسلا جاتا ہے وہ اکٹھی کریں گے اور مزید لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرنے کے لئے جگہ جگہ پوسٹر لگائیں گے کہ "خدارا اپنے قومی پرچم کا احترام کریں"

بالاخر 14 اگست کا دن آ گیا سعد کو بہت بے چینی سے اس دن کا انتظار تھا۔ وہ صبح سویرے ہی سکول کے لئے تیار ہوا اور وقت سے پہلے سکول پہنچ گیا

پورا سکول سبز ہلالی پرچم سے سجا بہت خوبصورت لگ رہا تھا گیٹ پہ چوکیدار آیا باجی اور دیگر سکول ملازمین بھی سبز اور سفید کپڑے پہنے پاکستان سے محبت کا اظہار کر رہے تھے۔

ابھی وہ گیٹ پہ کھڑا یہ جائزہ لے ہی رہا تھا کہ اس نے ایک بند گاڑی کو کئی بار سکول کی گلی میں چکر لگاتے دیکھا وہ لمحہ بھر کو گھبر ایا اسے خطرے کا احساس ہوا مگر دوسرے ہی لمحے جیسے وہ کوئی فیصلہ کر کے ایک جذبے سے سرشار اندر سکول کی جانب گیا اور اپنے دوستوں کو اس مشکوک گاڑی کے بارے مین بتایا ابھی بچوں کے جمع ہونے اوت تقریب کے شروع ہونے میں وقت تھا سب بچے ابی ہال میں تھے اس نے دوستوں کو کچھ سمجھایا اور کود وہ گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔

اس کے دوستوں نے ہال میں سب بچوں کو اکٹھا کیا اور مائیک کے ذریعے کسی ان دیکھے خدشے کا اظہار کیا اور سب کو پر سکون رہنے کی ہدایت کی وہ سب بچوں کو لے کر سکول بیں منٹ میں چھپ گئے۔ سعد کیا کر رہا تھا انہیں کچھ نہیں معلوم تھا۔

اسی دوران پرنسپل نے فون کر کے سپیشل فورس والوں کو دہشت گردوں کے بارے میں اطلاع دی۔

اچانک سفید گاڑی گیٹ سے ٹکرائی ایک دھماکے سے گیٹ دو ٹکڑے ہو گیا پورے سکول کو خالی دیکھ کر انہیں اپنا مقصد پورا ہوتا نظر نہ آیا۔ سعد جو ہال کے دروازے پر کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا ان کے سامنے آ گیا تا کہ وہ بے شک اسے مار دیں مگر بیسمنٹ تک نہ پہنچ سکیں وہ سعد کو گولیوں کے نشانے پر رکھ

کر بچوں اور سکول سٹاف کا پوچھتے رہے اور ان کے باقی ساتھ بیسمنٹ کا رستہ ڈھونڈنے میں مصروف تھے کہ سپیشل فورس کے کمانڈوز آن پہنچے انہیں دیکھ کر اور اپنے منصوبے کی ناکامی سے جھنجلا کر انہوں نے گن سے سعد پر فائر کر دیا اور سپیشل فورس پر بھی فائرنگ شروع کر دی فائرنگ میں دہشت گرد مارے گئے۔سکول کے تمام بچے بحفاظت کھڑے اس ننھے شہید کی لاش دیکھ رہے تھے جس نے اپنی ذہانت اور جان کا نذرانہ دے کر اس ملک کی حفاظت کا اپنے ہم وطنوں کی جان بچانے کا اپنا وعدہ پورا کیا تھا اور اپنا عہد نبھایا تھا

افسانچہ

چاہت کے چرچے

آج جب میں نے اسے کئی دنوں کے بعد چھوا تو دل دھک دھک کرنے لگا۔ایک عجیب سی خوشی مجھے محسوس ہونے لگی آنکھیں جیسے چمک اٹھیں۔اور چہرے پے ایک مسکراہٹ بکھر گئی میری اور اس کی چاہت کے چرچے پورے محلے میں مشہور تھے۔ابا نے میرے دیوانے پن کو دیکھتے ہوئے اسے مجھ سے دور کر دیا...اور میں ساری رات بس اسی کے متعلق سوچتا رہا اور اس سے ملنے کی ترکیبیں بناتا رہا۔صبح ہوتے ہی میں نے اس کے پاس جانا چاہا مگر معلوم ہوا کے تایا ابا اسے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔میں منہ لٹکائے اپنے کمرے کی طرف چل دیا اور افسوس کرتا رہا کے کاش تایا ابا کے جانے سے پہلے میری اس سے ملاقات ہو جاتی...سارا دن اداس رہا جب شام میں اداسی میں ڈوبا سینٹر سے گھر پہنچا تو دیکھا ابا اس کے ساتھ تھے ابا نے مجھے دیکھتے ہی میری اداسی نوٹ کی اور پھر بہت ہی نرمی سے بولے

بیٹا، یہ لو تمہارا "لیپ ٹاپ" مگر طریقے سے استعمال کیا کرو...

از منتہا آرائیں

عورت

دانش انقلابی سعودی عرب

"عورت بچہ جنم دیتے وقت جس درد اور تکلیف سے گزرتی ہے، اس سے کہیں زیادہ کٹھن اس درد کو برداشت کرنا ہے، جب بیٹی کے جنم پہ باپ اداس ہو جاتا ہے۔ اور کئی دنوں تک گھر میں آئی رحمت کو نظر بھر کے دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ اس وقت ماں کی روح پہ ایسے زخم لگتے جن کے درد کا اندازہ کرنا کسی اور کے لیے بہت مشکل ہے۔ میں بھی ایسی تکلیف سے گزری ہوں۔ جب تم پیدا ہوئی تو تمہارے باپ نے کئی دن تک تمہارا چہرہ نہیں دیکھا۔ اس بات کو اٹھتیس برس بیت چکے ہیں لیکن تمہارے باپ سے میرا یہ شکوہ اب بھی قائم ہے۔ خدا نے انھیں اس کی رحمت سے منہ موڑنے کا صلہ ایسے دیا کہ ایک کے بعد ایک بیٹیوں کا جنم ہوا۔ انھیں بے شک اپنی غلطی کا احساس بہت پہلے ہو چکا ہے لیکن میں نے آج تک انھیں معاف نہیں کیا"

میں نے اپنی بڑی بیٹی فرحانہ کا سر گود میں رکھا اور برسوں پرانے درد پھر سے یاد کرنے لگی

"امّی۔۔۔ ! آج آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟" فرحانہ نے مجھ سے سوال کیا

"چندہ۔۔ ! میرے دل میں تمہاری باقی بہنوں کی نسبت تمہارے لیے زیادہ محبت ہے۔ اب تم انتیس کی ہو رہی ہو۔ تمہاری عمر کا ہر بڑھتا لمحہ میری کمر جھکا رہا ہے۔ اب تو اپنی ضد چھوڑ دو۔ جس کٹھن وقت سے تم گزری ہو اس تکلیف کا مجھے اندازہ ہے۔ لیکن یہ دنیا کی ریت ہے اور ہمیں یہ ریت نبھانی پڑے گی"

"امّی۔۔۔ ! خدارا میرے حال پہ رحم کریں۔ آپ جانتی ہیں میں نے قسم کھائی ہے کہ میں پھر سے کسی کے سامنے اپنا تماشا نہیں بننے دوں گی" فرحانہ غصے میں تلملاتی اٹھ بیٹھی

"بیٹا۔۔ ! اس بات کو دو سال بیت چکے ہیں۔ اب بھول جاؤ" میں نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ پر وہ میرا ہاتھ جھٹک کے میرے بستر سے اٹھ کے اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں سر پکڑ کے بیٹھ گئی

فرحانہ احساس کمتری کی ایسی شکار ہوئی کہ اس نے اپنے اردگرد ایک خول بنا لیا، جس میں سے وہ نکلنا نہیں چاہتی۔ شکل و صورت واجبی صحیح لیکن سیرت میں کسی سے کم نہیں۔ سگھڑ ہے، سمجھدار ہے۔ لیکن دو سال سے شادی نہ کرنے کے ضد پکڑ کے بیٹھی تھی۔ اور اسکی یہ ضد اپنے لحاظ سے جائز تھی۔

فرحانہ نے جب بی-اے کرلیا تو کئی لوگ رشتے کے لیے آتے جاتے رہے۔ لیکن اسکی ظاہری شکل وصورت کو وجہ بنا کے ہر طرف سے انکار ہی ملا۔ بارہا ٹھکرائے جانے کے بعد فرحانہ مایوس ہونے لگی۔ دو سال قبل جو لوگ فرحانہ کو دیکھنے آئے تھے وہ فرحانہ کی بجائے چھوٹی بہن صوبیہ کو پسند کر گئے۔ اور میں نے بھی حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اچھا رشتہ ہاتھ سے نہ جانے دیا اور جھٹ پٹ صوبیہ کی شادی وہاں کردی۔ یہ چیز فرحانہ کی خود اعتمادی پہ ایک کاری ضرب تھی۔ اس کے بعد اس نے قسم کھائی کے اب سے نہ تو وہ کسی کے سامنے جائے گی اور نہ ہی کبھی شادی کرے گی۔ میں نے بھی لمبے عرصے تک چپ سادھ لی۔ پر میں اب اور اسے اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی۔ اب ہر گزرتا دن مجھے سانپ کی طرح ڈستا ہے۔

خدا خدا کر کے میری چھوٹی بہن خالدہ کو کچھ لوگ ملے جو اپنے بیٹے کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہے تھے۔ خالدہ نے انھیں تو ہمارے گھر آنے کے لیے منا لیا تھا لیکن سب سے بڑی مشکل میرے سر تھی کہ میں فرحانہ کو کیسے مناؤں۔ وہ اس موضوع پہ کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتی۔

اگلی صبح میں نماز کے لیے اٹھی تو فرحانہ مجھ سے پہلے نماز پڑھ چکی تھی۔ میں نے نماز پڑھی اور وہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگی۔ نماز پڑھنے کے بعد میں اسکے سامنے جا کے بیٹھ گئی۔ وہ تلاوت کرتے کرتے رکی اور میری طرف دیکھنے لگی۔ میری نم آنکھوں میں بسی التجا اس پہ عیاں تھی۔ قرآن پاک کو بند کر کے اس نے میری کندھے پہ ہاتھ رکھا اور بولی

"اگر آپ اس بات پہ تل ہی گئی ہیں کہ میرا تماشا بنا کے رہیں گی تو میں تیار ہوں۔ آپ نے جس کو بلانا ہے بلا لیں۔ پر میری بات یاد رکھیے گا جب میں صرف سترہ سال کی تھی تب مجھے پہلی بار لوگ دیکھنے آئے تھے، آج میں انتیس سال کی ہوں۔ جب اس وقت مجھ ٹھکرا دیا گیا تو آج آپ کونسی امید لگا کے بیٹھی ہیں۔ صرف آپکی یہ ضد پوری کرنے میں ضرور انکے سامنے آؤں گی، لیکن جواب میں اچھی طرح سے جانتی ہوں"

میں نے بنا کوئی جواب دیے اسکا کا ماتھا چوما اور گلے لگا لیا۔ میں نے ان لوگوں کو بلانے میں زیادہ دیر نہ لگائی بلکہ اگلے ہی دن خالدہ کو کہہ کے ان لوگوں کو دوپہر کے کھانے پہ مدعو کیا۔

دوپہر میں دروازے پہ دستک ہوئی اور میں نے دروازہ کھولا۔ میری بہن خالدہ سامنے کھڑی تھی، وہ اندر داخل ہوئی تو اسکے پیچھے دو خواتین اور دو مرد بھی اندر آئے۔ خالدہ انھیں لے کے کمرے میں چلی گئی اور میں چائے پانی کا انتظام کرنے کیچن کی طرف چل پڑی۔ فرحانہ کے ابا جی کو بھی فون کر کے بلوا لیا تھا۔ سادہ پانی انکے سامنے رکھ کے میں حال احوال پوچھنے بیٹھی۔ دونوں مرد قریب ایک ہی عمر کے تھے تو میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ لوگ کس کا رشتہ لے کے آئے ہیں۔ خالدہ نے دونوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا، میں بغور اس کا جائزہ لینے لگی۔ اپنے آپ میں گم سم،

نظریں جھکائے سفید رنگ کی شرٹ اور نیلے رنگ کی پینٹ میں ملبوس، اسکی عمر قریب تیس سے بتیس لگ رہی تھی۔ دیکھنے میں جتنا وہ شریف لگ رہا تھا اتنا ہی خوش شکل بھی تھا۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کی کہ خدایا میری فرحانہ کا نصیب کھول دے۔ دوسرا آدمی اسکا بہنوئی تھا۔ جس نے دو ڈھائی سال کا ایک بچہ گود میں اٹھایا ہوا تھا۔ لڑکے کی ماں کی حالت سے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ کافی بیمار ہے۔

خالدہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ بٹھا کے فرحانہ کے پاس چلی گئی۔ تھوڑی دیر میں فرحانہ شربت سے بھرے گلاس ٹرے میں رکھ کے کمرے میں داخل ہوئی، سب کی نظریں فرحانہ پہ مرکوز ہوگئیں اور میری اور خالدہ کی نظریں ان لوگوں کے چہروں پہ اُمڈ آنے والے تاثرات کا جائزہ لینے لگیں۔ جن دو لوگوں کے لیے یہ محفل سجی تھی وہی اس صورت حال سے بے خبر تھے۔ نا تو فرحانہ نے نظر بھر کے اسکی طرف دیکھا اور نہ ہی اس نے سر اٹھا کے فرحانہ پہ نظر ڈالی۔ جب مجھے اس بات کا احساس ہوا میرا دل ٹوٹ سا گیا۔ انکا جواب صاف صاف مجھے نظر آرہا تھا۔ اپنے جذبات میں نے کسی پہ ظاہر نہ ہونے دیے اور ایک اچھے میزبان کی طرح انکی خاطر داری کی ۔ مجھ میں ہمت ہی نہیں تھی کہ میں خالدہ سے پوچھوں کے ان لوگوں کا جواب کیا ہے۔ وہ لوگ جانے لگے تو جاتے جاتے خالدہ بس اتنا کہہ گئی کہ جو بھی ہوا وہ فون پہ بتادے گی۔

دو دن گزر گئے، ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ اس دوران نہ تو فرحانہ نے اس حوالے سے مجھ سے بات کی اور نہ میں نے اپنے تحفظات اسکے سامنے رکھے۔ تیسرے دن خالدہ کا فون آیا تو وہ فون پہ مبارک باد دینے لگی۔ پہلے پہل تو مجھے میرے کانوں پہ یقین نہیں آیا۔ میں خود سے ہی سوال کرنے لگی کی ایسا کرشمہ آخر کیسے ہوا۔ لیکن خالدہ نے جلد ہی میری حیرت کو پریشانی میں بدل دیا۔ ان لوگوں نے رشتے کے لیے اس لیے ہاں کی کہ وہ لڑکا پہلے سے شادی شدہ تھا، جو بچہ وہ ساتھ لائے تھے دراصل وہ اسکی بہن کا نہیں اسکا اپنا بیٹا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے اسکی بیوی کی وفات ہوئی تھی۔ یہ سن کے میری ساری خوشی خاک میں مل گئی۔ خالدہ مجھے سمجھاتی رہی کہ اچھا رشتہ ہے کرلو، اسکے بعد پھر یہ موقع آئے نہ آئے۔ میں نے اس سے سوچنے کا وقت مانگ لیا

شادی شدہ ہونے تک میں مان بھی لیتی کہ کیا فرق پڑتا ہے اب تو اسکی بیوی اس دنیا میں نہیں ہے لیکن بچے والی بات مجھ سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ کیا میری بیٹی پوری زندگی کسی اور کے بچے کی پرورش کرے گی۔ کیسے میں اپنی بچی آیا بنا کے کسی کے گھر بھیج دوں۔ نہ۔۔۔ یہ نہیں ہو پائے گا مجھ سے۔ دو دن مسلسل اس بارے میں سوچ بچار کر کے جب میں کسی نتیجے پہ نہ پہنچی تو فرحانہ کے ابا کو ساری صورت حال بتائی۔ انھوں نے پہلے تو چپ سادھ لی پھر ایکدم سے خالدہ والی باتیں کرنے لگے کہ پھر کوئی رشتہ نہ آیا تو پوری زندگی سر پکڑ کے روگی۔ پر انکی کوئی بات میرے دل کو نہ لگی۔ جب انھیں یہ احساس ہوگیا کہ انکی ساری باتیں میرے سر کے اوپر سے گزر رہی ہیں تو انھوں نے ایک آخری مشورہ دیا کہ میں یہ ساری صورت

حال فرحانہ کو بتا کے فیصلہ اس پہ چھوڑ دوں۔ اس سب میں یہی ایک بات تھی جو مجھے بہتر لگی۔ پر اتنی ہمت کہاں سے لاؤں جو یہ سب اس سمجھا سکوں۔ لیکن کرنا تو تھا۔ بس میں اسکے لیے صحیح وقت کا انتظار کرنے لگی۔

فرحانہ عشاء پڑھ کے فارغ ہوئی تو میں اسکے بستر پہ بیٹھی تھی۔

"امی ۔۔! آپ۔۔۔ خیریت ؟، کوئی کام تھا؟" وہ مجھ سے پوچھنے لگی

"نہیں۔۔ وہ۔۔ ایک بات کرنی تھی تم سے" میں لفظ تلاش کرنے لگی

"جی! بولیں۔۔۔!"

"تمہاری خالہ کا فون آیا تھا۔ اس دن جو لوگ آئے تھے تمہیں دیکھنے انکا جواب آیا ہے" میں نے بات شروع کی

"اچھا۔۔!" جائے نماز سمیٹ کے الماری میں رکھتے ہوئے اس نے جواب دیا

"وہ لوگ رشتہ کے لیے تیار ہیں" میں نے بڑے اطمینان کے ساتھ اسے بتایا

"اچھا۔۔۔ چلو آپکی دعائیں قبول ہوئیں" اسکے چہرے پہ کسی قسم کے کوئی تاثرات نہیں تھے۔ اور یہ بات مجھے پریشان کر رہی تھی۔

"اچھے لوگ ہیں بیٹا، تمہیں اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو بات آگے چلائیں" میں سوالیہ نظروں سے اسکی طرف دیکھنے لگی

"آپکو کوئی اعتراض نہیں تو میں آپکی رضا میں راضی ہوں" پہلی بار اس نے میری طرف دیکھ کے جواب دیا تھا

"لیکن۔۔۔ تمہاری خالہ نے مجھے ایک بات بتائی ہے، جسکی وجہ سے میں پریشان ہوں" اب میں اصل مدعے پہ آگئی

"کیا بتایا خالہ نے ؟" اب وہ ٹیبل سے کتاب اٹھا کے اپنے بستر پہ آگئی تھی

"وہ لڑکا شادی شدہ ہے، لیکن اسکی بیوی اب اس دنیا میں نہیں ہے" میں نے ڈرتے ڈرتے کہہ دیا

"تو۔۔؟" کتاب کے ورق پلٹتے اس نے خاطر خواہ ردِ عمل نہیں دیا

"اسکا دو سال کا ایک بیٹا بھی ہے" میں نے اب آخری تیر بھی چھوڑ دیا

"اچھا۔۔۔۔۔۔! یہ بات تو مجھے اسی دن پتا چل گئی تھی، جس دن وہ آئے تھے" فرحانہ کا یہ جواب میرے لیے حیران کن تھا

"تمہیں کیسے پتا چلا؟ اس دن تمہاری خالہ نے ایسی کوئی بات کی نہ ہی ان لوگوں نے بتایا" میں نے اس سے پوچھا

"امی۔۔۔ کچھ چیزیں محسوس کرنے سے پتا چلتی ہیں۔ میں نے جب ایک نظر اسکو دیکھا تو اسکا پورا دھیان اس بچے کی طرف تھا جو اس وقت کسی اور کی گود میں تھا۔ اور وہ بچہ بس اسی کی طرف دیکھ کے کھلکھلا رہا تھا۔ ان دونوں کی آنکھوں میں ایک جیسی چمک تھی۔ اور اسی چمک سے میری نظریں پھر سے اٹھ نہیں پائیں" کتاب کے ورق پلٹتے اس نے بنا میری طرف دیکھے یہ سب کہہ دیا۔ اور پہلی بار بیٹی کے سامنے ایک ماں چھوٹی لگنے لگی۔ اس بارے میں مزید کچھ بات کرنے کے لیے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

میرے پاس لفظ موجود نہیں تھے۔ میں اٹھ کے جانے لگی۔ تو وہ بولی

"میرا جواب نہیں لیں گی؟"

میں رکی اور مڑ کے اسکی طرف دیکھا

"اس آدمی نے بنا بولے یہ بات مجھے سمجھادی کہ وہ یہ قربانی اپنے بیٹے کے لیے دے رہا ہے۔ اور اسی لیے مجھے بھی اس بات کا احساس ہوا کہ جب وہ اپنے بیٹے کے لیے یہ قربانی دے سکتا ہے تو میں اپنی ماں کے لیے کیوں نہیں دے سکتی؟ میں نہیں چاہتی کہ آپ مزید میری شادی نہ ہونے کے غم میں اپنا چین وسکوں برباد کریں۔ اپنی ہر خوشی میری خوشی پہ قربان کریں۔ میں دل وجاں سے اس شادی کے لیے تیار ہوں۔ مجھے اس بات کا بالکل کوئی خوف نہیں کہ ایک شادی شدہ بندے سے شادی کر کے میں اسکے بچے کی پرورش کروں گی۔ پرورش کرنا تو عورت ذات کی خوبی ہے، جب عورت بیوی بنتی ہے تو اسکا کردار ایک 'امین' کا ہوتا ہے، اور امین تبھی سچا امین بن پاتا ہے جب وہ امانت کو اپنا سمجھ کے اسکی حفاظت کرے۔ اور جب میں اسکا سب کچھ اپنالوں گی تو پھر وہ شوہر بھی میرا ہوگا اور اسکا بچہ بھی میرا بچہ کہلائے گا"

میرے پاس سارے لفظ ختم ہوگئے، میری بیٹی نے مجھے ایک پل میں عام عورت سے خوش نصیب ترین ماں بنا دیا۔ ان سب تکلیفوں کے عوض جو میں نے فرحانہ کے جنم سے لے کے آج تک برداشت کی تھیں انکا ایسا مداوا میرے لیے ایک نعمت تھا۔ مجھے فخر ہے کہ میں بیٹی کی ماں ہوں۔

کچھ کاموں کا قدرت نے صحیح وقت مقرر کیا ہوتا ہے۔ اور وہ کام تبھی پورا ہو پاتے ہیں جب وہ وقت آتا ہے۔ شائد فرحانہ کی شادی کا یہی صحیح وقت تھا۔ اب وہ اتنی سمجھدار تھی کہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ میں نے پہلی ہی فرصت میں فرحانہ کی شادی طے کردی۔ اور اس نے نہ صرف اپنے شوہر کا خیال رکھا بلکہ اسکی ہر ذمہ داری اپنے سرلی اور بخوبی نبھایا۔

جب ہمت، حوصلہ اور سمجھداری غالب آجائے تو ظاہری شکل وصورت چھپ جاتی ہے اور تب صرف سیرت عیاں ہوتی ہے۔ جسکا حسن دائمی ہے۔

کون ہو تم؟

کیوں خوابوں میں آتے ہو؟

میرا دل چرانے

مجھے اپنا بنانے

مجھے ساتھ لے جانے

میرا ہاتھ تھامنے

کیوں آتے ہو تم؟

میرے خوابوں میں تم

کیوں آتے ہو؟

محمد شعیب

لاحاصل

محمد شعیب

تیسری قسط

انمول آئینے کے سامنے دو شرٹ ہاتھ میں لئے یہ فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کونسی شرٹ پہنے۔

"ریڈ پہنوں یا پھر بلیک۔۔۔" وہ گنگناتے ہوئے سوچ رہا تھا

"بلیک کلر کی شرٹ تم پر زیادہ سوٹ کرے گی۔۔۔" یہ ایک لڑکی کی آواز تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو دروازے پر حجاب کھڑی تھی۔ سانولا رنگ بالکل وجیہہ کی طرح بلکہ وجیہہ سے بھی زیادہ سانولا کہنا بہتر ہوگا۔ وہ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلائے آگے بڑھی اور انمول کے ہاتھ سے بلیک شرٹ لیتے ہوئے مزید کہا

"یہ رنگ تم پر بہت اچھا لگے گا۔۔۔ یہ پہنو تم۔۔۔"

"تم؟؟؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے کمرے میں آنے کی؟" جبڑے بھینچتے ہوئے اس نے کہا تھا

"دیکھ لو بس۔۔۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے ایک ادا سے بالوں کو جھٹکا دیا تھا

"میرے اندر تمہارے کمرے میں آنے کی ہمت بھی ہے اور تم سے بات کرنے کی بھی۔۔" مسکراتے ہوئے اس نے انمول کی طرف دیکھا

"لیکن مجھے کوئی شوق نہیں ہے تم سے بات کرنے کا۔۔۔"

اس نے فوراً تردید کی مگر حجاب کو تو جیسے کوئی فرق ہی نہیں پڑا

"یہ دیکھو۔۔۔ کتنا اچھا لگ رہا ہے تم پر یہ رنگ۔۔ سفید رنگ پر ہمیشہ سیاہ رنگ جچتا ہے۔۔ اور تم میں تو حسن ہی اتنا ہے کہ تمہیں پہننا ہی سیاہ رنگ چاہئے تا کہ تمہیں کسی کی بری نظر نہ لگ جائے۔۔۔" اس نے اپنا ہاتھ انمول کے شانوں تک بڑھایا اور شرٹ اس کے بالکل آگے کر دی۔

"بالکل پرنس لگو گے تم۔۔۔" وہ ایسا گمان کرنے لگی جیسے وہ اس شرٹ کو پہنے ہوئے ہے

"کتنی بے شرم ہو تم۔۔۔" ایک دھکے کے ساتھ اس کو دیوار

پر پٹخ دیا۔ اور شرٹ کو کھینچ کر بیڈ پر اچھال دیا

"اب تو میں اس شرٹ کو پہننا تو دور کی بات چھونا بھی گوارا نہیں کروں گا۔۔۔" انمول نے جبڑے بھینچتے ہوئے کہا تھا

"انمول۔۔ تم میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کرتے ہو؟ آخر میں تمہاری ہونے والی بیوی ہوں۔۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا

"میری ہونے والی بیوی۔۔۔ مائے فٹ۔۔۔" اس کا انداز طنزیہ تھا

"انمول۔۔۔ میں تم سے۔۔" حجاب نے انمول کا ہاتھ تھام کر کچھ کہنا چاہا تھا کہ انمول نے جھلاتے ہوئے اپنا ہاتھ کھینچ لیا

"میرا ہاتھ چھوڑو۔۔۔ اور دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔۔۔" چلاتے ہوئے کہا تھا

"انمول۔۔ تم اتنی نفرت کیوں کرتے ہو مجھ سے۔۔" اس بار اس کے آواز میں درد نمایاں تھا

"آخر کیا کمی ہے مجھ میں۔۔۔" پلکوں پر چمکتے آنسوؤں کو اس نے اپنی انگلیوں کے پوروں سے صاف کئے تھے

"کمی۔۔۔!! تمہارے اندر کمی یہ ہے کہ تم حسن میں مجھ سے کم درجے کی ہو۔۔ تمہارے اندر کمی یہ ہے کہ تمہارا رنگ سانولا ہے اور تمہارے اندر سب سے بڑی کمی تم جانتی ہو کیا ہے؟" وہ یک ٹک اسے ہی دیکھتی جا رہی تھی

"تمہارے چہرے پر لگا یہ داغ۔۔۔ سب سے بڑی کمی ہے۔ جو تمہاری نحوست میں مزید اضافہ کرتا ہے۔۔

ہنہ" اس نے گردن جھٹکتے ہوئے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

"انمول اپنے حسن پر اتنا غرور مت کرو۔۔۔یہ سب خاک میں مل جائے گا۔۔" اس نے روہانسا ہو کر کہا تھا

"جسٹ۔۔شٹ اپ۔۔آگے ایک لفظ بھی نہیں۔۔۔سنا تم نے۔۔اب نکل جاؤ میرے کمرے سے۔۔اپنا کالا کلوٹا چہرا لے کر اور آئندہ میرے کمرے میں آنے سے پہلے ہزار بار سوچنا۔۔اب دفع ہو جاؤ۔۔" عقابی آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

"انمول۔۔" اس نے بھیگی آنکھوں سے ایک آس بھری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی

"میں نے کہا چلی جاؤ۔۔۔" انمول نے باہر دروازے کی طرف اشارہ کیا تو وہ بھی بنا کچھ کہے پلٹ گئی۔ جاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے نظریں اٹھا کر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو واقعی اس کے چہرے پر ایک داغ تھا۔ ایسا داغ جو پیدائشی تھا۔ کچھ داغ قدرت تحفے میں دیتی ہے اور پھر دنیا والے اس داغ کو اس کی نحوست قرار دے دیتے ہیں۔ بائیں رخسار پر آنکھ سے ذرا نیچے بے شکل کا ایک سیاہ دھبہ جو جلد پر اس کے چہرے کا حصہ تھا، جسے چاہ کر بھی چھپایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی نشانی بن چکا تھا۔ اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں اور اس کے کمرے سے باہر چلی گئی

"بڑی آئی کالی کلوٹی۔۔۔ہنہ۔۔" اس کے جانے کے بعد بڑبڑاتا ہوا اس نے دروازہ بند کر لیا

☆ ☆ ☆

ٹی وی پر ایکشن سے بھرپور فلم ابھی شروع ہی ہوئی تھی۔ وہ پچھلے ایک گھنٹے سے بیٹھا اسی فلم کا انتظار کر رہا تھا۔ فلم شروع ہوتے ہی دو بائیک سواروں نے اپنے کرتب دیکھانا شروع کئے۔ ایک نہایت مشکل راستے کی عین پیک پر وہ اپنے جوہر دیکھا رہے تھے۔ پورا علاقہ پتھریلا تھا۔ مگر وہ بائیک کو ایسے چلا رہے تھے جیسے کوئی ہموار سڑک پر چلاتا ہو۔ ہیلی کوپٹر سر پر چکر لگا رہا تھا۔ سانپ کی طرح زگ زیگ کرتا آدھ فٹ سے بھی کم چوڑائی رکھتا یہ راستہ جہاں صحیح سے چلنا بھی محال تھا وہ دونوں بڑی پھرتی سے بائیک کو ہوا کے پروں پر سوار کر رہے تھے۔ ضرغام پورے انہماک سے اس سین کو دیکھ رہا تھا۔ ایک پل کے لئے اس نے پوپ کارن بھی کھانا بند کر دیئے اور دلجمعی سے بس اسی سین کو دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ اس قدر محو تھا کہ اسے شگفتہ بی بی کے آنے کا بھی احساس نہ ہوا۔ شگفتہ بی بی باہر سے ٹی وی لاؤنج میں آئیں اور اس کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ان کا چہرہ آج پہلے کی طرح تروتازہ نہیں تھا۔ وہ ایک سوچ میں کھوئی ہوئی تھیں۔

"مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔۔" کچھ سوچ کر انہوں نے کہا تھا مگر وہ ابھی بھی فلم کے اس سین میں کھویا ہوا تھا۔ بائیک سوار اپنی فنش لائن تک پہنچنے ہی والے تھے۔ مگر شگفتہ بیگم ایک بار پھر مخل ہوئیں

"ضرغام۔۔۔!!" اس بار وہ بری طرح چونکا تھا

"امی۔۔آپ؟؟ کب آئیں۔۔" اس نے بوکھلا کر پوچھا تھا۔

"مجھے تو آئے ہوئے کافی دیر ہو گئی مگر تم ہی ٹی وی میں اتنے

محو تھے کہ تم نے میری طرف دیکھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔۔"

"امی۔۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہتے ہوئے دوبارہ نظریں ٹی وی پر مرکوز کر لیں۔ شگفتہ بی بی نے ایک بار پھر کچھ کہنے کی کوشش کی مگر الفاظ بکھر سے گئے تھے۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ بات کو کہاں سے شروع کریں۔

"ضرغام۔۔ میں نے تم سے ایک بات کرنی ہے۔۔" الفاظ کو مجتمع کرنے کے باوجود وہ صرف اتنا ہی کہہ سکیں۔

"جی کہیں۔۔۔" اس کی نظریں ٹی وی سکرین پر مرتکز تھیں

"جو بات میں تم سے کہنے جا رہی ہوں۔ اس کے بارے میں تم ٹھنڈے دماغ سے سوچنا۔۔ جلد بازی یا گرم مزاجی میں کوئی فیصلہ مت کر لینا۔ اور مجھے اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔ بہت ہی سوچ سمجھ کر جواب دینا۔۔۔ اور ہاں اس کو اپنی انا کو مسئلہ بھی مت بنانا۔ یہ فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے بس اب تمہاری ہاں کا انتظار ہے۔۔" وہ الفاظ کو سمیٹ سمیٹ کر کہہ رہی تھیں

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔۔۔ میں سمجھ نہیں پا رہا۔۔۔" اس نے نظریں ٹی وی سکرین سے ہٹا کر شگفتہ بی بی کی طرف کیں

"اور آپ اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہیں۔۔ جو بات کرنی ہے صاف صاف کہیں۔۔۔" اس نے اپنی دائیں ٹانگ صوفے پر رکھ لی اور پورے انہماک سے شگفتہ بی بی کی طرف دیکھنے لگا

"میں الفاظ کو گھما کر صرف اس لئے بات کر رہی ہوں تا کہ تمہارا ذہن اس بات کیلئے تیار ہو جائے جو میں اب تم سے کرنے جا رہی ہوں۔۔" انہوں نے وضاحت کی

"اب کہیں بھی۔۔۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔۔" اس نے بالوں کو جھٹکا دے کر کہا تھا

"میں نے تمہارے لئے ایک لڑکی پسند کی ہے"

"کک کیا؟؟" یہ سن کر اسے ایک شاک لگا۔ اپنی ٹانگ دوبارہ صوفے سے نیچے کی

"آپ کو پتا بھی ہے۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" اس نے وضاحت طلب کی

"ہاں۔۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔۔" یہ سن کر وہ کھڑا ہو گیا

"میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ میں شادی نہیں کر سکتا اور پھر آپ کی پسند کی گئی لڑکی سے تو کبھی بھی نہیں۔۔ آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ جو لڑکی آپ پسند کریں گی۔ اس لڑکی سے میں شادی کروں گا۔۔ آپ کی اور میری چوائس میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔۔" اس نے جھلاتے ہوئے کہا تھا

"میں جانتی ہوں ضرغام۔۔ تمہاری پسند میری پسند سے یکسر مختلف ہے۔ لیکن بیٹا میں تمہاری ماں ہوں۔۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں تمہارے لئے کیا صحیح ہے کیا غلط۔۔ ایک ماں کبھی اپنے بیٹے کے لئے کسی غلط لڑکی کا انتخاب نہیں کر سکتی۔ ایک ماں ہمیشہ اپنے بیٹے کے لئے اس لڑکی کو منتخب کرتی ہو جو اس کے بیٹے کو سمجھ سکے۔ اس کو دل و جان سے چاہے۔ اُس کی

عزت کرے۔اس کی چھوٹی سی چھوٹی ضرورت کا خیال رکھے۔۔ایک ماں ہمیشہ اپنے بیٹے کے لئے ایک آئیڈیل لڑکی کا ہی انتخاب کرتی ہے۔" وہ دلائل دیتے ہوئے ضرغام کو قائل کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں

"لیکن۔۔۔" اس نے جھلاتے ہوئے اپنا چہرہ دوسری طرف کرلیا

"دیکھو بیٹا!" آگے بڑھ کر اس کے چہرے پر پیار بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے مزید کہا

"زندگی میں ہر فیصلہ خود نہیں کرنا چاہئے۔کچھ فیصلے ایسے ہوتے ہیں جو کہ بڑوں پر چھوڑ دینے چاہئیں۔کچھ فیصلے بڑے ہی بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں۔۔" پیار سے سمجھانے کی کوشش کی تھی

"بس کیجیے۔۔۔" اس نے غصے میں شگفتہ بی بی کے ہاتھ جھٹک دیئے

"بند کیجیے۔۔۔اپنی نصیحتوں کی پوٹلی۔۔۔" جھلاتے ہوئے اپنا چہرہ دوسرے رخ موڑ لیا

"میں خود مختار ہوں۔عاقل بالغ ہوں۔مجھے اپنے فیصلے کرنے کا خود حق ہے۔کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنا کیا ہوا فیصلہ زبردستی مجھ پر تھوپے۔۔" اس نے روکھے پن میں کہا تھا

"میں اپنا فیصلہ تم پر مسلط نہیں کر رہی۔۔میں نے تو تم سے اجازت طلب کی ہے۔۔"

"اسے آپ اجازت کہتی ہیں۔۔" اس نے استہزائیہ انداز میں کہا تھا

"تمہارا یہ آخری فیصلہ ہے۔۔" شگفتہ بی بی نے آخری بار معنی خیز لہجے میں استفسار کیا تھا

"جی ہاں۔۔میں آپ کی پسند کی گئی لڑکی سے کبھی شادی نہیں کروں گا۔۔" اس نے اپنا فیصلہ سنایا تھا

"تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔میں بھی یہ فیصلہ کر چکی ہوں کہ تمہاری شادی صرف اور صرف وجیہہ سے ہو گی جسے میں نے پسند کیا ہے اور وہ بھی بہت جلد۔۔۔"

"آپ مجھے چیلنج کر رہی ہیں۔۔" تمسخرانہ کہا تھا

"چیلنج نہیں کر رہی بتا رہی ہوں۔۔یہ شادی تمہیں کرنی ہوگی۔خواہ خوشی سے خواہ ناخوشی سے مگر یہ شادی کرنی ہوگی تمہیں اور وہ بھی اپنی مرضی سے۔۔" پر اعتماد لہجے میں شگفتہ بی بی نے کہا تھا

"یہ بھرم ہے آپ کا۔۔۔" عقابی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا

"اور اس بھرم کو تم سچ کر کے دکھاؤ گے۔۔تمہارے پاس صرف کل تک کا وقت ہے یا تو اس رشتے کے لئے ہاں کر دیا پھر اس جائیداد کو ہمیشہ کے لئے بھول جاؤ۔۔کیونکہ اگر تم نے اس رشتے کے لئے ہامی نہیں بھری تو میں یہ ساری جائیداد کسی ٹرسٹ کو عطیہ کر دونگی اور پھر تمہارا جہاں دل چاہے شادی کرنا۔۔۔" اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

"دھمکی دے رہی ہیں آپ مجھے۔۔۔" اس کے تو جیسے حواس ہی بکھر گئے تھے

"تمہیں جو سمجھنا ہے سمجھو۔۔۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا میں جو کہتی ہوں وہ کر کے دیکھاتی ہوں۔۔۔ یہ تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔۔۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنے روم کی طرف بڑھیں

"آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔۔۔ سنا آپ نے۔۔" اس نے چلاتے ہوئے کہا تھا

"میں ایسا ہی کرونگی۔۔" پلٹ کر جواب دیا۔

"میں ایسا کبھی نہیں ہونے دونگا۔۔۔ سنا آپ نے۔۔" اس نے غصے میں ایک زوردار لات صوفے کو رسید کی۔ اُس کو تو کوئی اثر نہ ہوا مگر اس کا غصے شانت نہیں ہوا تھا۔ اس نے ٹیبل پر رکھے ریموٹ کو اٹھایا اور دیوار پر دے مارا۔ بے چارا بے موت مارا گیا۔ پرزے پرزے ہو کر پورے لاؤنج میں بکھر گیا

"میں ایسا نہیں ہونے دونگا۔۔۔ سنا آپ نے۔۔" ایک بار پھر اس نے چلاتے ہوئے کہا تھا

☆ ☆ ☆

"انمول کی طرف سے میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔۔"

حجاب وجیہہ کے کمرے میں بیٹھی اپنے ہی خیالوں میں گم تھی۔ وجیہہ اچھی طرح جانتی تھی وہ انمول کی باتوں کی وجہ سے بہت ہرٹ ہوئی ہے

"آپ کو معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔ آپ نے تو ہر ممکن کوشش کی۔۔ شائد میری ہی قسمت میں اُس کا ساتھ نہیں لکھا۔۔" باتیں کرتے کرتے ایک بار پھر وہ انمول کے خیالوں میں کھو گئی

"لیکن جو انمول نے کیا وہ ٹھیک نہیں کیا۔۔"

"اس میں انمول کی کیا غلطی بھلا۔۔۔ غلطی تو میری ہے۔۔ مجھ جیسی بدصورت لڑکی کو بھلا کون اپنائے گا۔ ہر جگہ سے دھدکار ہی تو ملتی ہے مجھ جیسی داغدار چہرے والی لڑکیوں کو۔۔" اس کا لہجہ گلوگیر تھا

"نہیں۔۔ حجاب۔۔ یہ داغ تمہاری بدقسمتی نہیں ہے۔ بلکہ بدقسمت تو وہ لوگ ہیں جو تمہیں اس بات کا طعنہ دیتے ہیں۔۔ دیکھنا۔۔ آج اس نے تمہیں ٹھکرایا ہے، ایک وقت آئے گا جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گا اور وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہو کر تم سے خود اپنے گناہوں کی معافی مانگنے آئے گا۔۔" حجاب کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا

"کاش۔۔ ایسا ہو۔۔۔ مگر شاید میری قسمت میں ایسا دن لکھا ہی نہیں۔۔" سرد آہ بھرتے ہوئے کہا

"اچھا چھوڑیے۔۔ ان باتوں یہ بتائیں کہ آپ کی جاب کیسی جا رہی ہے؟ کوئی مشکل وغیرہ تو نہیں ہو رہی۔۔۔ ویسے میں نے سنا ہے کہ وہاں کی جو پرنسپل ہے وہ آپ کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں۔۔ یہ سچ ہے؟" اس نے اپنا لہجہ بدلتے ہوئے کہا تھا۔ چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ آویزاں تھی۔

"ہاں۔۔۔ صحیح سنا ہے۔۔" اس نے بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے آنکھیں جھکا کر کہا

"اوہ۔۔۔ شرما گئیں آپ۔۔" لہجہ قدرے شوخ تھا

"حجاب۔۔" معنی خیز لہجے میں کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر ڈریسنگ کی طرف چل دی

☆ ☆ ☆

"پلیز۔۔میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔۔بس کچھ دن اور۔۔۔اس کے بعد جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا۔۔" وہ فون کو کندھے سے لگا کر وارڈ روب کو بند کر رہا تھا

"پلیز عندلیب۔۔آج مان جاؤ۔۔" وارڈروب بند کرنے کے بعد اس نے داہنے ہاتھ سے فون پکڑ کر بالوں کو بائیں ہاتھ سے سیٹ کیا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی بہت وقت دیا ہے اور اب تم مزید مانگ رہے ہو۔۔" فون سے عندلیب کی آواز آئی تھی

"پلیز۔۔عندلیب۔۔بس آخری بار۔۔تم جانتی ہو اگلے ہفتے وجیہہ کو رشتے والے دیکھنے آ رہے ہیں۔۔دیکھنا اگر بات پکی ہو گئی تو جلد سے جلد شادی بھی ہو جائے گی اور پھر ہماری باری ہو گی۔۔"

"اب نیا بہانہ تو نہیں بنایا؟"

"یار۔۔۔میں بہانا نہیں بنا رہا۔۔۔میرا یقین کرو۔۔۔اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا تو بے شک آج میرے گھر آ جاؤ۔۔"

اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ عندلیب اس کی بات کا یقین کر لے اور آخر کار وہ مان گئی۔ انمول کے چہرے پر بھی بہار آ گئی

☆ ☆ ☆

"اب تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں۔۔۔؟" وہ صوفے کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں موندنے لگا

"ریلکس بے بی۔۔۔ڈانٹ وری۔۔یہ سب تو ماؤں کے ہتھکنڈے ہوتے ہیں، اپنے بچوں کو ایموشنل بلیک میلنگ کرنے کے۔۔انہیں اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں گی تو بچے مان جائیں گے مگر تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔تم بس چل کرو۔۔۔" کولڈ ڈرنک کا ایک گلاس اس کو تھماتے ہوئے کہا تھا۔ اس نے ایک جھلک اس کو دیکھا

"ڈارلنگ۔۔تم میری امی کو نہیں جانتی۔۔۔وہ صرف مجھے بلیک میل ہی نہیں کر رہی۔۔وہ سچ مچ ساری پراپرٹی ٹرسٹ کو ڈونیٹ کر دیں گی۔۔اور اگر ایسا ہو گیا تو میں تو کنگال ہو جاؤں گا۔۔جو میں ہونا نہیں چاہتا۔۔۔" اس نے کولڈ ڈرنک کو سامنے رکھے ٹیبل پر رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا

"میں کسی بھی قیمت پر اپنی پراپرٹی کھونا نہیں چاہتا۔۔" وہ سامنے کھڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کا چہرہ مایوسی کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ شکست اس کے چہرے سے واضح ہو رہی تھی۔ وہ پہلی بار اپنے آپ کو اتنا بے بس و مجبور محسوس کر رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہ کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے اتنا سوچ و بچار کر رہا تھا

"ایسا کچھ نہیں ہوتا۔۔۔یہ سب تمہارا وہم ہے۔۔" اس نے پیچھے سے ضرغام کے شانوں کو چھوا۔ وہ اپنی طرف سے اسے تسلی دے رہی تھی مگر اس کی باتوں میں کوئی وزن نہیں تھا۔ دیکھاوا کرنے والوں کے الفاظ بھی بس دیکھاوے کے لئے ہی ہوتے ہیں۔ اس کے الفاظ میں بھی ریاکاری تھی

"کاش یہ وہم ہوتا۔۔۔" مایوسی نے چاروں اور سے اسے گھیرے میں لے لیا

"ویسے میرے پاس ایک پلان ہے۔۔" عنایہ نے شاطرانہ لہجے میں دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا تھا

"پلان۔۔ کون سا؟" اس نے جھٹ سے اس کی طرف دیکھا

"تم یہ شادی کرلو۔۔۔" ہاتھ میں تھامے وائن گلاس کے کنارے پر اپنی درمیانی انگلی سے کچھ کھرچتے ہوئے اس نے کہا تھا

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔۔۔ میں اور شادی۔۔" اس نے استہزائیہ انداز میں کہا

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔۔ تم یہ شادی کرلو۔۔" ایک بار پھر اس نے یہ الفاظ کہہ کر جیسے ضرغام کی دکھی رگ پر ہاتھ رکھا تھا

"عنایہ۔۔ تم یہ سوچ بھی کیسے سکتی ہو کہ میں ابھی شادی کروں گا۔۔ شادی کر کے اپنے پاؤں میں بیڑیاں باندھوں گا۔ مجھے ابھی سے ان بیڑیوں میں نہیں جکڑنا۔۔ مجھے ابھی آگے بڑھنا ہے۔ ابھی میرا کریئر سٹارٹ ہوئے صرف ایک ماہ گزرا ہے اور میری باتوں سے لوگوں کو انسپائریشن ملتی ہیں اور اگر میں ہی ان رشتوں کی بیڑیوں میں پھنس گیا تو میرا سارا فیوچر تو اندھیرے میں ڈوب جائے اور میں ایسا کبھی نہیں چاہتا۔۔" اس نے انکار کی وجہ بتائی تھی

"ضرغام۔۔ میری جان۔۔۔ پہلے میری بات تو سنو۔۔" شاطرانہ چال چلتے ہوئے وہ اس کے قریب آئی تھی

"میرا پلان پہلے مکمل سنو بعد میں اپنی رائے دینا۔۔۔" اس نے مکاری کی تمام حدیں پار کرتے ہوئے ضرغام کو اس شادی کے لئے آمادہ کرلیا۔ وہ بھی اس کی باتوں کے جال میں پھنس کر اپنی زندگی کی سب سے بڑی بھول کرنے کے لئے تیار ہو گیا

"واؤ۔۔۔ اتنا اچھا آئیڈیا۔۔۔ میرے ذہن میں بھلا پہلے کیوں نہیں آیا۔۔" اس کے چہرے کا رنگ گرگٹ کی طرح بدل گیا۔ اپنی نرم گرم نگاہوں سے اس نے عنایہ کے وجود کی طرف دیکھا جو اس کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھی

☆ ☆ ☆

ماں کو جان سے پیاری لڑکی
بابا کی راج دلاری لڑکی
ڈوبتے دل اور کانپتے ہاتھوں
ماں نے آپ سنواری لڑکی
عرب کے لوگو کیسے تم نے
پیدا ہوتے ہی ماری لڑکی
ورثہ مانگا تو پھر تم سے
ختم ہے رشتہ داری لڑکی
ہاتھ نہ آئی تو پھر وہ بولا
وہ تو تھی بازاری لڑکی
مرد کی آخر خواہش جو پوچھی
بولا ایک کنواری لڑکی
دنیا تیرے بازیچے پر
آخر بازی ہاری لڑکی
کوشش کرے تو ہو سکتی ہے
سو لڑکوں پے بھاری لڑکی

حماد ظفر بادی، گوجرہ

زندگی کی خوشیاں رات کے بنا ادھوری ہوتی ہیں اکثر سچائیاں رات کے اندھیرے میں ہی انسان کے سامنے آتی ہیں۔ آج کی رات بھی شاید انہی میں سے ایک تھی۔ اسے لان میں ٹہلتے ہوئے ایک گھنٹہ بیت چکا تھا۔ سرسبز پتے رات کے اندھیرے میں سیاہی کی مانند لگ رہے تھے۔ پھولوں کی رعنائی بھی رات کے سناٹے کا شکار ہو چکی تھی۔ مگر اس کا وجود اب بھی تروتازہ تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا اس کی پیشانی کو آکر بوسہ دیتی اور پھر اس کے رخسار کو چھو کر آگے بڑھ جاتی۔ وائیٹ شرٹ اور ٹراؤزر پہنے وہ رات کے اندھیرے میں بھی وجیہہ لگ رہا تھا۔ شگفتہ بی بی کچن میں پانی پینے کے لئے آئیں تو دروازے سے ضرغام کا عکس لان میں دیکھا تو پریشان ہو گئیں۔ وال کلاک پر نظر دوڑائی تو رات کے دو بج رہے تھے۔ پانی کا گلاس واپس شیلف پر رکھا اور لان میں آگئیں

"ضرغام بیٹا۔۔ تم یہاں آدھی رات کو کیا کر رہے ہو؟" شگفتہ بی بی کی آواز پر اس نے چونک کر پیچھے دیکھا تھا

"امی آپ یہاں۔۔" اُس نے حیرت سے پوچھا

"یہی تو میں تم سے پوچھ رہی ہوں کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"کچھ نہیں بس۔۔ نیند نہیں آرہی تھی سوچا ٹہل لوں۔۔" اس نے داہنے ہاتھ سے ماتھے کو بوسہ دیتے بالوں کو پیچھے کیا

"طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔۔!!" ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تھا

"جی امی طبیعت تو ٹھیک ہے۔۔۔" ایک پل کے لئے اس نے توقف کیا

"ویسے اچھا ہوا آپ یہاں آگئیں۔ مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔۔" اس نے ایک ثانیے کے لئے اپنی آنکھیں بند کیں اور پھر گہرا سانس لیتے ہوئے کہا

"ہاں کہو۔۔" شگفتہ بی بی کو ایک کھٹکا سا ہوا

"میں اُس لڑکی سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوں مگر میری ایک شرط ہے۔۔" لفظ شرط پر اس کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر تھا۔ پہلے جملے سے جو بہار شگفتہ بی بی کے چہرے پر آئی تھی اگلے جملے سے خزاں میں تبدیل ہو گئی

"شرط۔۔؟؟ کون سی شرط؟" ان کا لہجہ استفہامیہ تھا

"آپ کو نکاح سے پہلے ساری پراپرٹی میرے نام کرنا ہو گی۔۔" اس کے چہرے پر شاطرانہ ہنسی واضح ہوئی

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔۔" اس کی بات پر انہیں ایک شاک لگا تھا۔ جو لڑکا بھلا اپنی زندگی سنبھال نہیں سکتا۔ پیسوں کو پانی کی طرح بہاتا ہے بھلا وہ اتنی بڑی جائیداد کو کیسے سنبھالے گا؟ کہیں وہ یہ سب کچھ اپنی عیاشیوں میں اجاڑ نہ دے۔ بس یہی سوچتے ہوئے انہوں نے منفی میں سر ہلا دیا

"تو پھر میں بھی یہ شادی نہیں کر سکتا۔۔۔" اس نے صاف صاف کہہ دیا

"لیکن۔۔۔" شگفتہ بی بی نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا

"کہاناں۔۔ بس اسی شرط پر میں اُس لڑکی سے شادی کروں گا۔۔"

''اگر تمہاری بس یہی شرط ہے تو میں اس شرط کو ماننے کے لئے تیار ہوں'' کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے ہامی بھر لی

* * * *

''لیجئے۔۔تو صحیح۔۔۔آپ نے تو کچھ لیا ہی نہیں۔۔'' بسکٹ کی پلیٹ آگے بڑھاتے ہوئے رضیہ بیگم نے کہا تھا

''آپ کو اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' شگفتہ بی بی نے ایک بسکٹ اٹھاتے ہوئے شفیق لہجے میں جواب دیا

''اس میں تکلف کی کیا بات ہے؟ آپ کا اپنا گھر ہی تو ہے۔۔۔'' علی عظمت نے ہنستے ہوئے کہا تھا

''کھایئے کھایئے۔۔۔مفت کا تو مال ہے۔۔'' سیڑھیاں اتر تے ہوئے اس نے طنز کا تیر چلایا۔اس کی بات سن کر شگفتہ بی بی کو کافی حیرانی ہوئی۔علی عظمت نے آنکھوں کے اشارے سے رضیہ بیگم کو اس کے پاس جانے کو کہا۔

''تم جانتے بھی ہو یہ کون ہیں؟'' اس کے بازو کو آہستہ سے پکڑ کر دانت بھینچتے ہوئے کہا

''آیا ہو گا کوئی نیا رشتہ۔۔۔'' بے رخی سے جواب دیا

''آپ کو اتنا خرچ کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کا چہرہ دیکھنے کے بعد منع کر دیں گے۔۔مگر نہیں آپ کو تو ہر کسی پر مال لٹانے کا شوق ہے۔۔کتنی بار کہہ چکا ہوں ساجد سے اس کا رشتہ طے کر دیں مگر آپ۔۔'' وہ اپنی ہی ہانکتا جا رہا تھا

''اپنی قیاس آرائیاں بند کرو۔۔'' اس کو خاموش کراتے ہوئے کہا

''میں قیاس اڑائیاں نہیں کر رہا۔۔یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں'' ایک بار پھر اس نے گردن جھٹک کر کہا

''یہ وہی رشتہ ہے جو وجیہہ نے بتایا تھا۔۔انہوں نے خود وجیہہ کو پسند کیا ہے۔۔''

''کیا؟ آپ سچ کہہ رہی ہیں۔۔'' گرگٹ کی طرح اس کا انداز بدل گیا

''ہاں لیکن کہیں تمہاری وجہ سے دال گلتے گلتے نہ رہ جائے۔۔'' مصنوعی غصے میں سرگوشی کی

''تو پہلے بتانا چاہئے تھا ناں۔۔'' اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی۔اس کے لہجے میں تیزی آگئی۔وہ فوراً ان کے پاس گیا

''السلام علیکم! آنٹی۔۔کیسی ہیں آپ؟ اپنے رویے کے لئے آپ سے معافی چاہتا ہوں۔دراصل میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔بس اس لئے پتا نہیں کیا کیا بڑبڑاتا گیا۔۔اگر آپ کو ٹھیس پہنچی تو میں معافی چاہتا ہوں۔'' وہ مہذب بننے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا مگر مکاری چہرے سے عیاں تھی

''وعلیکم السلام۔۔کوئی بات نہیں بیٹا۔۔۔'' ہنستے ہوئے بات کو ٹال دیا

''اور یہ کیا دولہا بھائی نہیں آئے۔۔'' حیرت سے پوچھا تھا

''جنہوں نے ہماری نحوست کو اپنے سر لینا ہے۔۔'' دل میں سوچا تھا

''اُسے ایک ضروری کام تھا بس اس لئے نہیں آسکا۔۔۔''

''اچھی بات ہے۔۔۔'' مصنوعی مسکراہٹ کو چہرے پر لاتے ہوئے کہا تھا

"اگر آجاتا تو نہ ہی کہہ دیتا۔۔" دل میں سوچ کر رہ گیا۔ شگفتہ بی بی نے شکیہ انداز میں انمول کی طرف دیکھا

"میرا مطلب تھا کہ اچھی بات ہے وہ اپنے کام کو اہمیت دیتا ہے۔ انسان کو اپنے کام پر ہی فوکس رکھنا چاہئے۔۔ اور مجھے تو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ میرے دولہا بھائی انہی میں سے ایک ہیں جو اپنے کام کو اہمیت دیتے ہیں۔۔" شگفتہ بی بی کو اپنے باتوں کے تانوں بانوں میں الجھا کر رکھ دیا

"پھر کب آئیں ہم منگنی کے لئے؟" علی عظمت نے سوال داغا

"منگنی؟؟" شگفتہ بی بی نے استفہامیہ انداز میں کہا تھا

"کیوں؟ آپ ابھی منگنی نہیں کرنا چاہتیں۔۔" حیرت سے رضیہ بیگم نے پوچھا تھا

"نہیں۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ اگلے ہفتے نکاح ہی ہو جائے۔۔" انہوں نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ یہ سن کر سب ہکا بکا رہ گئے۔ علی عظمت کے چہرے کے رنگ متغیر ہو گئے۔ سب کے چہروں کا رنگ دیکھتے ہوئے انہوں نے مزید کہا

"مگر آپ چاہیں تو۔۔۔ یہ میرا خیال تھا لیکن اگر آپ۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ کیوں علی عظمت؟" ہنستے ہوئے رضیہ بیگم نے علی عظمت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ان کا انداز اور لہجہ سب مصنوعی تھا

"مگر۔۔" وہ صرف یہی کہہ سکے۔ ایک لمحے کے لئے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا

"مگر وگر کچھ نہیں۔۔۔ جیسے آپ کی مرضی۔۔ آپ جب چاہیں آ کر نکاح کی تقریب کر لیں، ویسے بھی وجیہہ اب آپ کی ہی بیٹی ہے۔" ریاکاری ان کے انداز سے چھلک رہا تھا۔ چہرے پر دیکھاوے کا لبادہ تھا۔

"ایک ہفتہ۔۔ مزید۔۔" انمول بس سوچ کر ہی رہ گیا مگر اس بات کی خوشی تھی کہا ایک ہفتے بعد وہ اپنی چاہ پوری کر پائے گا

☆ ☆ ☆

رضیہ بیگم کام سے فارغ ہو کر کمرے کی طرف بڑھیں

"گھر میں ایک مہمان بھی آ جائے کام تو اتنا بڑھ جاتا ہے کہ کوئی حد ہی نہیں۔۔" اپنے بالوں کو سمیٹ کر کندھوں کے پیچھے دھکیلتے ہوئے بڑبڑاتی جا رہی تھیں۔ کمرے کا دروازہ کھولا تو ایک جھٹکا سا لگا

"یہ کیا کمرے میں اندھیرا ہے۔۔" انہوں نے دروازے کے ساتھ لگے سوئچ کو آن کیا تو علی عظمت کو صوفے پر بیٹھے ہوئے پایا۔ انہوں نے اپنا سر صوفے کی بیک پر رکھا ہوا تھا اور چھت کو گھور رہے تھے

"علی عظمت۔۔ خیریت تو ہے ناں!" پریشانی میں ان کی طرف بڑھیں مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا وہ ابھی تک اپنی سوچوں کی دنیا میں کھوئے ہوئے تھے

"ٹھیک تو ہے ناں آپ؟" اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بازو کو آہستہ سے جنبش دی

"ہاں۔۔ ٹھیک ہوں۔۔" وہ ابھی تک چھت کو گھور رہے تھے۔

"ٹھیک۔۔۔ویسے آج کا دن کتنا اچھا گزرا ناں۔۔۔وجیہہ کے لئے نہ صرف رشتہ آیا بلکہ تاریخ بھی طے ہو گئی۔بس اب جلدی سے یہ ہفتہ گزر جائے۔۔۔اور ہماری بیٹی اپنے گھر کی ہو جائے۔۔" بات کرتے ہوئے ایک تبسم ان کے چہرے پر ابھری تھی

"کیا تمہیں لگتا ہے کہ اتنی جلدی یہ سب کچھ کرنا ٹھیک ہے ؟" ایک انجانہ سا ڈر ان کے دل میں کھٹک رہا تھا۔

"ہاں۔۔سب کچھ ٹھیک ہی تو ہو رہا ہے۔" وہ علی عظمت کی بات کا مطلب نہ سمجھ سکی اور اٹھ کر بیڈ کی طرف بڑھیں اور چادر کو جھاڑتے ہوئے مزید کہا

"ہماری بیٹی اپنے سسرال جا رہی ہے۔اپنے پیا کے گھر۔۔"

"لیکن ایک ہفتہ۔۔یہ سب جلدی نہیں ہے اور ہم نے لڑکے کو دیکھا بھی نہیں ہے،کہیں لڑکے میں کوئی نقص تو نہیں۔۔" صوفے سے اٹھ کر وہ بیڈ کی طرف بڑھے تھے

"نہیں۔۔نہیں۔۔جلدی کیا ہے ؟اچھے رشتے ایسے ہی ملتے ہیں اور پھر جھٹ پٹ سب کچھ ہو جاتا ہے" تکیہ کو سیدھا کرتے ہوئے کہا تھا

"لیکن اتنی بھی کیا جلدی ؟" بیٹھتے ہوئے کہا تھا

"آپ بس رہنے دیں۔۔۔میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ کل کون کون سی تیاریاں کروں۔۔اب کل سے شادی کی تیاریاں بھی تو شروع کرنی ہیں ناں۔۔" وہ اپنی ہی کہتی جا رہی تھیں

"بیگم۔۔۔" ٹیک لگا کر ایک نظر رضیہ بیگم پر ڈالی

"آپ صرف آرام سے باہر کا کام سنبھالیں اور ویسے بھی آپ نے کہا تھا کہ رشتے کروانا تو عورتوں کا کام ہے۔اس لئے اب آپ بس آرام کیجئے۔۔" رضیہ بیگم نے بات کرنے کا کوئی سرا ہی نہیں چھوڑا۔علی عظمت نے ایک لمحے کے لئے رضیہ بیگم کو استفہامیہ انداز میں دیکھا مگر ان کے چہرے کی طمانیت کو دیکھ کر خاموش رہے اور کروٹ بدل کر لیٹ گئے۔

☆ ☆ ☆

کہنے کو تو ایک ہفتہ تھا مگر ایک ہفتے کیسے ایک دن میں تبدیل ہو گیا،وقت نے کسی کو کانوں کان خبر تک ہیں ہونے دی۔پہلے دن ہی رضیہ بیگم نے پورے ہفتہ کی لسٹ بنالی۔کب ،کیا اور کون سا کام کیسے کرنا ہے ؟سب کچھ درج کر لیا اور ہر ایک کو اس کے حصے کا کام سونپ دیا۔علی عظمت کو باہر سے خریداری کا کام سونپا تو انسول کو بھی ان کے ساتھ لگا دیا اور چھوٹے موٹے کام اس کے ذمے لگے۔

کبھی محفلوں کی پرواز پے تھے ہم
آج ان دیواروں کی تصویر بن گئے ہم
تو کہاں؛میں کہاں؛رشا
آج سب پروانے بکھر گئے

(سماویہ چوھدری عبید اللہ)

(شہر۔لاہور)

گھر کی سجاوٹ، آنے جانے والوں کے کھانے پینے کا خیال رکھنا صرف انسول کی ذمہ داری تھی۔ انسول یوں تو وجیہہ سے دور بھاگتا تھا۔ اس کے نام سے بھی چڑتا تھا مگر اس کی شادی میں ایسے بھاگ بھاگ کر کام کر رہا تھا جیسے اس کے دل میں نہ جانے کتنی محبت پنہاں ہو۔ شاید یہ محبت نہیں تھی اور نہ ہی خلوص تھا۔ اس میں بھی اس کا اپنا مفاد تھا۔ اپنی غرض پوشیدہ تھی۔ وجیہہ کے بعد اپنی شادی کے سپنے اس کے دل میں امڈ رہے تھے۔ رضیہ بیگم نے حجاب کو وجیہہ کے ساتھ رہنے کے لئے روک دیا۔ ایک لڑکی جس کی شادی ہو، اس کی ضروریات کا خیال رکھنے کے لئے بھی تو کسی نہ کسی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تمام فرائض حجاب کے ذمہ لگائے گئے۔ حجاب رضیہ بیگم کی بھتیجی تھی۔ اس لئے وہ بھی رہنے کو تیار ہو گئی۔ گھر میں کوئی بھی حجاب کے رہنے پر ناروا نہیں تھی بس ایک انسول تھا جس کے دل میں اس کے لئے ایک زچ تھی مگر اسے کوئی پرواہ نہیں۔ وہ تو بس وجیہہ کی خوشیوں میں شریک ہونے کے لئے رکی تھی۔ سب کو کام سونپنے کے بعد بھی خود کو کوئی فراغت نصیب نہ ہوئی۔ کپڑے، زیورات، بناؤ سنگھار کی ذمہ داریاں کم تھیں کیا؟ اور پھر کون کون سے رشتہ داروں کو شادی میں شرکت کے لئے بلانا ہے، یہ کام بھی انہوں نے اپنے ذمہ رکھا۔

"پھپو کس کس کے نام لکھوں کارڈز پر۔۔۔" تمام کارڈز چھپ کر آچکے تھے۔ سرخ کارڈ پر سنہری روشنائی سے حروف جگمگا رہے تھے اور ان سب میں وجیہہ اور ضرغام کا نام تو الگ ہی حیثیت رکھتا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا دونوں نام بنے ہی ایک دوجے کے لئے ہیں

"بلانا تو سب کو ہی پڑے گا۔ آخر پہلی شادی تو ہے۔۔ تم اس طرح کرو سب سے پہلے ندیم بھائی، شہباز بھائی، اصغر بھائی، خاور بھائی کا تو سب سے پہلے نام لکھو۔۔ اور ہاں اسلم بھائی کا بھی نام لکھنا مت بھولنا۔۔" علی عظمت ابھی ابھی باہر سے آئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں شاپنگ بیگز تھے

"اچھا ہوا آپ آگئے علی عظمت۔۔ آپ نے تو کسی کو رقعہ نہیں بھیجنا۔۔ اگر بھیجنا ہے تو بتا دیں حجاب بیٹھی لکھ رہی ہے۔۔" رضیہ بیگم کے کہنے پر وہ پلٹے تھے

"میں نے کہاں کس کو بھیجنا ہے۔۔" ستانے کو ذرا بیٹھے تھے

"ہاں سچ۔۔۔ منیر کے لئے بھی ایک رقعہ لکھ دو۔۔ بہت اچھا دوست ہے میرا۔۔۔ ہمیشہ سکھ دکھ میں ساتھ رہا ہے۔۔"

"ٹھیک۔۔۔ لکھ دیا۔۔ اور کسی کا لکھنا ہے پھوپھا جی۔۔" انہوں نے نفی میں گردن ہلا دی۔ انسول سیٹی بجاتا ہوا سیڑھیاں اتر کر باہر کی طرف جا رہا تھا

"کہاں جا رہے ہو؟" رضیہ بیگم نے پوچھا تو وہ پلٹا

"دوست کے پاس جا رہا ہوں۔۔" کہنیوں تک آستینیں چڑھائے ہوئے تھا۔

"اچھا پھر۔۔ جاتے ہوئے یہ کارڈز تو بانٹ دینا۔۔۔"

"لیکن امی مجھے تو جلدی ہے۔۔" اس کے ماتھے پر شکن آگئے

"کوئی بات نہیں واپسی پر بانٹ دینا۔۔" منہ بگاڑ کر اس نے ہامی بھر ہی لی۔ حجاب کارڈز کو مجتمع کر کے اٹھی اور انسول کے ہاتھوں میں تھما دیئے

"ہنہ۔۔" کارڈز لیتے ہوئے حجاب کو دیکھ کر اس کا منہ مزید بگڑ گیا تھا

"یاد سے دے دینا۔۔" حجاب نے کہا تھا

"تمہاری اجازت کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔" منہ بگاڑ کر جواب دیا تھا

☆ ☆ ☆

"تو پھر پانچ دن بعد ہے میرے اس ہیرو کی شادی۔۔"

لازوال کے سیٹ سے واپسی پر عنایہ بھی اس کے ساتھ کار میں تھی۔

"ہاں بس۔۔۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے بے نیازی سے کہا تھا

"ویسے لڑکی دیکھی ہے تم نے۔۔؟" عنایہ نے شوخ لہجے میں پوچھا تھا

"کہاں۔۔!!" اس نے حسرت بھرے لہجے میں کہا

"اوہ۔۔۔یعنی بنا دیکھے شادی ہو رہی ہے۔ فرسٹ نائیٹ ہی دیکھو گے۔۔۔امیزنگ۔۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا تھا

"جسٹ شیٹ اپ یار۔۔۔فرسٹ نائیٹ کیا میں تو اس کے ساتھ کوئی نائیٹ بھی سپینڈ نہیں کرنے والا۔۔" گردن کو ایک ادا سے جھٹکتے ہوئے کہا

"لیکن اگر وہ خوبصورت ہوئی اور اپنی خوبصورتی کا جادو تمہارے اوپر چلانے میں کامیاب ہو گئی تو۔۔۔" وہ لفظ تو پر زور دے رہی تھی

"تو۔۔۔سوچا جا سکتا ہے۔۔" اس نے بھی معنی خیز لہجے میں جواب دیا

"ضرغام کے بچے۔۔۔ابھی بتاتی ہوں تمہیں۔۔۔" ایک ادا سے اپنا ہاتھ اس کے بازو پر تھپڑ مارا

"اب اس میں جلنے کی کیا بات ہے۔ میری بیوی ہو گی تھوڑا بہت تو چلے گا ناں۔۔۔" اب وہ اسے جلانے کے چکر میں تھا

"ضرغام۔۔۔" وہ دانت بھینچ کر اسے کوستی جا رہی تھی

"ضرغام کیا۔۔۔بس تھوڑا سا۔۔رومینس۔۔ فرسٹ نائیٹ۔۔۔" اپنی ہنسی کو بمشکل قابو کئے وہ ڈرائیونگ کر رہا تھا

"اب تم حد سے گزر رہے ہو۔۔۔" عنایہ کے لئے سب کچھ برداشت سے باہر ہو گیا

"یار میاں بیوی میں کوئی حد نہیں ہوتی۔۔ جتنا چاہیں رومینس کریں۔۔۔"

میری زندگی کی خوشبو ہو تم
میرے چہرے کی مسکراہٹ ہو تم
میری سانسوں کی آواز ہو تم
میری آنکھوں میں نظر آتا آئینہ ہو تم
تو پھر کیسے نہ کہوں میری زندگی ہو تم

(ساویہ چوہدری عبید اللہ، لاہور)

"ضرغام۔۔۔" اس نے ایک زوردار گھونسہ اس کے پیٹ میں رسید کیا۔ تو وہ سٹئیرنگ پر کنٹرول کھو بیٹھا اور کار ہچکولے کھانے لگی

"سنبھال کے۔۔۔" برجستہ عنایہ کے منہ سے نکلا

"کوشش کر رہا ہوں۔۔" کار ۸۰ کی سپیڈ سے جا رہی تھی مگر یک دم کنٹرول کھونے پر وہ ہڑبڑا گیا کار کبھی سڑک کے اس کنارے پر تو کبھی اس کنارے پر ہچکولے کھا رہی تھی۔ تبھی بریک لگنے پر ایک زوردار جھٹکا لگا اور ضرغام کا سر سٹئیرنگ پر جا لگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"تم نے اب گھر سے باہر قدم بھی رکھا ناں تو مجھ سے برا کچھ نہیں ہو گا۔" شگفتہ بی بی نے ضرغام کو ٹیبلٹس دیتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں کہا تھا

"لیکن امی۔۔۔" ماتھے پر سفید پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ سرہانے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا

"بس۔۔ میں نے کہا ناں۔۔ اب میں تمہاری ایک نہیں سننے والی، یکے بعد دیگرے دو بار ایکسیڈنٹس کروا چکے ہو اپنے۔ چار دن بعد تمہاری شادی ہے۔ کیا تم سہرے کی جگہ یہ پٹیاں لٹکائے جاؤ گے۔

"امی۔۔" اس نے بچوں کی طرح منہ بنا لیا۔ پچھلی بار جب وہ سیڑھیوں سے گرا تھا تو اس نے شگفتہ بی بی سے جھوٹ بولا کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور اب تو واقعی اس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا لیکن خدا کی رحمت سے زیادہ چوٹ تو نہیں آئی، مگر پیشانی پر زخم کا نشان ضرور ابھر چکا تھا

"اب جب تک تمہارا نکاح نہیں ہو جاتا تم نے اس گھر سے باہر قدم بھی نہیں رکھنا۔۔ آئی بات سمجھ میں۔" انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ آخر ماں تھی۔ کیسے اپنے بچے کو تکلیف میں دیکھ سکتی تھی۔ اور پھر ضرغام تو ان کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس پر کیسے کوئی آنچ آنے دے سکتی تھیں

"چار دن تک اس گھر میں۔۔۔" اسے سوچ کر ہی چکر آنے لگے

"امی میرا تو دم نکل جائے گا۔۔۔"

"اور باہر جو ایکسیڈنٹ کروائے جا رہے ہو۔۔۔ اس سے دم نہیں نکلے گا۔" وارڈروب سے ایک لحاف نکالا اور اسے ضرغام کو اوڑھا دیا۔

"اب خاموشی سے آرام کرو۔۔" اس کے ماتھے پر محبت کی مٹھاس نقش کی تو تھوڑا بہت منہ بناتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ انہوں نے آیت الکرسی پڑھ کر اس پر دم کیا اور آہستہ سے دروازہ بند کر کے باہر آ گئیں۔

"چار دن نکاح میں رہ گئے اور ان کی کوئی خبر نہیں۔۔۔" زیر لب کہا اور پھر ہاتھ میں موجود گلاس کو رکھنے کچن کی طرف چل دیں۔

"اب کون ہو سکتا ہے؟" جیسے ہی انہوں نے شیلف پر گلاس رکھا تو دروازے پر رنگ ہوئی۔ چہرے پر ایک ثانیے کے لئے حیرانی کے تاثرات ابھرے تھے مگر اگلے ہی لمحے وہ تاثرات غائب ہو گئے

"السلام علیکم! خالہ جان۔۔۔" جیسے ہی شگفتہ بی بی نے دروازہ کھولا تو جویریا ان کے گلے لگ گئی۔ جویریا کے ساتھ ہی مثال اور فرمان بھی آگے بڑھے

"السلام علیکم! خالہ جان۔۔۔" مثال نے آگے بڑھ کر کہا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ کیسے ہو تم سب۔۔۔؟ اور اتنی دیر کیوں ہو گئی؟" انہوں نے باری باری سب کے ماتھے کو بوسہ دیا

"بس کیا کریں یہ مثال ہے ناں۔۔ تیار ہونے میں گھنٹہ لگا دیا تھا" جویریا نے صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تھا

"خالہ جان یہ جھوٹ بول رہی ہے۔۔ گھنٹہ میں نے نہیں خود اس نے لگایا تھا۔۔" مثال نے ترنت جواب دیا

"اچھا اچھا۔۔۔ اب لڑنا نہ شروع کر دینا۔۔۔ یہ بتاؤ سفر تو آرام سے گزرا ناں۔۔" تمام بچے اندر آ چکے تھے۔ شگفتہ بی بی نے دروازہ بند کرتے ہوئے پوچھا تھا

"خالہ جان۔۔۔ پوچھ تو آپ اس طرح رہی ہیں جیسے ہم گلبرگ کی بجائے لندن سے آ رہے ہوں۔۔ صرف آدھ گھنٹے کا تو سفر تھا۔۔" فرمان نے بھی اپنی زبان کھولی

"اتنا معلوم ہے کہ آدھ گھنٹے کا سفر ہے مگر یہ نہیں معلوم کے ہم خالہ جان سے ہی ملنے آ جائیں۔۔ آج بھی اگر میں نے فون نہ کیا ہوتا ناں تو تم نے تو آنا ہی نہیں تھا۔۔"

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔۔ ہم تو ہمیشہ آپ کو یاد رکھتے ہیں اپنے دل میں۔۔" جویریا نے پاس آ کر ان کو باہوں کے جھولے میں جھلاتے ہوئے کہا تھا

"اب مسکا لگانا بند کرو۔۔ سب سمجھتی ہوں میں۔۔" اس کو پیار سے تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا

"ویسے خالہ جان۔۔۔ بھابھی دیکھنے میں کیسی ہیں؟" مثال نے انہماک سے شگفتہ بی بی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا

"بہت اچھی۔۔۔ اتنی اچھی کہ اگر تم دیکھو گی ناں۔۔ تم بھی ان جیسی بننے کی کوشش کرو گی۔۔" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا

"پھر تو ملنا پڑے گا بھابھی سے۔۔۔" فرمان نے ہلکی سی گردن کو جنبش دی

"اچھا چلو۔۔ باتیں بعد میں، پہلے کچھ کھا پی لو۔۔ میں ابھی تمہارے لئے کولڈ ڈرنک لے کر آتی ہوں۔۔"

"میرے لئے سپرائیٹ۔۔۔" فرمان نے اپنی پسند بتائی

"اور میرے لئے کوک۔۔" مثال کہاں پیچھے رہتی

"ظالما۔۔ کوکا کولا پلا دے۔۔۔!!" فرمان بڑبڑایا تھا

"خالہ جان۔۔!!" منہ بسوڑتے ہوئے مثال نے کہا تھا

"تم دونوں باز آنے والے نہیں ہو۔۔ جویریا تم بتاؤ، تمہارے لئے کیا لاؤں۔۔۔" ہمیشہ کی طرح جویریا خاموش رہی۔ اسی لئے شگفتہ بی بی نے خود ہی اس سے پوچھا

"میرے لئے۔۔۔ جو بچ جائے۔۔" اس کی بات پر شگفتہ بی بی ہنس دیں۔

"کوئی مستی نہیں چلے گی۔۔۔ یاد ہے ناں امی ابو نے کیا کہا ہے اگر کوئی مستی کی تو آخری شادی ہو گی ہماری۔۔" جویریا نے دونوں کو تنبیہ کی

"کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ایسا تو وہ ہر بار بولتے ہیں۔۔" کندھے اچکاتے ہوئے جویریا کی بات کو ہوا میں اڑا دیا

"فرمان۔۔۔" جویریا نے گھور کر اس کی طرف دیکھا

"ایسے مت دیکھو۔۔۔ورنہ میں ڈر جاؤں گا۔۔" جویریا کا مذاق اڑاتے ہوئے فرمان نے کہا تھا

"میرا مذاق اڑاتا ہے۔۔میرا۔۔ابھی بتاتی ہوں۔۔" اٹھ کر اس کے پیچھے چل دوڑی جبکہ مثال ان دونوں کی حرکتوں سے محظوظ ہو رہی تھی

"فرمان۔۔۔شاباش۔۔یونہی دوڑتے رہو۔۔" ساتھ ساتھ مثال فرمان کو لقمہ دیتی جا رہی تھی

جویریا تینوں میں سب سے بڑی تھی اور بی ایس اکنامکس کر رہی تھی۔ مثال دوسرے نمبر پر تھی اور ابھی میٹرک کے پیپرز سے فارغ ہوئی تھی۔ فرمان کہنے میں تو سب سے چھوٹا مگر بنا سب کا بڑا پھرتا ہے۔ دونوں بہنوں کو تو اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر ایسے گھماتا جیسے کوئی فٹبال کو گھماتا ہے۔ پورے گھر میں اودھم مچا کر رکھتا تھا۔ اسی لئے جویریا اور مثال اس کو یہاں لانے کے حق میں نہ تھے لیکن شگفتہ بی بی کے اصرار پر انہیں لانا پڑا اور پھر وہ خود بھی تو پانچویں کے پیپر دے کر فارغ ہوا تھا۔ گھر میں رہ کر اس نے کون سا تیر مار لینا تھا۔

"ہم تمہیں اس شرط پر لے کر جائیں گے اگر وہاں جا کر تم ہمارا سارا کام کرو گے۔۔" جویریا اور مثال بھی اپنا مطلب نکالنا بخوبی جانتی تھیں

"او کے۔۔۔" مصیبت کے وقت تو گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے تو پھر یہ تو اس کی سگی بہنیں تھیں فوراً ہاں کر دی مگر آتے ہی اپنے پرانے رنگ میں واپس آ گیا اور اُن کا کام کرنے کی بجائے اپنا کام کروانے لگا

"جویریا آپی۔۔۔میرا سوٹ، سوٹ کیس میں سے نکال کر دے دیں۔۔" نہانے کے لئے واش روم میں گیا تو اپنا سوٹ بھی ساتھ لے کر نہیں گیا۔

"مثال آپی۔۔۔" جویریا نے بات نہ سنی تو مثال کی آوازیں لگنا شروع ہو گئیں

"مثال آپی۔۔۔جویریا آپی۔۔" وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر پکار رہا تھا۔

"سپیکر لا دوں تاکہ اگلے دیش بھی چلی جائے تیری آواز۔۔کوکیلا کی طرح گلا پھاڑ پھاڑ بولتا رہے گا" پاؤں پٹختے ہوئے مثال کمرے میں داخل ہوئی تو جویریا بھی فوراً وارد ہو گئی

"ایک تو تم اور تمہارے انڈیا کے ڈراموں کی مثالیں۔۔ویسے تمہارا نام ٹھیک رکھا ہے امی ابو نے۔۔۔مثالیں دینے میں تو ماہر ہو تم۔۔۔کبھی کسی ایکٹر کی تو کبھی کسی ایکٹر کی۔۔" آتے ہی مثال کی کلاس لگا دی

"اپنی باتیں بعد میں پہلے میرا سوٹ۔۔۔!!" ایک بار پھر واش روم سے آواز آئی

"یہ لو۔۔۔آیا تھا ہمارے کام کرنے، اپنے کام کروا رہا ہے۔۔" مثال نے طنزیہ کہا

"آخر بھائی بھی تو تمہارا ہی ہے۔۔۔" مثال کو بھی ساتھ ہی رگڑ دیا

"سوٹ۔۔۔۔۔۔" ایک بار پھر گلا پھاڑ کر کہا

"اب چپ ہو جاکو کیلا۔۔۔ دیتی ہوں سوٹ۔۔۔" مثال نے بیڈ کے ساتھ رکھے سوٹ کیس کو اٹھا کر بیڈ پر رکھا

"توبہ۔۔۔ کتنے کپڑے اٹھا کر لے آیا ہے۔ ہم دونوں نے تو اپنا ایک سوٹ کیس پیک کیا اور اس نواب زادے نے اپنا اکیلے کا ایک سوٹ کیس پیک کیا ہے۔۔ ہنہ۔۔" کپڑوں کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے مثال نے کہا تھا

"اب دے بھی دو۔۔ سٹار پلس کی ہیروئن۔۔" فرمان نے تنگ آکر کہا تھا

"اب تو بالکل نہیں دیتی۔۔ جا کیا کر لے گا۔۔ رہ اب وہیں پر بنا کپڑوں کے۔۔ ہم جا رہے ہیں خود آکر نکال لیں۔۔" مثال نے جو پینٹ شرٹ اٹھائی تھی دوبارہ بیڈ پر اچھال دی

"معاف کردو مجھے میری ماں۔۔۔" اس نے بچوں کی طرح ٹھن ٹھن شروع کردی

"دے دو بچے کو۔۔" جویریا کو ہمیشہ کی طرح فرمان پر ترس آگیا، اس نے بیڈ سے پینٹ شرٹ اٹھائی اور واش روم کی طرف بڑھنے لگی

"آپی۔۔!! کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔ شیطان پر ترس کھانے کی۔۔" مثال نے یہی جملہ کہا تھا کہ دروازے سے شگفتہ بی بی داخل ہوئیں

"بری بات۔۔ مثال۔۔ بھائی کو شیطان نہیں کہتے۔۔ شیطان کا مطلب بھی جانتی ہو تم؟ شیطان کا مطلب ہے دھتکارا ہوا۔۔ اللہ کی رحمت سے دور۔۔۔ تمہیں تو اپنے بھائی کو دعا دینی چاہئے۔۔۔ اور تم اسے بددعا دے رہی ہو۔۔" شگفتہ بی بی کی بات سن کر وہ خاموش ہوگئی اور آنکھیں جھکائے کھڑی رہی۔ جویریا نے پینٹ شرٹ فرمان کو پکڑا دیں۔

"تمہیں فوراً اللہ سے معافی مانگنی چاہئے۔۔" انہوں نے مزید کہا

"او کے سوری خالہ جان۔۔۔ آگے ایسا نہیں کہوں گی۔۔" مثال کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔

"بہت اچھی بات ہے تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔۔ تم جانتی مثال۔۔ بہن بھائی تو ایک دوسرے کے باعث رحمت ہوتے ہیں اور اگر یہی ایک دوسرے کے لئے بددعائیں کرنے لگ جائیں تو پھر بھلا دوسروں سے توقع کیا رکھنی؟؟"

"خالہ جان۔۔ یہ ہمیشہ ایسے ہی کرتی ہے۔۔" شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے وہ واش روم سے باہر آیا تھا، اس کو دیکھ کر وہ ناک پھلا کر رہ گئی۔

"زیادہ شکایتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ تم بھی کسی سے کم نہیں ہو۔۔" اب کی بار فرمان کی باری تھی

"خالہ جان۔۔۔" اس نے بالوں کو جھٹکا تو پانی کے چھینٹے مثال پر اچھلے

"خالہ جان دیکھو اسے۔۔ جان بوجھ کر اس نے یہ چھینٹے میرے اوپر پھینکے ہیں۔۔" ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا

"جھوٹ کم بولو تم۔۔۔" چوہے بلی کا کھیل پھر سے شروع ہوگیا۔ دونوں ایک دوسرے پر جملوں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ دو منٹ شگفتہ بی بی وہاں کھڑی رہی مگر ان کے سر میں درد

ہونے لگ گیا

"توبہ۔۔۔کتنا جھگڑتے ہو تم دونوں۔۔" کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا

"چلیں خالہ جان آپ یہاں سے۔۔لڑ لڑ کر جب تھک جائیں گے، خود ہی باہر آ جائیں گے یہ۔۔۔" جویریا انہیں باہر لے آئی

☆ ☆ ☆

فائیو سٹار ہوٹل میں وہ دونوں بیٹھے لنچ کر رہے تھے۔ ان کی ٹیبل کے ایک فرلانگ کے فاصلے پر آبشار سے گرتا پانی اپنا ہی ساز بجا رہا تھا۔ ہلکی تیز چلتی ہوا سے پانی کی چند قطرے ان تک پہنچ رہے تھے۔ سفید کور سے ڈھکی ٹیبل اور پھر اس کے درمیان رکھا سرخ و سفید گلابوں کا بکی اس ٹیبل کی شان میں اضافہ کر رہا تھا۔ آسمان پر چھائے ہلکے سرمئی بادل دھوپ کو کوسوں دور لے گئے تھے۔ ایسے ماحول میں ان دونوں نے ساتھ لنچ کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" انمول پچھلے دس منٹ سے خاموش بیٹھا صرف عندلیب کو دیکھتا جا رہا تھا۔ اپنا دونوں کہنیوں کو ٹیبل پر ٹکائے، ٹھوڑی کو ہاتھوں کی ہتھیلی پر جمائے اس کی نظریں بس عندلیب کے چہرے پر تھیں۔ آنکھوں میں انتہا کی مستیاں تھیں۔ چہرے پر ہلکی سی تبسم اور فضا کو مہکانے کے لئے اس کی جسم سے آتی باڈی سپرے کی آتی دلفریب خوشبو۔۔

"دیکھ رہا ہوں۔۔تم روز بروز کتنی خوبصورت ہوتی جا رہی ہو۔۔" اپنی نظریں اس کے چہرے پر جمائے کہا تھا۔ وہ واقعی آج حد سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ ڈارک بلیو ڈریس پر چمکتے موتی نما ستارے اور پھر وائیٹ لیس سے سجا دامن۔ آنکھوں میں بسا کاجل اور دل کی تشنگی کو بھڑکاتے رسیلے گلابی ہونٹ، ہوا کے جھونکوں کے ساتھ مستی کرتی زلفیں اور پھر آنکھوں کے آگے آتی بالوں کی چند لٹیں۔

"حسین تو تم بھی کم نہیں لگ رہے۔۔" اسی انداز میں اپنے چہرے کو ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر ٹکا کر جواب دیا۔ کہا تو اس نے بھی صحیح تھا۔ لائیٹ براؤن شرٹ، گریبان کے دو کھلے بٹن سے نظر آتا اس کا دودھیا سینہ۔ گلاب کی خوشبو کے ساتھ سانسوں کو مہکاتا باڈی سپرے۔

"اب ایسے ہی دیکھتے رہو گے یا پھر کھو گے بھی؟" معنی خیز لہجے میں استفسار کیا تھا

وہ دل ہی کیا ترے ملنے کی جو دعا نہ کرے
میں تجھ کو بھول کر زندہ رہوں خدا نہ کرے
رہے گا ساتھ ترا پیار
زندگی بن کر
یہ اور بات میری زندگی وفا نہ کرے
بجھا دیا ہے نصیبوں نے مرے پیار کا چاند
کوئی دیا مری پلکوں پر اب جلا نہ کرے
شفیق سعید۔ خانیوال

"کیا کہوں۔۔۔!! تمہیں دیکھ کر تو میں الفاظ ہی بھول گیا" ڈرامائی ڈائیلوگ بول کر وہ اسے امپریس کرنے کی کوشش میں تھا

"اچھا پھر آنکھوں کے ذریعے سمجھا دو۔۔۔" اس نے ہلکا سا طنز کیا تھا

"آنکھوں کے ذریعے ہی تو سمجھا رہا ہوں۔۔"

"سر آپ کو اور کچھ چاہئے۔۔۔" ویٹر نے کولڈ ڈرنک رکھتے ہوئے پوچھا تو وہ دونوں چونک گئے

"تو تھینکس۔۔۔" ہوا میں تیزی آ گئی۔ آبشار کا ساز بھی دلفریب ہونے لگا۔ عندلیب کی کھلی زلفیں ہوا کے پروں پر سوار مست ہونے لگیں

"موسم کتنا رومینٹک ہے ناں۔۔!! دل چاہتا ہے کہ تمام حدیں پار کر کے بس تمہیں اپنی بانہوں میں بسا لوں۔۔" اس نے شوخ بھرے انداز میں انگڑائی لی

"دیر تو تم نے ہی کی ہے ورنہ میں تو کب سے تیار ہوں شادی کے لئے۔۔۔" بے باکی سے جواب دیا

"پہلی لڑکی دیکھی جو اپنی شادی کے لئے اتنی جلدی مچا رہی ہے ورنہ لڑکیاں تو شادی کے نام سے ہی شرما جاتی ہیں۔" کولڈ ڈرنک پیتے ہوئے اس نے آبشار کی طرف دیکھا۔ پانی کی دھاڑیں پورے زور سے آسمان کی طرف اٹھتی مگر بیچ راستے ہی لوٹ آتیں

"اوہ۔۔ ہیلو۔۔ میں آج کی لڑکی ہوں۔۔ یہ شرم و حیا کی توقع تو مجھ سے کرنا ہی نہیں۔۔ جو ہوں تمہارے سامنے ہوں۔۔ ویسے بھی یہ اکیسویں صدی ہے، آج کل کون پوچھتا ہے شرم و حیا کو۔۔ آگے بڑھنے کے لئے شرم و حیا کا دامن چاک کرنا ہی پڑتا ہے۔۔"

"واہ۔۔ مائنڈ بلوئنگ۔۔۔ تو پھر تھوڑا بہت رومینس ہو جائے۔۔۔" پھلجڑی چھوڑی تھی

"جسٹ شیٹ اپ۔۔۔" اس کے آگے بڑھتے ہوئے ہاتھ پر ہلکا سا تھپڑ مارا مگر درد کی بجائے ایک احساس انمول کے جسم میں سرایت کرنے لگا

☆ ☆ ☆

"ویسے یہ کاسنی لہنگا کیسا ہے؟" بیڈ پر مختلف لہنگے بکھرے پڑے تھے۔ رضیہ بیگم وجیہہ کی عادت سے اچھی طرح واقف تھیں۔ وہ اچھی جانتی تھیں کہ وہ کسی بھی قیمت پر بازار جا کر اپنے لئے شاپنگ نہیں کرے گی اس لئے مختلف لہنگوں کے سیمپل کو گھر ہی منگوا لیا۔ حجاب وجیہہ کی ڈریس سلیکشن میں مدد کر رہی تھی

"اس پر تو بہت زیادہ کام ہے۔۔۔ مجھے تو سیمپل چاہئے۔۔" سادگی پسند وجیہہ بھلا کیسے اتنا بھاری کام پسند کر سکتی تھی

"آپی آپ کی شادی ہے کوئی عام فنکشن نہیں جو عام سا ڈریس چلے گا۔۔۔" لہنگا رکھ کر کہا تھا

"لیکن مجھے اتنا بناؤ سنگھار پسند نہیں۔۔ یہ تو تم بھی جانتی ہو۔۔۔"

"لیکن شادی میں تو یہ سب کچھ چلتا ہے ناں آپی۔۔" حجاب

وجیہہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی

"نہیں حجاب۔۔سادگی صرف عام زندگی سے خاص نہیں ۔۔سادگی ہمیشہ دیکھی جاتی ہے اور شادی بیاہ کے موقع پر ہی تو پتا چلتا ہے کہ کون کتنا سادگی پسند ہے؟ویسے تو ہر کوئی یہ کہتا پھرتا ہے کہ شادی بیاہ تو سادگی سے ہونے چاہئے لیکن حجاب اگر شادی میں پانچ دس لاکھ خرچ کر کے بھی یہ کہا جائے کہ ہم نے شادی سادگی سے کی ہے تو بھلا اس کے کہنے کا جواز بنتا ہے؟بھلا سادگی میں بھی پانچ دس لاکھ خرچ کر لیں تو باقی بچتا ہی کیا ہے؟"

"آپی آپی۔۔وہ سب ٹھیک ہے لیکن آپ کو میری بات ماننی پڑے گی۔۔جو میں کہوں گی۔۔وہی آپ شادی میں پہنو گی۔۔سنا آپ نے۔۔"منہ بگاڑ کر آخر وجیہہ نے اثبات میں سر ہلا ہی دیا

☆ ☆ ☆

"بھائی آپ پر یہ شیروانی زیادہ اچھی لگے گی۔۔"جویریا آف وائیٹ شیروانی ضرغام کے سامنے لئے کھڑی تھی

"ارے یہ کوئی شیروانی ہے۔۔بھائی آپ پر یہ زیادہ اچھی لگے گی"بلیک شیروانی جس پر سنہری ریشم کا کام تھا۔اس کو اٹھاتے ہوئے مثال نے کہا تھا

"جی نہیں۔۔ضرغام بھائی میری شیروانی کو پسند کریں گے۔۔سنا تم نے۔۔"جویریا نے کندھے پر موجود بالوں کو ایک جھٹکے سے پیچھے کیا

"یہ تو تم دونوں ہی سلیکٹ کرو۔۔۔"سینے پر ہاتھ باندھے وہ بیڈ کی ٹیک سے پشت ٹکائے بیٹھا تھا اور دونوں کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا

"اس کا مطلب بھائی میری شیروانی پہنیں گے کیونکہ میں نے اِن کے تمام شوز دیکھیں ہیں۔۔بھائی اگر آپ کو اپنے ویورز کی کو ناراض کرنا ہے تو بے شک آپ آپی کی پسند کی گئی شیروانی پہن لیں مگر یاد رکھیں آج کے بعد میں پھر لاز اول نہیں دیکھوں گی۔۔"اس نے سیدھی دھمکی دے ڈالی

"ارے نہیں۔۔۔ایسا نہیں کرنا۔۔۔میں اپنے ویورز کو بھلا کیسے ناراض کر سکتا ہوں۔۔"ضرغام نے مثال کی سلیکٹ کی گئی شیروانی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو جویریا نے فوراً آگے بڑھ کر ضرغام کے ہاتھ میں اپنی پسند کی گئی شیروانی پکڑا دی

"بھائی۔۔مجھے نہیں پتا آپ یہی پہنیں گے۔۔ورنہ میں ابھی واپس چلی جاؤں گی۔۔"جویریا بھی کہاں پیچھے رہنے والی تھی

"دیکھو۔۔۔تم بھائی کو بلیک میل کر رہی ہو۔۔۔"مثال نے احتجاج کیا

"اور تم کوئی وائیٹ میل کر رہی تھی۔۔۔تم بھی تو بھائی کو ایموشنل بلیک میل کر رہی تھی"بھنویں اچکاتے ہوئے برق رفتاری سے جواب دیا

"گرلز۔۔۔لڑنا بند کرو۔۔۔میں تم دونوں کی سلیکٹ کی گئی شیروانی پہن لوں گا۔۔اب خوش۔۔۔"ضرغام نے جیسے مسئلے کا حل ہی بتا دیا

"لیکن کیسے؟"دونوں نے برجستہ سوال کیا

"تم دونوں یہاں رکھو اپنی پسند کی گئی شیروانی۔۔جو مجھے فٹ

آئے گی میں وہی پہن لوں گا۔۔ اوکے۔۔" دونوں کے ہاتھوں سے شیروانی لے کر اپنے لحاف پر رکھ لی

"لیکن بھائی آپ نے میری شیروانی کو پریفر کرنا ہے۔۔ دیکھیں آپ کا رنگ بھی کتنا فیئر ہے۔ فیئر رنگ پر ہمیشہ فیئر چیزیں ہی اچھی لگتی ہیں۔۔" مثال کو آنکھیں دیکھاتے ہوئے کہا

"بالکل صحیح بھائی۔۔ آپ اتنے وجیہہ ہیں کہ آپ کو تو نظر بھی لگ سکتی لہذا نظر نہ لگنے کے لئے بلیک شیروانی ہی سیلکٹ کرنی چاہئے۔۔ کیوں ٹھیک کہاناں۔۔" مثال نے بھی اپنا پانسا میدان میں ڈال دیا

"اوہ ہیلو۔۔۔ آپ دونوں گرلز ہیں اور بھائی بوائے۔۔ لہذا! آپ دونوں یہاں سے جاؤ۔ بھائی کی شیروانی میں پسند کروں گا۔۔" کمرے میں داخل ہوتے ہی فرمان نے دونوں کا تختہ ہی الٹ دیا

"اوہ گڈ۔۔۔ میرے جگر۔۔۔" اس کو دیکھتے ہی ضرغام بھی جوش میں آگیا۔ فرمان اچھل کر بیڈ پر آبیٹھا اور ضرغام کے ہاتھوں پر ایک زوردار تالی ماری

"کہاں تھا میرا جگر۔۔۔" اس کے بالوں کو پیار سے خراب کرتے ہوئے پوچھا

"ان شیرنیوں نے مجھے کمرے میں بند کر دیا تھا۔۔" مہارت سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا

"فرمان۔۔۔" جویریا نے گھور کر اس کی طرف دیکھا

"یہ اچھی بات نہیں ہے۔۔۔ تم دونوں نے اچھا نہیں کیا لیکن اب اس کا بھائی اس کے ساتھ ہے۔ کوئی کچھ نہیں کر سکتا" ضرغام کی ذرا سی حمایت پر وہ باغ باغ ہو گیا اور دونوں کو منہ چڑھانے لگا

"بچو۔۔۔ ذرا باہر تو آ۔۔ آخر کب تک بھائی کی آڑ میں چھپا رہے گا۔۔" مثال نے بڑبڑاتے ہوئے کہا

"بھائی دیکھو۔۔۔ یہ مجھے دھمکی دے رہی ہے۔۔" سینہ تان کر کہا

"مثال۔۔۔" آنکھیں دیکھاتے ہوئے کہا

"بھائی۔۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔۔ اور آپ کے سامنے تو کچھ زیادہ ہی۔۔" جویریا نے کچھ کہنے کی کوشش کی

"میرا جگر جھوٹ نہیں بولتا۔۔۔ کیوں جگر۔۔"

"بالکل ٹھیک۔۔۔" دونوں کی طرف دیکھ کر منہ چڑھایا تو دونوں بس اس کو کوستے ہی رہ گئیں۔۔

"بچو۔۔ آنا تو ہمارے پاس ہی ہے۔۔ پھر بتاتے ہیں تجھے۔۔" مثال دل میں جلی کٹی سناتے ہوئے چلی گئی

☆ ☆ ☆

ہر طرف شادی کی گہما گہمی تھی۔ ایک طرف رضیہ بیگم سب کچھ بھول کر وجیہہ کے ناز اٹھا رہی تھیں تو دوسری طرف شگفتہ بی بی ضرغام کے بدلتے رویے کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔

"خدا کا شکر ہے۔ ضرغام کے رویے میں کچھ تو تبدیلی آئی۔۔ سب سے اچھے طریقے سے باتیں کر رہا ہے اور اپنی نئی زندگی کے لئے اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کر رہا ہے۔۔" لیکن وہ

یہ نہیں جانتی تھیں کہ ہر طوفان آنے سے پہلے ماحول میں ایک بار سکوت طاری ضرور ہوتا ہے۔ چلتی ہواؤں کا رخ ایک بار ضرور بل کھاتا ہے۔ آسمان کو دیکھ کر پہلے یہی لگتا ہے کہ موسم خوشگوار ہے لیکن اگلے لمحے ہی موسم ایسے پلٹا کھاتا ہے کہ انسان دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ وہ ان سب سے بے خبر تھیں۔ نہ ڈھول نہ مہندی، بس سادگی تھی۔ حیرت تو اس بات پر تھی کہ ضرغام بھی اب سادگی برت رہا تھا۔ شگفتہ بی بی نے صرف ایک بار کہا تھا کہ وہ شور شرابا زیادہ نہیں چاہتیں تو اس نے فوراً مان لیا۔

''امی جان۔۔ آپ فکر مت کریں۔۔ جیسا آپ چاہیں گی ویسا ہی ہو گا۔۔ اگر آپ چاہیں تو میں اکیلا ہی اسے بیاہ کر لے آتا ہوں''اس کا لہجہ شوخیوں سے بھرپور تھا

''شرارت سوجھ رہی ہے۔۔۔''اس کے کان پکڑ کر کہا تھا

''امی سادگی تو یہی ہوتی ہے ناں۔۔''اس کا لہجہ اس کا انداز سب کچھ الگ تھا۔ یہ وہ ضرغام نہیں تھا۔ جو دنیا کے پیچھے بھاگتا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی ضرغام تھا۔ جو ہنسنا اور کھیلنا جانتا تھا۔ مذاق کو سمجھنا جانتا تھا۔ یہ سب وہ جان بوجھ کر رہا تھا یا سچ میں بدل گیا تھا۔ شاید گزرتا وقت ہی بتا سکے۔ ایک ہفتہ ایک دن میں بیت گیا اور پھر وہ دن آیا جب ضرغام کے چہرے پر سہرا سجنا تھا۔ بارات کا ٹائم سہ پہر تین بجے کا تھا لیکن تیاریاں صبح سے ہی شروع ہو گئی۔ جویریا اور مثال تو سب سے آخر میں تیار ہوئیں کیونکہ گھر میں آئے مہمانوں کو انہوں نے ہی ڈیل کرنا تھا۔ مہمان تھے ہی کتنے۔۔ صرف چیدہ چیدہ پانچ مہمان تھے۔ جویریا کے امی ابو کے ساتھ ان کی دادی۔ شگفتہ بی بی کی نند جو آسٹریلیا سے خاص ضرغام کے نکاح میں شریک ہونے آئی تھیں اور پھر نکاح کے فوراً بعد اس کی واپسی کی فلائیٹ تھی۔

''آپ یہاں صرف ہاتھ لگانے آئی ہیں۔۔''شگفتہ بی بی نے کہا تھا

''ویسے سچ کہوں تو ہاتھ ہی لگانے آئی ہوں۔۔ بھابھی جی۔۔ وہاں اسد کے فائنل اگزامز ہو رہے ہیں اور پھر ان کے پاپا کو تو آفس سے چھٹیاں ہی نہیں ملتیں اور پھر ہمارا سٹور بھی تو ہے۔۔ میرے بغیر تو وہ ایک دن بھی نہیں چلتا۔۔ لیکن ان سب مصروفیات میں میں اپنے بھتیجے کی شادی مس بھی تو نہیں کر سکتی تھی۔ آخر میرا ایک ہی ایک تو بھتیجا ہے۔ اگر اس کی شادی میں ہی شرکت نہ کر پاتی تو بھلا کس کی شادی میں کرتی۔۔۔ اور ویسے بھی ٹائم تو اپنوں کے نکالنا ہی پڑتا ہے۔۔ اور پھر یہی تو موقعے ہوتے ہیں دو گھڑی مل بیٹھنے کے۔ اس بہانے آپ سے بھی مل لیا۔''

''امی میری شیروانی کہاں گئی۔۔۔''ٹراؤزر بنیان پہنے وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ دونوں نے ضرغام کی طرف دیکھا جو دو دو سٹیپ پھلانگتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔ جھٹکے کی وجہ سے بالوں پر سے پانی کی بوندیں اس کے بنیان پر گر رہی تھیں۔ جو پہلے سے ہی بھیگا ہوا تھا۔ اسی لئے یہ بوندیں زیادہ کارآمد ثابت نہ ہوئیں۔

''بھائی۔۔ کوئی شرٹ نہیں ملی جو۔۔۔ ایسے گھوم رہے ہو گھر

میں۔۔"جویریا نے کچن سے نکلتے ہی ضرغام کو اس حالت میں دیکھ کر کہا تھا

"لگتا ہے بھائی کا ایسے ہی نکاح میں جانے کا ارادہ ہے۔۔"

مثال جو مٹھائی کی تھال کو کار میں رکھوانے لے جا رہی تھی۔ایک پھلجڑی چھوڑتے ہوئے گئی

"ویسے خیال اچھا ہے۔۔"ضرغام نے فوراً تائید کی۔وہ سیڑھیاں اتر کر اب شگفتہ بی بی کے سامنے کھڑا تھا

"بڑا ہی بے شرم ہے۔۔"شگفتہ بی بی کی نند نزہت نے کہا تھا

"پھپو۔۔آسٹریلیا میں یہ بھی نہیں ہوتا۔۔"اس نے شوخ لہجے میں بنیان کی طرف اشارہ کیا تھا

"بہت شریر ہو گیا ہے۔۔۔آج میری شادی ہے اور اس طرح کی حرکت زیب نہیں دیتی"ایک بار پھر نزہت نے کہا

"تمہاری شیروانی غالباً میں نے آئرن سٹینڈ پر دیکھی تھی"

شگفتہ بی بی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا

"میں ابھی دیکھتی ہوں۔۔"جویریا کچن سے اپنے ہاتھ جھاڑتے ہوئے نکلی تھی۔تبھی آئرن سٹینڈ کی طرف چل دی ۔وہاں جا کر اس کے تو جیسے ہوش ہی اڑ گئے۔

"اللہ۔۔۔۔۔۔"وہ بھاگتی ہوئی آئرن سٹینڈ کے پاس آئی اور استری کا سوئچ آف کر کے اسے سیدھا رکھا

"کیا ہوا؟چیخ کیوں رہی ہو؟"جویریا کی امی اپنے کمرے سے نکلی تھیں

"امی یہ۔۔۔۔"اس نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا تھا

"کیا ہوا جویریا؟تم ایسے کیوں چیخی؟"نزہت،شگفتہ بی بی اور ضرغام بھی وہاں آ موجود ہوئے تو اس نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے جلی ہوئی شیروانی سب کے سامنے کر دی

"اللہ۔۔۔یہ کیا ہو گیا۔۔"نزہت کے زبان سے برجستہ نکلا تھا

"لگتا ہے آج تو واقعی ٹراؤزر اور بنیان میں ہی جانا پڑے گا۔۔"ابھی بھی ضرغام باز نہیں آیا تھا۔

"اب کیا ہو گا۔۔"شگفتہ بی بی نے دونوں ہاتھوں کو منہ پر رکھ لیا تھا

"ہونا کیا ہے امی جان اب تو انہی ٹراؤزر اور بنیان میں نکاح پڑھنا ہو گا۔۔"ایک بار پھر اس نے ہنسی پر قابو کرتے ہوئے کہا

"ٹراؤزر بنیان پہننے کی بھی کیا ضرورت ہے۔۔"نزہت نے اس کی بات کا جواب دیا

"ویسے خیال اچھا ہے مگر میں اتنا بھی بے شرم نہیں ہوں۔۔اگر آسٹریلیا ہوتا تو شاید۔۔"اس نے معنی خیز لہجے میں اپنے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"زیادہ شوخیاں مت مارو۔۔۔ہیرو ہو تو ہیرو بنو۔۔ویلن نہیں۔۔"نزہت نے اس کی ساری شوخیاں ہوا میں اڑا دیں

"لیکن اب یہ سوچو کہ کیا پہنے یہ۔۔اضافی شیروانیاں بھی تو واپس کر دی تھیں۔۔۔"شگفتہ بی بی قدرے پریشان ہو گئیں

"ارے ٹینشن ناٹ۔۔۔خالہ جان۔۔۔بھائی کے لئے میں نے یہ شیروانی سنبھال کر رکھی تھی۔۔"ایک کونے سے فرمان کی آواز آئی تھی۔سب نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فرمان

ڈارک براؤن کلر کی شیروانی ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔

"فرمان یہ کہاں سے آئی تمہارے پاس۔۔۔" جویریا نے آگے بڑھ کر پوچھا تھا

"جب تم دونوں آپس میں لڑ جھگڑ رہی تھیں ناں۔۔ تبھی میں نے بھائی کے لئے یہ شیروانی پسند کر لی تھی۔۔۔ اور اسے چھپا کر اپنے کمرے میں رکھ لی۔۔" وہ پورے ناز سے کہہ رہا تھا

"بہت اچھا کیا تم نے۔۔" نزہت نے آگے بڑھ کر اسے پیار دیا

"اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔۔ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے" شیروانی کو ضرغام کے ہاتھوں میں پکڑاتے ہوئے شگفتہ بی بی نے کہا تھا۔

"تم دونوں بھی تیار ہو جاؤ۔۔۔" پاس کھڑی جویریا اور دروازے سے اندر آتی مثال کے لئے کہا گیا تھا

"بس آخری تھال ہے۔۔" مثال نے کہا

"وہ تھال فرمان رکھ آئے گا۔۔ تم جا کر تیار ہو جاؤ۔۔" اپنا نام سن کر فرمان کی آنکھیں کھل گئیں

"میں؟؟؟؟؟؟؟؟؟" اس نے اپنی طرف انگلی کرتے ہوئے تصدیق چاہی

"جی ہاں تم۔۔۔ شرم نہیں آتی تمہاری بہنیں کام کر رہی ہیں اور تم آرام۔۔ چلو کام پر لگ جاؤ۔۔۔" نزہت نے اس کی اچھی خاصی کلاس لی۔ فرمان کی کلاس لگتی دیکھ کر مثال کو انتہا کی خوشی ہوئی۔ وہ اپنا کام شام چھوڑ کر اس کے بالکل قریب آ گئی

"بہت خوب۔۔ ایسے ہی کلاس لگنی چاہئے اس کی۔۔" آہستہ سے جویریا کے کان میں سرگوشی کی

"چل اب چلتے ہیں۔۔۔" جویریا نے بھی کھسکنے کا اچھا بہانا ڈھونڈا تھا

☆ ☆ ☆

"پھوپھو۔۔ یہ رنگ نکل گیا اس سیٹ کا تو۔۔" سونے کا ایک خوبصورت سیٹ ہاتھ میں لئے حجاب رضیہ بیگم کے کمرے میں آئی تھی۔ اس کی نظریں صرف اسی سیٹ کو دیکھ رہی تھیں۔ سیٹ دیکھنے میں واقعی بہت خوبصورت تھا۔ خالص سونے سے بنا سرخ سبز موتیوں سے سجا یہ سیٹ دیکھنے والے کے دل میں رچ بس جاتا۔ یہ کوئی عام سیٹ نہیں تھا۔ رضیہ بیگم کو اپنی امی کی طرف سے خاص تحفے میں ملا تھا۔ رضیہ بیگم نے پوری زندگی اس سیٹ کی حفاظت کی۔ ہمیشہ کسی خاص موقع پر ہی زیب تن کیا کرتی تھیں اور اب وہ اسی سیٹ کو وجیہہ کے حوالے کر رہی تھیں۔ وجیہہ نے پہلے تو ہمیشہ کی طرح ناں ناں کی مگر حجاب کیے اصرار پر ہمیشہ کی طرح مان گئی۔ وجیہہ ہمیشہ حجاب کی بات مان لیا کرتی تھی۔ رضیہ بیگم کو جب بھی کوئی بات منواتی ہوتی وہ اکثر حجاب کے ذمہ لگا دیتیں اور پھر اسے منوانا حجاب کا کام ہوتا تھا۔

"دیکھاؤ ادھر ذرا۔۔۔" رضیہ بیگم جو بیڈ پر بیٹھیں کپڑوں کے ڈیزائن کو دیکھ رہی تھیں۔ حجاب کے آنے پر کپڑوں کو سمیٹا اور حجاب سے وہ سیٹ لیا

"انمول کو کہا بھی تھا کل کہ سنار کے پاس لے جائے اس سیٹ

کو۔۔۔مگر۔۔۔۔'' انہوں نے اپنی بات کو ادھورا چھوڑ دیا

''پھپھو پھر اب۔۔۔؟'' حجاب نے مایوسی سے کہا تھا

''اب۔۔۔اب کیا کریں۔۔۔اس تنگ کے بنا تو سیٹ بالکل بیکار لگے گا۔۔'' ان کا چہرہ اتر چکا تھا۔وہ خفگی کے ساتھ اس سیٹ کو تک رہی تھیں۔

''پھپھو۔۔ایسا کرتے ہیں جو لڑکے والوں کی طرف سے آئے گا سیٹ وہ پہنا دیں گے نکاح کے وقت۔۔'' حجاب نے اپنی تجویز پیش کی تھی

''حجاب۔۔کیسی باتیں کر رہی ہو؟ وہ کیا سوچیں گے کہ ایک ہی بیٹی تھی اسی کو اچھا سا سیٹ نہ پہنا سکے'' انہوں نے تردد بھرے انداز میں نہ کر دیا۔

''تو پھر پھپھو جان؟'' اپنے بالوں کو کندھے کے پیچھے دھکیلتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی اور ساتھ رکھے کپڑوں کو دیکھنے لگی

''پھپھو۔۔۔یہ سب لڑکے والوں کے لئے ہے؟'' ہاتھ میں ریشمی کپڑا اٹھاتے ہوئے پوچھا تھا

''ہاں۔۔۔کیسے ہیں؟'' ایک پل کے لئے وہ سیٹ کے بارے میں بھول گئی تھیں

''بہت اچھے۔۔دیکھنا جو بھی دیکھے گا بس دیکھتا ہی جائے گا۔۔'' وہ باری باری اب تمام کپڑوں کو دیکھنے لگی

''لیکن پھپھو۔۔یہ کیا سب کپڑے تو بڑی عورتوں کے سے لگ رہے ہیں۔دولہا بھائی کی کیا کوئی چھوٹی بہن نہیں ہے؟'' اس نے ہر سوٹ کو ٹٹول لیا تھا مگر کوئی بھی کپڑا ایسا نہیں تھا جو کسی ینگ لڑکی کے لئے خرید ا گیا ہو۔

''اکلوتی اولاد ہے تمہارا دولہا بھائی۔۔'' رضیہ بیگم نے بڑے مان سے کہا تھا

''واہ۔۔پھپھو۔۔۔پھر تو ہماری وجیہہ آپی کو نندوں وغیرہ سے بھی چھٹکارا مل جائے گا۔۔'' حجاب کے چہرے پر ایک خوشی کی لہر دوڑی تھی

غزل

زندگی میں جہنم دیکھی ہو جس نے
موت کا انتظار کیوں نہ کرے وہ؟
ہر سُو نفرت ہی نفرت ہو جہاں
محبت کا اعتبار کیوں کرے وہ؟
عورت کو شر پھیلاتے دیکھا ہو جس نے
مرد کو بدنام کیوں کرے وہ؟
یہاں تو اپنے ہی دیتے ہیں دھوکہ
غیروں کا اعتبار کیوں کرے وہ؟
آشنا بھی گدھ کی مانند ہیں ہمارے
زخموں کو ہی نوچتے ہیں وہ
اب تو جانور بھی کرنے لگے ہیں رحم
پر انسان ہی انسان پر رحم نہ کرے تو؟
وہ جو سنتا ہے ہر ایک کی عرش پہ
اس سے حالِ دل کیوں نہ بیان کرے وہ؟

از قلم: عریشہ سہیل

"اور کیا۔۔" رضیہ بیگم نے تائید کی تھی۔دروازے کے پاس سے گزرتی وجیہہ نے دونوں کی گفتگو کا آخری حصہ سن لیا تھا

"رشتے کبھی بھی وبال جان نہیں ہوتے جوان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔۔" دونوں نے چونک کر باہر کی طرف دیکھا تو وجیہہ اندر کمرے میں قدم رکھ چکی تھی

"ارے وجیہہ آپی آپ۔۔۔ آیئے بیٹھیے۔۔" حجاب نے اٹھتے ہوئے وجیہہ کو بیٹھنے کی جگہ دی

"حجاب مجھے تم سے تو یہ امید نہیں تھی۔۔" اسے برا لگا تھا تو صرف حجاب کی باتوں کا کیونکہ وہ بھی ایسا سوچتی ہے۔

"ارے بھئی۔۔ اس نے غلط کیا کہا صحیح تو کہا ہے اس نے۔۔نہ ہی نندیں ہونگی اور نہ ہی روزروز کے جھگڑے۔۔" رضیہ بیگم نے بات کو سنبھالتے ہوئے کہا

"لیکن امی۔۔۔" اس نے کچھ کہنے کے لئے ابھی لب ہی کھولے تھے دروازے سے علی عظمت داخل ہوئے

"ارے بھئی۔۔ ابھی تک تیار نہیں ہوئے۔۔لڑکے والوں کا فون آیا ہے وہ بس ایک گھنٹے تک پہنچ جائیں گے۔۔" انہوں نے آتے ہی بے فکر بیٹھی خواتین کے چہروں سے سکون چھین لیا

"کیا پھوپھاجی۔۔۔صرف ایک گھنٹہ۔۔" حجاب کو جیسے جھٹکا سا لگا تھا

"ابھی تو کوئی تیار بھی نہیں ہوا اور ابھی سے۔۔۔" رضیہ بیگم نے کپڑوں کو سمیٹتے ہوئے کہا تھا۔

"جی ہاں۔۔۔اب جلدی سے یہ چیزیں سمیٹیں اور تیار ہو جائیں" علی عظمت وارڈروب کی طرف بڑھے تھے

"اور ہاں علی عظمت۔۔۔" کپڑوں کو سمیٹتے ہوئے ان کا ہاتھ سیٹ سے لگا تو انہیں یاد آیا

"جی کہیے۔۔" وہ پلٹے تھے

"اس سیٹ کو تو تنگ اترا ہوا ہے کل انمول کو کہا بھی تھا لیکن لگتا ہے بھول گیا۔۔اب نکاح میں کیا پہنے گی وجیہہ؟" انہوں نے سیٹ کو آگے کی طرف کیا

"امی کچھ نہیں ہوتا۔۔ سیٹ پہننا ضروری تو نہیں ہے۔۔" وجیہہ نے مسئلے کا حل بتایا تھا

"حجاب۔۔ تم تو اسے لے جا کر تیار کرو۔۔ورنہ یہی بیٹھی ہر شے کو رد کرتی جائے گی یہ۔۔"

"جی پھپھو۔۔" حجاب نے بھی فوراً حکم کی تکمیل کی اور وجیہہ کو لے کر باہر آ گئی

"اب تم بھی امی کی طرح بنتی جا رہی ہو۔۔۔" کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا تھا

"جی ہاں۔۔ آخر پھپھو نے مجھے آپ کی ذمہ داری تو دی ہے۔۔دیکھنا آپ کو ایسا تیار کروں گی کہ دولہا بھائی تو دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔" حجاب نے وجیہہ کو کمرے میں لے جا کر بیڈ پر بٹھایا اور پھر وارڈراب سے ایک نہایت حسین لہنگا نکالا۔کاسنی رنگ پر چمکتے سفید موتی اور پھر کہیں کہیں سنہری بیل بوٹے، اس لباس کو دلفریب بنا رہے تھے۔

"کتنی اچھی لگو گی ناں آپ اس میں۔۔۔" دوپٹہ اس کے سر پر

اوڑھاتے ہوئے حجاب نے کہا تھا

"لیکن۔۔۔" اس نے منہ بسوڑتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔ آپ بس خاموش ہو جائیں اور سارا کام مجھ پر چھوڑ دیں۔۔۔" وجیہہ کو کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور پھر واش روم میں لہنگا تھما کر بھیج دیا

ہر طرف خوشیوں کا سماں تھا۔ کاسنی رنگ کے لہنگے میں وہ بہت ہی پر کشش لگ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی وجیہہ ہے جو سادگی پسند تھی۔ جس نے آج تک کبھی میک نہیں کیا۔ کبھی کاجل استعمال نہیں کیا۔ کبھی بالوں پر وہ سٹائل نہیں بنایا جو اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیتے۔ مگر آج اس نے سب کچھ کیا تھا۔ حجاب نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے تیار کرتی رہی۔ بھنویں کو دھاگے سے اچھی طرح باریک کیا۔ ہلکے سے فیس پاؤڈر سے ہی اس کا چہرہ نکھر گیا زیادہ میک اپ کی تو ضرورت ہی نہیں تھی۔ جن لوگوں کا دل صاف ہوتا ہے انہیں خوبصورت آنے میں زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑتی۔ معمولی سا تبدل ان کے حسن کو نکھار دیتا ہے۔ وجیہہ کے حسین لگنے کا یہی راز تھا۔ پنوں کے ذریعے بالوں کا جوڑا اس طرح بنایا جیسے کوئی فلموں ڈراموں کی ہیروئن بناتی ہو۔

"لڑکے والے آ گئے جلدی کرو۔۔" کسی نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا تھا

"جی بس ہم آتے ہیں۔۔" لپ لائینر لگاتے ہوئے وہ بولی تھی۔

"لیکن تم تو تیار ہو جاؤ۔۔۔" وجیہہ اسے بار بار کہتی جا رہی تھی مگر وہ اس کی ایک نہیں سن رہی تھی۔

"مجھے تیار ہونے میں کونسی دیر لگنی ہے۔۔۔ صرف منہ ہاتھ دھونا۔۔ کپڑے چینج کرنے۔۔ اور ہلکا سا میک کرنا تیار ہو جانا۔۔ اصل کام ہوتا ہے دلہن کا تیار ہونا۔۔" صرف پندرہ منٹ بعد دونوں تیار ہو کر کمرے سے باہر آ رہی تھیں۔ مہمانوں کی آمدورفت پہلے ہی بہت زیادہ تھی۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے چار لڑکیاں وجیہہ کے اوپر سر سبز دوپٹے کی چھاؤں کیے ہوئے تھی۔ چہرے پر ہلکا سا گھونگٹ تھا۔ جس کو حجاب بار بار سیٹ کر رہی تھی۔ سیڑھیوں کے عین سامنے صوفے پر اس کا ہونے والا مجازی خدا بیٹھا تھا مگر اس کی نظریں صرف اپنے پاؤں پر تھیں۔ اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ آنکھیں اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھ ہی لے۔

"آپ کا ہونے والا شوہر تو بہت ہی خوبصورت ہے۔۔۔" حجاب نے آہستہ سے سرگوشی کی تھی۔

"آ گئی دلہن۔۔۔" سب کی نظریں سیڑھیوں پر مرکوز ہو گئیں۔ اسے ایسا لگنے لگا جیسے وہ کوئی تماشا ہو جو سب اسے گھور رہے ہیں۔ رضیہ بیگم اٹھ کر اس کے پاس آئیں۔۔ اور دائیں طرف سے اس کے بازو کو آہستہ سے پکڑا

"ماشاءاللہ کتنی حسین لگ رہی ہے۔۔۔ اللہ نظر نہ لگائے میری بیٹی کو۔۔" پیار میں اس کی ساری بلائیں لیں۔ اور پھر اس کو اس کے ہونے والے ساجن کے ساتھ بٹھا دیا

گیا۔ زندگی میں پہلی بار وہ کسی اجنبی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کے جسم میں کرنٹ دوڑا تھا۔ مگر وہ خاموش تھی کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔

"بھلا لوگ کیوں ایک نامحرم کو لڑکی کے بازو میں بٹھا دیتے ہیں اور بٹھاتے بھی ہیں تو اتنے پاس کہ اُس نامحرم کا جسم اس کے ساتھ مس کر رہا ہوتا ہے۔ مانا کہ وہ اس کا ہونے والا شوہر ہوتا ہے مگر بنا تو نہیں ہوتا ناں۔۔ کیوں لوگ اسلام کو بھولتے جا رہے ہیں۔۔" اس کا دل بس کڑھ کر رہ گیا۔ اس کے پاس صرف دو راستے تھے ایک یہ کہ وہ یہاں سے اٹھ جائے مگر وہ آج ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ دوسرا راستہ یہ کہ جلد سے جلد اس کا نکاح پڑھا دیا جائے تا کہ پاس بیٹھا شخص نامحرم نہ رہے۔ اس کی حدت کو محسوس کرتے ہوئے اسے گناہ کا تصور نہ ہو۔ مگر سب اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں مگر اسے خاموش رہنا تھا۔ وہ اپنی انگلیاں بھینچتی جا رہی تھی۔ دوپٹے کا پلو اپنے ہاتھوں کی انگلی میں لپیٹے جا رہی تھی۔ شاید اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے اس کے ہونے والے ساجن نے اس کی نروس کا اندازہ لگا لیا تھا تبھی اپنا مضبوط ٹھوس ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔ ایک کرنٹ اس کے جسم میں سرایت کر گیا۔ اس نے ایک سیکنڈ سے پہلے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے نکالا۔ اس کی سانسیں گہری ہو گئیں۔ آج پہلی بار کسی اجنبی نے اپنا ہاتھ اس کے جسم کو مس کیا تھا۔ آج پہلی بار کسی نامحرم کی لمس کا احساس اس کے جسم میں سرایت کیا تھا۔ مگر وہ خاموش تھی۔ آنکھیں ابھر آئیں اور پھر اسے رسم کو بنانے والے کو کوسنے لگی جس نے دولہن نکاح سے پہلے دولہا کے پاس بٹھانے کو لازمی قرار دیا۔ اُس نے بھی آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ پیچھے سرکا لیا۔

"نکاح کا وقت ہو گیا ہے۔۔" یہ رضیہ بیگم کی آواز تھی۔ یہ سن کر اسے کچھ سکون ملا۔ اب زیادہ دیر تک اس کے ساتھ بیٹھنے والا نامحرم نہیں رہے گا۔

"نکاح خواں کہاں ہیں؟" کسی کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ سب ایک دوسرے سے پوچھنے لگے مگر کسی کو کوئی علم نہ تھا۔ شادی کی رسموں کو فرض سمجھ کر کرنے والے نکاح خواں کو وقت دینا بھول گئے تھے۔ اس کے دل میں ایک ملال نے جنم لیا تھا۔

"شادی کی فضول رسومات کو تو ایسے ادا کرتے ہیں جیسے اسلام کی طرف سے فرض کی گئی ہوں اور جو فرض ہے اس کو پس پشت ڈال دیتے ہیں" اس کے ذہن میں وہ خیال آیا جو اس نے کسی سے سنا تھا کہ ایک ماڈرن فیملی نے اپنا سب کچھ فضول رسومات میں خرچ کر دیا۔ ایک چھوٹی سی چھوٹی رسم بھی فرض عین سمجھ کر ادا کی گئی مگر انہی رسموں میں الجھ کر وہ نکاح ہی کرنا بھول گئے اور لڑکی کو بنا نکاح کے ہی سسرال لے آئے۔

"میں ابھی لاتا ہوں۔۔۔ نکاح خواں کو۔۔" یہ انمول کی آواز تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے مسجد گیا اور ایمرجنسی میں نکاح خواں کو لے آیا۔ خدا نے بھی ساتھ دیا۔ مولوی صاحب ابھی

مسجد میں ہی تھے۔ انسول کے کہنے پر چلنے کو تیار ہو گئے۔
"وجیہہ عظمت آپ کا نکاح بعوض دس لاکھ روپے حق مہر ضرغام عباسی ولد سجاد عباسی سے کیا جاتا ہے۔ کیا آپ کو منظور ہے؟" ایک لڑکی کے لئے یہ جملے بہت بھاری ثابت ہوتے ہوتے ہیں۔ چاہے وہ کتنی ہی باہمت کیوں نہ ہو ایک بار اس کے وجود میں جنبش ضرور آتی ہے۔ کہنے کو تو صرف یہ نکاح ہوتا ہے لیکن اس نکاح کے پیچھے جو جو حقائق چھپے ہوتے ہیں آج کی نسل اگر سمجھ لے تو کیا ہی بات ہے۔۔!! وہ یہ حقائق جانتی تھی اسی لئے ایک لمحے کے لئے سکتے میں چلی گئی۔ ہلکی سی گردن میں جنبش ہوئی۔ جسے ہاں سمجھ لیا گیا۔ دوسری بار پھر وہی جملے دہرائے گئے۔ ایک بار پھر اس کے وجود میں جنبش ہوئی کہ آج کے بعد اس کا وجود اس کا نہیں رہے گا۔ اس کی ذات پر اب کسی اور کا حق ہو گا۔ اب وہ فرض کام کے علاوہ کوئی بھی نفل اپنی مرضی سے نہ کر پائے گی۔ ہر کام میں اسے اپنے شوہر کی مرضی درکار ہو گی۔ اس کی اطاعت ضروری ہو گی۔ اس کو راضی رکھنا ضروری ہو گا۔ اس کے حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہو گا۔
تیسری بار پھر وہی جملے دہرے گئے۔ اب کی بار اس ذہن میں مختلف خیال امڈ آئے۔ اس کے پورے وجود پر ایک لرزہ طاری ہو گیا۔ ان ذمہ داریوں کا لرزہ جو ایک بیوی کی حیثیت سے اس نے قبول کر لی تھی۔ کہ آئندہ کبھی اپنے ہاتھ پاؤں پر بہتان نہ باندھ لائے گی۔ کبھی وہ کام نہ کرے گی جو اس کے شوہر کو برا لگے۔ کبھی اس کی نافرمانی نہ کرے گی۔ کبھی اسکی امانت میں خیانت نہ کرے گی۔ اس کی رعیت کی حفاظت کرے گی کیونکہ اب یہی اس کے لئے جنت میں داخلے کا مقام ہے اور یہی دوزخ میں جانے کا راستہ۔ اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔ دماغ یہی سوچ رہا تھا کہ جن ذمہ داریوں کا وعدہ اس کے صرف لفظ "قبول ہے" کی اوٹ میں کیا ہے۔ کیا وہ اسے نبھا پائے گی۔ لفظ قبول ہے کا مطلب صرف یہی نہیں تھا کہ وہ اس کی بیوی بنے گی یا نہیں۔ اس کا مفہوم بہت وسیع تھا۔ لفظ قبول ہے کی اوٹ میں اس نے جو وعدہ کیا تھا اپنی آخری سانس تک اس وعدے کو نبھانا تھا۔ حالات چاہے جیسے بھی ہوں اسے اپنے وعدے کی لاج رکھنی تھی۔
اب وہی الفاظ معمولی ردوبدل کے ساتھ ضرغام سے پوچھے گئے۔ اس نے فوراً قبول ہے کہہ دیا۔ وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔ گھونگٹ کی اوٹ سے اس چہرے کو دیکھنے کی کوشش کی، جو اب اجنبی نہ رہا تھا۔ قدرت نے اسے اس کا ہمسفر بنا دیا تھا۔ صرف دو لفظوں کے اقرار نے اسے نامحرم سے محرم بنا دیا تھا۔ لیکن اس کے وجود پر لرزہ طاری کیوں نہ ہوا؟ اس کا روم روم ان ذمہ داریوں کو دیکھ کر کیوں نہیں کانپا؟ کیا وہ قبول ہے کا مطلب نہیں جانتا تھا؟ کیا وہ سمجھتا تھا کہ قبول ہے کا مطلب صرف ایک نامحرم لڑکی کو محرم بنانا ہوتا ہے؟ نہیں۔۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ جس طرح قبول ہے لفظ بیوی کے لئے پہاڑ ثابت ہوتا ہے ویسے ہی مرد کے لئے بھی ہوتا ہے مگر کوئی سمجھنے والا ہو۔۔۔ اس نے تو بڑی آسانی اور روانی سے کہہ دیا

"قبول ہے۔۔" مگر کیا وہ جانتا تھا کہ ان لفظوں کی اوٹ میں وہ کون کون سے وعدے کر رہا ہے؟ نہیں وہ نہیں جانتا تھا اگر جانتا ہوتا تو یہ الفاظ کہنے سے پہلے وہ ایک بار لازمی سوچتا اور جب یہ الفاظ اپنی زبان سے جاری کرتا تو ذمہ داریوں کا پہاڑ وہ لازمی محسوس کرتا لیکن اس نے ایسا کچھ محسوس نہیں کیا۔ وہ پر سکون تھا۔ چہرے پر ایک طمانت تھی۔ کیوں؟ وہ سوچ رہی تھی۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ اس نے اس لفظ کی اوٹ میں یہ وعدہ کیا ہے کہ آخری سانس تک اپنی بیوی کی حفاظت کرے گا۔ اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری وہ بخوشی اٹھائے گا۔ اسے ہر وہ محبت دینے کی کوشش کرے گا جس پر اس کا حق ہے۔ جیسے وہ یہ توقع کرتا ہے کہ اس کی بیوی اس کی پیٹھ پیچھے اِس کی امانت میں خیانت نہ کرے، وہ بھی ہر ممکن اپنی بیوی کی امانت کی حفاظت کرے گا۔ مگر اس نے ایسا کچھ بھی محسوس نہیں کیا۔ نہ ہی لرزہ طاری ہوا نہ ہی اس کا سانس رکا۔ کیا آج کل لفظ قبول کا مطلب صرف میاں بیوی بننے کی حد تک رہ گیا ہے؟

"مبارک ہو۔۔" رضیہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا مگر وہ نے اب ابھی کن انکھیوں سے ضرغام کے سائیڈ فیس کو دیکھ رہی تھی۔ پورا چہرہ تو گھونگٹ کے اندر سے دیکھنا محال تھا

"سدا خوش رہو۔۔۔" علی عظمت نے بھی آکر دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"مبارک ہو آپی۔۔" حجاب نے آکر ایسا جھنجوڑا کہ وہ اپنے خیالوں سے باہر نکل آئی۔ ماتھے سے ہلکا سا گھونگٹ سرک گیا مگر حجاب نے خود ہی ٹھیک کر دیا۔ ہر کوئی ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہا تھا جویریا اور مثال تو اپنی بھابھی کو دیکھنے کے لئے اتاولی ہو رہی تھیں۔

"میں بھابھی کے ساتھ کار میں جاؤں گی۔۔" جویریا نے مثال کے کان میں سرگوشی کی تھی

"جی نہیں۔۔ بھابھی کے ساتھ تو میں ہی جاؤنگی۔۔" منہ چڑھا کر اس کی بات کا جواب دیا

"تم دونوں باتیں کرتی رہنا۔۔۔ بھابھی کے ساتھ کہیں میں ہی نہ چلا جاؤں۔۔" ایک بار پھر فرحان نے دونوں کے پلان پر پانی پھیر دیا۔ اور شیروانی کے فرضی کالر کھڑے کرتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا

"فرحان کے بچے۔۔" اتنے ہجوم میں وہ صرف زیرلب ہی اسے برا بھلا کہہ سکی۔

"ابھی تو میں خود بچہ ہوں۔۔۔ اس لئے بچے کو تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔" جھٹ جواب دیتے ہی وہاں سے کھسکنے میں ہی آفیت جانی

☆ ☆ ☆

رخصتی کا وقت ہوا تو سب کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ بیٹیاں تو ویسے ہی گھر کی جان ہوتی ہیں اور اگر بیٹی وجیہہ جیسی ہو تو گھر کی جان کے ساتھ ساتھ گھر کا مان بھی ہوتی ہیں۔ ضرغام کے ساتھ وہ کھڑی تھی۔ انمول اس کے سر پر قرآن کا سایہ کیا ہوئے تھا۔ حجاب نے دنوں ہاتھوں سے

وجیہہ کے لہنگے کو سمیٹ رکھا تھا۔ رضیہ بیگم کی تو جیسے سانسیں ہی گلے میں اٹک کر رہ گئی تھیں۔ قدم ساتھ ہی نہیں دے رہے تھے۔ سب آگے بڑھ گئے مگر وہ سب سے پیچھے صوفے کے سہارے ٹیک لگائے کھڑی تھیں۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وجیہہ کا معصوم چہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ جس کو اپنے ہاتھوں سے چلنا سکھایا۔ اپنی گود میں جس کو کھلایا، آج وہ اتنی بڑی ہو گئی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کو چھوڑ کر جا رہی ہے۔ رضیہ بیگم کو دروازے پر نہ پا کر شگفتہ بی بی پلٹی تھیں

''دیکھیں! میں آپ کو دکھ سمجھ سکتی ہوں لیکن آپ کو خوش ہونا چاہئے کہ آپ کی بیٹی آج پورے مان سمان کے ساتھ اپنے گھر کی ہو رہی ہے۔'' شگفتہ بی بی نے انہیں حوصلہ دیا تھا

''آنکھوں سے اشک نہ بہیں تو کیا بہیں۔۔۔ جس بیٹی کو اتنے سال اپنے گھر کے آنگن کا پھول بنائے رکھا آج وہی پھول توڑ کر کسی اور کے آنگن کا حصہ بنانے جا رہی ہوں۔۔ اور وہ بھی۔۔۔ اپنے ان ہاتھوں سے۔۔'' ان کا لہجہ گلوگیر تھا

''یہ تو دنیا کی ریت ہے رضیہ بہن۔۔۔ بیٹیوں کو چاہے کتنا ہی نازوں سے پال لیا جائے، چاہے کتنا ہی دنیا کی نظر سے بچا کر رکھ لیا جائے ایک نہ ایک دن تو اسے جانا ہی ہوتا ہے۔ لیکن آپ کو تو خوش ہونا چاہئے آپ کی وجیہہ پورے مان سمان اور عزت سے اپنے گھر کی ہو رہی ہے۔ ایک باعزت طریقے سے اپنے گھر ہستی کی بنیاد رکھنے جا رہی ہے۔'' ان کے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے کہا

''آپ وعدہ کریں۔۔ ہمیشہ میری بیٹی کا خیال رکھیں گی۔۔ اس پر کبھی کوئی آنچ نہیں آنے دیں گی''

''وجیہہ اب صرف آپ کی ہی بیٹی نہیں رہی میری بھی بیٹی ہے۔ اس کا خیال رکھنا اب میری ذمہ داری ہے۔ آپ بے فکر رہیں میں ضرغام سے بھی زیادہ اپنی بیٹی کا خیال رکھوں گی۔۔'' شگفتہ بی بی کے الفاظ سن کر رضیہ بیگم کو کچھ حوصلہ ملا۔ سب باہر کھڑے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ آنکھوں میں موجود آنسوؤں کو پلکوں کی اوٹ میں چھپانے کی کوشش کی مگر آنسو تو آویزاں ہو کر ہی جان چھوڑتے ہیں ورنہ آنکھوں میں سوئی کی طرح چبھتے رہتے ہیں۔ انمول کی آنکھیں بھی بھیگی بھگی تھیں۔ باہر سے وہ چاہے کتنا ہی کٹھور بننے کی کوشش کرتا تھا، کتنا ہی وجیہہ کو تکلیف پہنچاتا تھا مگر تھا تو وہ وجیہہ کا بھائی ہی۔۔۔ یہ بھائی ہی تو ہوتے ہیں جو دنیا کے سامنے اپنی بہنوں سے لڑتے ہیں مگر تنہائی میں جا کر آنسو بہاتے ہیں مگر اس کی آنکھیں تو ہجوم میں ہی نم تھیں۔ دائیں ہاتھ سے قرآن کا سایہ کرتے ہوئے وہ بائیں ہاتھ کی انگلی سے پلکوں پر چمکتے آنسوؤں کو پونچھ رہا تھا۔ علی عظمت بھی اس کو سینے سے لگا کر آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکے۔ حجاب بھی ان کا دامن پکڑے آنسو بہا رہی تھی۔ رضیہ بیگم تو اس کو سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وجیہہ کی بھی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ اس نے آخری بار سب کے چہروں پر نگاہ دوڑائی تھی۔ ایک بیٹی کی حیثیت سے کیونکہ آج کے بعد جب وہ اس گھر میں قدم رکھے گی تو وہ ایک بیٹی نہیں ہو گی۔ ایک بہو ہو گی

،ایک بیوی ہو گی۔ ضرغام نے آہستہ سے وجیہہ کا ہاتھ تھاما۔ ناجانے کیوں اس بار اسے کوئی جھٹکا نہیں لگا نہ ہی کوئی اجنبیت محسوس ہوئی اور نہ ہی اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے اس کو اپنی طرف بلا رہا تھا۔ اپنی دنیا کی طرف۔۔۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ ایک ہاتھ سے اپنا لہنگا سمیٹ کر وہ کار کی طرف بڑھنے لگی۔ کار کے پاس پہنچ کر ضرغام نے وجیہہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ بیٹھ گیا، شگفتہ بی بی نے اس کو پیچھے بٹھا دیا۔ خود اس کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ حجاب، انمول، رضیہ بیگم اور علی عظمت کھڑے اس کار کو جاتا دیکھ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

پورا گھر سنسان تھا۔ مگر سجاوٹ میں اب بھی ویسے ہی تھی۔ ٹی وی لاؤنج میں ہر طرف اندھیرا تھا۔ ہر شے تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گھر آئے مہمان اب لوٹ چکے تھے۔ جویریا مثال اور فرہان بھی اب اپنے والدین کے ساتھ واپس جا چکے تھے۔ نزہت بھی اب واپس جا چکی تھی۔ صرف گھر میں شگفتی بی بی، ضرغام اور وجیہہ تھی۔ وجیہہ اپنے کمرے میں بیٹھی ضرغام کے انتظار میں تھی۔ ضرغام پانی پینے کچن میں آیا تھا۔ پانی پینے کے بعد وہ کمرے میں جانے کے لئے بڑھا تو شگفتہ بی بی نے اسے آواز دی

”جی امی۔۔“ وہ پلٹا تھا۔ چہرے پر ہلکی سی طمانیت تھی

”تمہارا شکریہ۔۔۔!! میرا مان رکھنے کے لئے۔ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے۔۔“ انہوں نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔ ساتھ ہی انہوں نے ایک فائل ضرغام کی طرف بڑھا دی

”تم نے اپنا وعدہ پورا اب میری باری ہے اپنا وعدہ پورا کرنے کی۔۔۔ یہ لو۔۔ یہ پیپرز ہیں۔۔“ فائل کو ہاتھ میں تھامتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک عجیب سی ہنسی تھی

”مجھے یقین تھا کہ آپ اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گی۔۔“ ایک شاطرانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے وہ فائل تھامی تھی۔

”مجھے یقین ہے تم میرے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤ گے۔۔“ انہوں نے اس کے شانوں کو آہستہ سے تھپتھپایا تھا

”آپ بے فکر رہیں۔۔۔“ ضرغام کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ایک ثانیے کے لئے شگفتہ بی بی نے اس کے چہرے کو دیکھا اور پھر اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔ وہ کچھ دیر ان کو جاتا دیکھتا رہا اور فائل کو دیکھ کر کچھ سوچنے لگا

☆ ☆ ☆

ہلکی ہلکی خوشبو پورا کمرہ مہک رہا تھا۔ وہ کاسنی رنگ کے لہنگے میں لال گلابوں کے درمیان بیٹھی تھی۔ پورا بیڈ اس کے لہنگے سے سجا ہوا تھا۔ نیلی مدہم روشنی سے جگمگاتے اس کمرے میں وہ ضرغام کا انتظار کر رہی تھی۔ آنکھوں میں حیا کا دامن سمیٹے ،انگلیوں کو آپس میں دباتے ہوئے وہ ایک لامکاں سوچ کی دنیا میں مکمل طور پر کھو چکی تھی۔ دروازے کی چرچراہٹ سے جیسے اس کے دل پر کسی نے لکیر کھینچی ہو۔ ایک بار دل نے کہا کہ گھونگٹ اٹھا کر اسے دیکھ لے مگر ہمت نہ

ہوئی۔ کمرے میں داخل ہونے والے نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد دروازے کی چٹخنی اوپر کی اور پھر کچھ دیر وہیں کھڑے رہنے کے بعد آگے کی سمت اختیار کی۔ وجیہہ کے دل کی دھڑکن تو جیسے ہر گھڑی تیز ہی ہوتی جا رہی تھی۔ ضرغام پہلے تو بیڈ کی پائی کے پاس آکر کچھ دیر کھڑا رہا مگر پھر وارڈروب کی طرف بڑھا اور اس کا دروازہ کھول کر ہاتھ میں موجود فائل کو کپڑوں تلے دبا دیا۔ اور پھر وارڈروب بند کر کے واپس بیڈ کی طرف پلٹا۔ بیڈ کو گلاب کی لڑیوں نے گھیرے ہوئے تھا۔ اس نے لڑیوں کو ہاتھ سے سمیٹا اور بیڈ پر نیم دراز ہو کر بیٹھا۔ اس کا ایک پاؤں بیڈ پر تھا دوسرا زمین پر۔ وجیہہ اب بھی گھونگٹ میں منہ چھپائے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ کچھ دیر وہ اسے دیکھ کر سوچتا رہا۔ شاید الفاظ ڈھونڈ رہا تھا۔

''شادی کی رات ہر شوہر اپنی بیوی کو کچھ نہ کچھ منہ دکھائی میں ضرور دیتا ہے۔ لیکن میں نے تمہارے لئے کچھ نہیں خریدا۔۔'' اس طویل عرصے تک چھائی ہوئی خاموشی کو آخر اس نے توڑا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔ دنیاوی چیزوں کی مجھے غرض بھی نہیں۔۔۔'' الفاظ کو مجتمع کر کے اس نے کہا تھا

''بہت خوب۔۔۔ لیکن میں تمہیں پھر بھی کچھ دینا چاہتا ہوں۔ کچھ ایسا جو شاید ہی کوئی شوہر اپنی بیوی کو پہلی رات میں دیتا ہو۔۔'' وہ بائیں ہاتھ پر اپنا سر ٹکائے یک ٹک اس کے گھونگٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ کی طرف سے دی گئی ہر شے میرے لئے متاع جان ہو گی'' اس نے پر خلوص لہجے میں کہا تھا

''واہ۔۔ کیا ڈائیلاگز ہیں؟'' طنزیہ کہتے ہوئے اس نے وجیہہ کا گھونگٹ اپنے بائیں ہاتھ سے لاپرواہی سے کھینچا۔

''آہ۔۔'' گھونگٹ کے ساتھ لگی پنیں اس کے بالوں میں الجھ کر رہ گئیں۔ اس کے بال جو حجاب نے آدھ گھنٹے میں سیٹ کئے تھے۔ ضرغام نے خراب کرنے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگایا۔ اس کی گردن میں ایک جھٹکا آیا مگر لب پر مہر خاموشی رہی۔ پلٹ کر اس نے ضرغام کے چہرے کی طرف دیکھا۔ روشنی اب بھی مدھم تھی۔ سفید رنگت بھی کسی قدرے ماند پڑ رہا تھا مگر اس کی ڈارک براؤن شیروانی اب بھی اپنے جوبن پر تھی۔ اِس نے پہلی بار اس کے چہرے کو غور سے دیکھا تھا۔ کسی اجنبی مرد کو اتنے پاس سے دیکھا تھا مگر اب یہ اجنبی نہیں رہا تھا۔ پوری زندگی کا ساتھ بن چکا تھا۔ سائے کی طرح اس کے وجود کا حصہ بن چکا تھا۔ وہ اس کے چہرے کو اپنے من میں اتار رہی تھی۔ آنکھوں کے آگے آئی بالوں کی لٹوں کو اپنے بائیں ہاتھ سے کان کے پیچھے اڑیسا۔ ضرغام ابھی بھی استہزائیہ انداز میں اس کا دوپٹہ اپنے بائیں ہاتھ میں لپیٹ رہا تھا۔ وہ ضرغام کی اس حرکت سے بے خبر اس کے روشن چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جو مدھم روشنی میں بھی بدر کی طرح چمک رہا تھا۔ آنکھوں کی شرارت اس سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ بھنوؤں کی شوخیوں کو وہ اچھی طرح سمجھ سکتی تھی۔ گلابی لبوں پر چھائی طنزیہ مسکراہٹ اس کے

نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔وہ تو بس اس کے کلین شیو حصے کو دیکھ کر یہ گمان کر رہی تھی کہ اگر یہ چہرہ کلین شیو میں اتنا حسین ہے تو جب حضور ﷺ کی سنت کو اپنے چہرے پر سجالے تو کتنا خوبصورت لگے گا۔

"اس سے پہلے تم ایکٹرس تو نہیں تھی؟جو اتنے اچھے ڈائیلاگز بولتی ہو؟یا پھر میرے شو سے اتنا متاثر ہو گئی ہو کہ جملوں کے تانے بانے خود بخود بنتی جا رہی ہو۔۔۔"نچلے ہونٹ کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے اس نے وجیہہ پر ایک نظر دوڑائی تھی

"کیا مطلب ہے آپ کا۔۔"ضرغام کا ایک ایک جملہ اس کے لئے نیا تھا۔ایکٹرس اور شو۔۔ان دو لفظوں نے تو جیسے اس کی روح میں چھید کر دیا۔وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔کئی شبہات اس کے دل میں جنم لینے لگے۔اِس نے ہمیشہ ہی گمان کیا تھا کہ شگفتہ بی بی کا بیٹا بھی انہی کے جیسا دین دار ہو گا مگر حقیقت تو کچھ اور ہی تھی۔ایک کے بعد ایک سچائی سامنے آ رہی تھی

"بھولی نظر آتی ہو یا پھر بننے کی کوشش کر رہی ہو۔۔"طنز کا اگلا تیر چلاتے ہوئے اس نے ایک جمپ لگایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔وجیہہ کے جسم میں ایک جنبش بھی نہ آئی۔وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ایک جھٹکے سے اس کے گریبان کا ایک بٹن کھل گیا تھا۔

"ویسے شادی کی رات کا گفٹ تم جانتی ہو میں کیا دینے والا ہوں؟"اس نے بچوں کی طرح ایسے سوال کیا تھا جیسے وہ اس کے گفٹ کا بے صبری سے انتظار کر رہی ہو لیکن اسے تو کوئی غرض ہی نہیں تھی۔وہ اس کی آنکھوں کو صاف صاف پڑھ سکتی تھی جس میں ایک عجیب سی کشش تھی۔وہ کشش محبت کی تھی نہ ہی شادی کی۔اس کشش کی وجہ تو کچھ اور ہی تھی۔

"پوچھو تو سہی۔۔"ترچھی گردن کئے وہ بس اس کے ہلتے لبوں کو دیکھتی جا رہی تھی۔

"چلو میں ہی بتا دیتا ہوں۔۔تمہارا گفٹ یہ ہے کہ۔۔"وہ آہستہ آہستہ وجیہہ کے قریب گیا۔گھٹنوں کے بل تو وہ پہلے ہی بیڈ پر بیٹھا تھا۔بس اپنے ہاتھوں کو آگے بیڈ کی بائی کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ ذرا ترچھا سا ہوا تھا۔وجیہہ ابھی بھی ایک شاک میں تھی۔اسے احساس تک نہ ہوا کہ کب ضرغام اس کے اتنے قریب آ گیا کہ اُس کی سانسوں کی گرمی اس کے لبوں سے ٹکرانے لگی تھی۔وہ یکدم پیچھے ہٹی تو اس کا سر پیچھے ٹیک سے جا لگا۔ادھ کھلے بال اس کی کمر تک جا رہے تھے۔ضرغام قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔اپنی ٹانگوں کو حرکت دیئے بغیر وہ بس اپنا سینہ اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔اپنے ہاتھوں کو وجیہہ نے مضبوطی سے بند کر لیا۔

آنکھوں کو ایک لمحے کے لئے موند لیا۔سانسوں کو ایک ثانیے کے لئے تھامنے کی کوشش کی۔دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ضرغام اس کے اتنا قریب آ چکا تھا کہ دونوں کی سانسیں آپس میں گھل مل گئی تھیں۔

"گفٹ یہ ہے کہ۔۔۔"نرم گرم لہجے میں یہ ہلکے سے الفاظ اس وقت وجیہہ کو بہت بھاری لگ رہے تھے۔وہ جانتی تھی کہ کچھ تو ضرور ہے جو اب کھلنے جا رہا تھا۔کوئی ایسی بات جو

شاید نہیں کھلنی چاہئے تھی

"تم بھاڑ میں جاؤ میری طرف سے۔۔۔" اپنے لبوں کو اس کے کان کے قریب جا کر آہستہ سے سرگوشی کی اور پھر ایک زوردار قہقہ لگاتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔ وجیہہ کے پیروں تلے سے جیسے زمین ہی نکل گئی۔ یہ لفظ نہیں پہاڑ تھے جو کسی نے اس کے سر پر لا کھڑے کئے تھے۔ وزن اتنا تھا کہ وہ دبتی جارہی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں کو پیچھے کرتے ہوئے قہقہے مار مار کر ہنس رہا تھا۔ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ سے بالوں کی لٹ کو جواب بالکل بے جان سے محسوس ہو رہی تھی ، پیچھے کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کتنی بے وقوف ہو تم۔۔۔ تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ تم میری۔۔ ضرغام عباسی کی بیوی بن سکتی ہو۔۔" وہ ہاتھ جھاڑتا ہوا بیڈ سے کھڑا ہو چکا تھا۔ گلاب کی لڑیوں سے باہر اس کا چہرہ دھندلا سا گیا تھا۔ شاید ان آنسوؤں کی وجہ سے جو کسی بھی لمحے بہہ سکتے تھے۔

"میں ضرغام عباسی ہوں ضرغام عباسی۔۔۔ اور ضرغام عباسی کبھی تم جیسی کالی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔۔۔"

ایک بار پھر اس کا رنگ اس کا طعنہ بن گیا۔ لیکن اس طعنے کی کاٹ بہت گہری تھی۔ پہلے تو صرف انمول اس کے رنگ کر برا بھلا کہتا تھا لیکن اب اس کے سانولے رنگ کو برا کہنے والا کوئی اور نہیں اس کا شوہر تھا۔ اگر انمول ہوتا تو وہ اسے یہ طعنہ دیتا تو شاید اسے اتنا برا نہ لگتا مگر ضرغام کے منہ سے یہ طعنہ سن کر اس کا دل ٹوٹ گیا۔ پل پل کی خوشی دینے کا پیار

ثابت ہوئی

"اور پھر اوپر سے تم پسند بھی میری امی کی ہو۔۔۔ ظاہر ہے انہی کی جیسی نمازی پرہیزی۔۔ اللہ اللہ کرنے والی۔۔ نصیحتوں کی دکان۔۔۔" ایک ایک لفظ اس کے دل کو چاک کر رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسو تو جیسے تیرتے جا رہے تھے۔ اس نے مضبوطی سے اپنی انگلیاں بھینچ لیں۔

"ضرغام۔۔۔" اس کی آواز میں خفگی کم آس زیادہ تھی

"کچھ پھل دینا" گاہک نے اس سے کہا

اس نے پھل شاپر میں ڈالتے ہوئے دیکھا کے گاہک موبائل پر مصروف ہے تو نظر بچا کر چند گلے سڑے پھل بھی شاپر میں ڈال دیئے۔

"یہ لو تازہ پھل" گاہک نے شاپر لیا اور پانچ سو کا نوٹ دے کر چلا گیا۔ شام کو وہ بازار سے سودا لینے گیا۔ دوکاندار کو اس نے وہی پانچ سو کا نوٹ دیا۔

"نوٹ جعلی ہے دوسرا دیجئے" دوکاندار بولا

کیسا بدلہ لیا تھا قدرت نے اس سے۔ گلے سڑے پھل اور پانچ سو کا جعلی نوٹ اس کا منہ چڑا رہے تھے۔

جویریہ سعید اعوان

بہارہ کہو، اسلام آباد

"ویسے یہ جاننا نہیں چاہو گی کہ میں نے تم سے شادی کیوں کی؟" ترچھی آنکھوں سے اس کے ہراساں وجود کو دیکھتے ہوئے کہا تھا لیکن وہ اب ابھی خاموش تھی

"میں نے تم سے شادی صرف یہ پراپرٹی حاصل کرنے کے لئے کی تھی۔ تم سے شادی کرنے کے بعد یہ پراپرٹی اب میری ہو چکی ہے، اب مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔۔ تم جب چاہو مجھ سے طلاق لے کر اپنے گھر جاسکتی ہو۔۔" استہزائیہ انداز میں اس نے بیڈ کے چاروں طرف لٹکی گلاب کی لڑیوں میں سے ایک لڑی توڑی اور اچھال کر سامنے صوفے پر پھینک دی۔ وہ حواس باختہ بس اسے ہی دیکھتی جارہی تھی۔

"چلو اب اٹھو یہاں سے۔۔ مجھے نیند آرہی ہے۔۔ مجھے سونا ہے" اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا تھا مگر وہ یک ٹک اس کے چہرے کی طرف دیکھتی جارہی تھی۔

"سنا نہیں تم نے۔۔ اٹھو یہاں سے۔۔" اس بار اس نے جھلا کر کہا تھا

"خوبرو لوگ اکثر سنگدل ہوا کرتے ہیں۔۔" حجاب نے ایک بار اس سے کہا تھا۔ شاید ٹھیک کہا تھا کیونکہ سامنے کھڑا شخص بھی خوبرو شخصیت کا مالک تھا۔ مگر اخلاق سے عاری تھا۔

"لگتا ہے، مجھے ہی اٹھانا پڑے گا۔۔" آگے بڑھتے ہوئے اس نے بے دردی سے وجیہہ کے بازو کو پکڑا اور کھینچ کر کھڑا کیا۔ اس نے مزاحمت کرنا بھی گوارا نہ کی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہاں اس کی شنوائی نہیں ہونے والی۔ وہ لڑیوں سے باہر بیڈ کے پاس کھڑی اپنے داہنے بازو کو بائیں ہاتھ سے دبائے ہوئے تھی جبکہ ضرغام دونوں ہاتھوں کو سر کے نیچے دبائے آنکھ بند کر کے لیٹ گیا۔ چہرے پر ایسا سکون تھا جیسے برسوں سے امن میں ہو۔ پریشانی کوسوں دور تھر کے صحراؤں میں بسنے والے باسیوں کی قسمت میں ہو اور ان کی خوشیاں اس کے مقدر میں۔ ایسی طمانیت جیسے کوئی فکر ہی نہ ہو۔ دنیا سے بے فکر۔ رشتوں سے انجان۔ اپنی ہی خواہشوں میں مدہوش وہ لیٹا خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔

"ایک لڑکی کے لئے دنیا سے لڑنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اپنے شوہر سے ہوتا ہے۔۔!!" ایک سرگوشی اس کے کانوں میں ہوئی تھی

"دادی! آپ تو کہتی ہیں کہ لڑنا بری بات ہے۔ پھر ایک لڑکی بھلا اپنے شوہر سے کیوں لڑتی ہے؟" ایک معصومانہ سوال گڑیا کو دلہن بناتے ہوئے اس نے پوچھا تھا

"بیٹی! یہ وہ لڑنا نہیں ہوتا جس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہا جائے۔ ایک دوسرے پر لعن وطعن کی جائے بلکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ایک دوسرے کے پاس رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے دور رہنا"

"دادی! ایک دوسرے کے پاس رہتے ہیں بھلا دور کیسے رہا جاسکتا ہے؟" اپنی گڑیا کو سجاتے ہوئے اس نے لال دوپٹہ بھی اوڑھا دیا

"بیٹی! جب ایک دوسرے سے دل نہ مل سکیں تو پاس رہتے ہوئے انسان بھی دور رہتے ہیں۔ شادی صرف دو اجسام کو

نہیں ملاتی بلکہ دو روحوں کو یکجا کرتی ہے لیکن بعض اوقات دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے تھوڑی سی ڈھیل اس شادی نامی ڈوری کو ایک امتحان بنا دیتی ہے۔ ایک کی لغزش دوسرے کے لئے آزمائش بن جاتی ہے۔ پھر اس پٹڑی کو چلانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن بیٹی یہی وقت ہوتا جب سونا کندن بنتا ہے۔ محبت کی فضاؤں میں تو رشتوں کو ہر کوئی نبھانا جانتا ہے مگر جو انسان نفرت کی وادی میں، انا کی زمین پر، صبر کے ہاتھوں سے، احساس کا بیج بوئے اور پھر وفا کے پانی سے رشتے کو پروان چڑھائے تو ایک نہ ایک دن محبت کا پودا ضرور اُگتا ہے اور پھر اس کا پھل شہد سے زیادہ شیریں ہوتا ہے "

"دادی! آپ نے شاید سچ ہی کہا تھا" آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اپنی انگلیوں کے پوروں سے بے مقصد نکلے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے اس نے ڈریسنگ کا رخ کیا۔ اپنا چہرہ آئینے میں دیکھا۔ جہاں ایک نئی نویلی دلہن کھڑی اپنے ساجن کی بے رخی کا گلہ کر رہی تھی۔ اس نے جھٹ اپنا چہرہ چہرے سے ہٹایا اور ایک ایک کر کے زیوروں کو اتار کر ڈریسنگ پر رکھ دیا۔

☆ ☆ ☆

"اتنی جلدی اٹھ گئی تم؟ تھوڑا سا آرام ہی کر لیتیں۔۔" شگفتہ بی بی ناشتے کا انتظام کرنے کچن میں آئیں تو وجیہہ کو وہاں کھانا بناتے ہوئے پایا تھا۔ ایک کیتلی چولہے پر رکھی ہوئی تھی جس میں سے کھیر کی خوشبو جوش مار رہی تھی۔ وہ خود چاپنگ بورڈ پر بادام کو چوپ کر رہی تھی

"نہیں میڈم۔۔ اوہ سوری۔۔۔" عادت اتنی جلدی نہیں بدلتی۔ شگفتہ بی بی کا چہرہ دیکھتے ہی اسے ایسا لگا جیسے وہ اب بھی کالج کی پرنسپل ہوں اور وہ خود وہاں ایک ٹیچر۔ لیکن اب رشتہ بدل چکا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔۔" وجیہہ کی بات پر انہیں ہنسی آگئی۔ آگے بڑھتے ہوئے انہوں نے کیتلی کا ڈھکن اٹھایا

"ویسے تم مجھے امی کہہ سکتی ہو۔۔۔ اور یہ کھیر دیکھنے میں تو بڑی مزے کی لگ رہی ہے۔۔" بھنویں اچکاتے ہوئے اس کی تعریف کی تھی۔ وجیہہ نے چوپ کئے باداموں کو ایک طرف سمیٹ کر رکھا اور پھر پیچھے شیلف کی طرف مڑی

"شکریہ امی۔۔!! اور یہ پستہ کہاں رکھا ہے؟" شلیف پر رکھے تمام ڈبوں کو اس نے تقریباً چیک کر لیا تھا، وہاں تمام سوغات تھیں سوائے پستے کے

"میرے خیال سے پستہ تو ختم ہو چکا ہے لیکن پھر بھی تم اس ڈبے کو دیکھ لو۔۔ میں عموماً اس ڈبے میں رکھتی ہوں پستہ۔۔" شلیف میں سب سے پیچھے ایک چھوٹا سا نیلے رنگ کا ڈبہ تھا۔ اس نے اٹھا کر دیکھا تو اُس میں صرف پستے کے چار دانے نکلے۔

"چلو یہ بھی چلے گا۔۔" اس نے چاروں دانوں کو چوپنگ بورڈ پر رکھا اور دوبارہ چاقو سے بڑی مہارت اور نفاست کے ساتھ انہیں چوپ کرنے لگی۔

"بیٹا یہ ویسے ہی کہہ ڈال دیتیں۔ اب بھلا اتنی سی چیز کو کیا چوپ کرنا۔۔" کھیر تقریباً بن چکی تھی۔ شگفتہ بی بی نے چولہہ

بند کر کے کیتلی کو ذرا سائیڈ میں رکھا

"امی اس طرح سب کے حصے میں آ جائے گا۔ ورنہ تو چاروں ایک ہی چمچ میں سما جائیں گے۔" چوپ کرتے ہوئے اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"بہت خوب۔۔ ویسے ضرغام کو بہت پسند ہے پستے والی کھیر۔۔ اکثر مجھ سے فرمائش کر کے بنواتا ہے" کھیر کی خوشبو کو سونگھتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔ چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ کھیر مزید بنی ہے

"تو پھر میں سب سے پہلے یہ ضرغام کو ہی دے کر آتی ہوں۔۔" جلدی پستہ کو کھیر کے اوپر ڈالا اور کچھ علیحدہ سے بچا لیا۔ سٹینڈ سے ایک پیالی لی اور اس میں کچھ کھیر نکال کر باقی بچا ہوا پستہ ڈال دیا۔

"میں ابھی دے کر آتی ہوں ضرغام کو۔۔" بڑے مان کے ساتھ وہ پیالی کو ہاتھ میں لئے کمرے کی طرف بڑھنے لگی ۔شگفتہ بی بی اس کو جاتا دیکھ کر مسکراتی رہیں اور دل سے دونوں کے لئے دعائیں دینے لگیں۔

"ضرغام میں آپ کے لئے۔۔" اس کے الفاظ یہ دیکھ کر ادھورے رہ گئے کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ بیڈ پر لحاف پڑا تھا مگر ضرغام نہیں تھا۔ اس نے کھیر کو آگے بڑھ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اتنے میں ضرغام واش روم سے فریش ہو کر باہر آ گیا۔ اس کو دیکھ کر وہ خوشی سے پھول گئی۔ چہرے پر ہلکی سی تبسم چھا گئی۔ وہ بلیک جینز اور بلیک بنیان پہنے ہوئے تھے۔ ٹاول اس کے کندھے پر جھول رہا تھا۔ وہ بالوں کو جھٹکتے ہوئے ڈریسنگ کے سامنے آیا اور اور لٹکی ہوئی شرٹ کو پہننے کے لئے ٹاول کو بیڈ پر دے پھینکا اور گنگناتا ہوا شرٹ پہننے لگا

"ضرغام۔۔ میں آپ کے لئے یہ کھیر بنا کر لائی ہوں۔۔" وہ پیالی لے کر اس کے سامنے آئی مگر اس نے ان سنا کر دیا وہ مسلسل اس کو اپنی وہاں ہونے کا احساس دلا رہی تھی مگر وہ مسلسل اگنار کر رہا تھا۔ سیٹی بجاتے ہوئے آئینے کے سامنے گیا۔ کنگی کی اور پرفیوم لگایا مگر اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ وہ سائے کی طرح اس کا پیچھا کرتی رہی۔ کمرے کی جس کونے میں جاتا، پیچھے پیچھے دل دیتی، جس سے وہ مزید چڑ گیا اور تپ کر بولا

"کیا سائے کی طرح میرا پیچھا کر رہی ہو۔۔ ایک جگہ ٹِک کر کھڑا نہیں ہوا جاتا۔" آنکھیں دکھاتے ہوئے اس نے کہا تھا

"وہ۔ میں۔۔ کھیر۔۔۔" اس نے بس یہی الفاظ کہے تھے کہ ضرغام نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھوں میں موجود پیالی کو اچھال دیا۔ ساری کھیر فرش پر بکھر گئی۔ اور وہ بس دیکھتی رہ گئی۔

"سمیٹ لو اب اپنی کھیر۔۔۔" اس نے جھلاتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا ہوا؟۔۔۔ اور یہ" ضرغام کے چلانے کی آواز سن کر وہاں شگفتہ بی بی بھی آ موجود ہوئیں۔ کھیر کو بکھرا ہوا پایا تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"ایک بات کان کھول کر اپنے دماغ میں بٹھا لو میرے آگے

پیچھے یوں بھنبھنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میرا اور تمہارا تعلق صرف نکاح کی حد تک تھا۔ اب جب نکاح ہو گیا اور یہ ساری پراپرٹی میرے نام ہو گئی تو میرا تم سے اب کوئی واسطہ نہیں۔۔۔ سنا تم نے۔۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔ شگفتہ بی بی بس اس کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔ یہ کہہ کر وہ زوردار آواز سے دروازے کو بند کرتا ہوا چلا گیا۔

"وجیہہ۔۔" شگفتہ بی بی نے وجیہہ کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے حوصلہ دینا چاہا مگر وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ یہ وجیہہ ہے۔ بچپن سے آج تک یہی تو بے رخی برداشت کرتی آرہی ہے۔ حالات کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرنا تو جیسی اس کی عادت بن چکی ہے۔ ایک ہلکی سی تبسم کے ساتھ اُس نے شگفتہ بی بی کی طرف دیکھا اور پھر پیالی کی ٹوٹی ہوئی کرچیاں اٹھانے لگی۔

☆ ☆ ☆

"امی۔۔۔" وہ چلاتا ہوا گھر میں داخل ہوا تھا۔ غصے سے اس کا رنگ پہلے سے کہیں زیادہ سرخ ہو چکا تھا۔ ہاتھوں میں کاغذ کے ٹکڑوں کو فولڈ کئے بری طرح نوچ رہا تھا

"کہاں ہیں آپ۔۔؟ باہر آئیے۔۔" ضرغام کے چیخنے کی آواز سن کر شگفتہ بی بی اپنے کمرے سے باہر آئیں۔ وجیہہ بھی کچن سے ہاتھوں میں پانی ایک گلاس لئے ٹی وی لاؤنج میں آموجود ہوئی

"کیا ہوا؟ ایسے کیوں چیخ رہے ہو؟ تہذیب نام کی کوئی چیز نہیں ہے تم میں؟" شگفتہ بی بی نے آتے ہی اس کو جھاڑا

"تہذیب؟ یہ آپ مجھے کہہ رہی ہیں؟ آپ نے جو مجھ سے وعدہ خلافی کی۔ اُس کا کیا؟" وہ دہکتی آنکھوں شگفتہ بی بی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ضرغام آپ پانی پیئیں۔۔" وجیہہ نے پانی کا گلاس ضرغام کی طرف بڑھایا تو اُس نے غصے میں گلاس کو اچھال دیا۔ سارا پانی وجیہہ کے کپڑوں پر جا گرا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے ضرغام؟"

"بدتمیزی؟" اس نے جھلاتے ہوئے مزید کہا

"پہلے تو آپ میرے اس سوال کا جواب دیں کہ یہ کیا ہے؟" پیپرز کو ہوا میں اچھال دیا

سدا بے خودی میں رہتے ہیں لیتے کوئی جوگ نہیں۔
یہ محبت پیار عشق اپنے بس کا روگ نہیں۔
پل بھر کی خوشی میں چھپا ہے عمر بھر کا غم
کیوں نہیں سمجھتے آخر سمجھتے کیوں یہ لوگ نہیں۔
وصل کی شبٔ۔ فراق کے لمحے آگے پیچھے لپکتے ہیں
عشق میں سب ہی مل جائیں ہوتے ایسے سنجوگ نہیں۔
خواب و سراب کو تولا تھا حقیقت کے ترازو میں
یونہی دھوکا کھاتے ہم۔ ہم کوئی دیوانے لوگ نہیں۔

امرینہ مغل۔ (وزیر آباد)

''آپ نے جو کہا میں نے کیا مگر آپ نے پھر بھی پراپرٹی میرے نام نہیں کی۔۔۔کیوں؟''ضرغام عقابی آنکھوں سے شگفتہ بی بی کی طرف دیکھ رہا تھا

''اوہ۔۔تم اس لئے غصہ ہو۔''طنزیہ مسکراہٹ ان کے چہرے پر ابھری تھی

''تم نے پراپرٹی کی بات کی تھی۔سو میں نے کردی۔''ان کے چہرے پر طمانت تھی

''براق گروپ آپ کالجز میرے نام کیوں نہیں کئے؟''دہکتی آنکھوں سے اس نے سوال داغا تھا

''ہر چیز کو پانا اتنا آسان نہیں ہوتا ضرغام۔۔تم کیا سمجھے تھے؟ میں تمہاری چال کو نہیں سمجھ پائی۔میں اچھی طرح جانتی تھی کہ تم یہ شادی محض پراپرٹی کے لئے کر رہے ہو اور پراپرٹی حاصل کرنے کے بعد یہ شادی تمہارے لئے بے معنی ہو جائے گی بس اس لئے میں نے ایک حصہ وجیہہ کے نام کر دیا۔اب اگر تم اسے چھوڑتے ہو تو پراپرٹی کے ایک بڑے حصے سے تم ہاتھ دھو بیٹھو گے''ایک ایک بات انہوں نے کھول کر بتادی

''یہ آپ نے اچھا نہیں کیا''زیر لب وہ بڑبڑایا تھا

''ضرغام!آپ غصہ مت ہوں۔جو کچھ میرا ہے،اُن سب پر آپ ہی کا تو حق ہے۔بھلا میں کیا کروں گی ان سب کا۔ایک بیوی کا اپنا کچھ بھی نہیں ہوتا ضرغام''وجیہہ نے پیار سے سمجھانے کی کوشش کی مگر اس کا طیش بڑھتا ہی جا رہا تھا

''جسٹ شٹ اپ۔۔تم اپنی بکواس بند کرو اور یہ مت سوچنا کہ میری پراپرٹی کو تم اتنی آسانی سے ہضم کرلو گی۔میں تم سے اپنا سب کچھ واپس لے کر رہوں گا۔۔کیپ اِن مائینڈ۔۔''چیلنج کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔کچھ پل یونہی گھورنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''دیکھا۔۔کہا تھا ناں میں نے۔۔''ضرغام کے جانے کے بعد شگفتہ بی بی وجیہہ کے پاس آئیں اور ایک حسرت بھری نگاہ اس سیڑھیوں پر ڈالی جن کو چڑھتا ہوا وہ وہاں سے گیا تھا۔

''بہت جلد سمجھ جائیں گے۔۔''اس کے سوا وہ اس وقت کچھ نہ کہہ سکی۔

☆ ☆ ☆

شادی سے پہلے ہی شگفتہ بی بی نے وجیہہ کو ضرغام کے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتادیا تھا اور اس کو اس سچائی سے بھی روشناس کروادیا تھا کہ ضرغام اس سے شادی محض پراپرٹی کی خاطر کر رہا ہے۔یہ سن کر پہلے تو وجیہہ کو ایک دھچکا لگا مگر پھر سوچ وبچار کے بعد وہ اس رشتے پر رضامند ہو گئی۔آخر کبھی نہ کبھی تو اسے شادی کرنی ہی تھی۔کبھی نہ کبھی تو اس گھر سے بیدائی تو ہونی تھی اور کیا معلوم جس گھر میں جاتی وہ اسے اِس روپ میں اپنا بھی پاتے یا نہیں۔یہاں کم سے کم شگفتہ بی بی تو وجیہہ کو سمجھتی تھیں۔اس کے احساسات کو جانتی تھیں۔یہی سوچتے ہوئے اس نے ضرغام سے شادی کے لئے ہامی بھر لی۔شادی کے بعد وہ کئی دن تک اپنے میکے نہ گئی۔وہاں کیا ہو رہا ہے کیا نہیں اسے کچھ خبر نہ تھی۔ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد رضیہ بیگم کا فون آیا کہ وہ ایک بار ان کے ہاں چکر تو

لگائے۔شادی کا مطلب یہ تو نہیں کہ بیٹی کا میکے سے تعلق ہی ختم ہو گیا۔اب اکیلے جانا کئی سوالات کو جنم دے سکتا تھا اور ضرغام وہ تو وجیہہ کے ساتھ کہیں جانا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔اِس کا خیال تھا شاید وجیہہ کا ذہن اس سے ملتا ہو مگر دونوں کے ذہنوں میں تو زمین و آسمان کا فرق تھا۔ایک زمین تھی وت دوسرا آسمان۔ایک اسلام کا اشعار اپنے ہوئے تو دوسرا دنیا کے رنگ میں کھوئے ہوئے۔شگفتہ بی بی نے منت سماجت کر کے ضرغام کو وجیہہ کے سان جانے پر آمادہ کیا۔نہ جانے اس کے دل میں کیا آئی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا

"السلام علیکم امی!السلام علیکم ابو۔"گھر پہنچی تو علی عظمت اور رضیہ بیگم ٹی وی لاؤنج میں تھے۔ضرغام اور وجیہہ دونوں ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئے۔ضرغام کے چہرے پر سنجید گی تھی۔بنا بولے وہ ایک صوفے پر براجمان ہو گیا

"کیسی ہو وجیہہ؟اتنے دنوں بعد؟سسرال جا کر تو ہمیں بھول ہی گئی۔"وجیہہ کے گلے لگتے ہوئے رضیہ بیگم نے کہا تھا

"جب سسرال میں اتنا آرام ملے گا تو میکے کو کون یاد کرے گا؟"ضرغام نے طنزیہ کہا تھا مگر رضیہ بیگم اور علی عظمت نے اس کی بات کا الٹا مطلب لیا

"یہ تو ہے۔"ہنستے ہوئے علی عظمت نے کہا

"کیا لوگے تم بیٹا؟"رضیہ بیگم نے ضرغام سے پوچھا تو اس نے بے نیازی سے اُن کی بات کو نظر انداز کر دیا۔یہ دیکھ کر رضیہ بیگم کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا

"اِن کے لئے آپ گرین ٹی بنا لیں۔انہیں بہت پسند ہے۔"بات کو سنبھالتے ہوئے وجیہہ نے کہا

"ہنہ۔۔۔"طنزیہ انداز میں گردن جھٹکتے ہوئے اس نے ٹیبل سے ایک میگزین اٹھایا اور بے نیازی سے اس کے ورق الٹنے لگا

"اور سناؤ بیٹا۔۔کیسا جا رہا ہے تمہارا شو؟"علی عظمت نے پوچھا

"بہت اچھا۔۔"بے رخی سے جواب دیا

"ابو۔۔یہ انسول نظر نہیں آ رہا؟کہیں گیا ہوا ہے؟"وجیہہ نے بات بدلتے ہوئے پوچھا

"بس کیا کریں بیٹا تم تو جانتی ہو اپنے بھائی کو۔۔۔کہاں جاتا ہے کسی کو بتا کر۔۔"علی عظمت اور وجیہہ آپس میں باتیں کرتے رہے اور ضرغام سب سے بے پرواہ ہو کر گھر کے نقوش کو دیکھتا رہا۔

"یہ لو بیٹا!تمہاری گرین ٹی۔۔"رضیہ بیگم نے ٹی سرو کی تو اس نے گردن کو جھٹکتے ہوئے اپنا کپ اٹھایا اور پھر دوبارہ بے نیازی سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے گھر کو دیکھتا رہا

"ایرانی طرز کا یہ نقش و نگار۔۔"گھر کے نقش و نگار کو دیکھ کر وہ اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔بوریت بھی اب اس کے چہرے سے دور ہو چکی تھی

"ٹھیک کہا بیٹا۔۔یہ سب علی عظمت کی پسند کا ہے۔"رضیہ بیگم چائے سرو کرنے کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھ چکی تھیں

"بہت اچھی چوائس ہے آپ کی۔۔"حیرت سے اس نے علی عظمت کو دیکھا اور پھر دوبارہ گھر کو دیکھنے لگا۔وجیہہ کے

چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ جو ڈر اس کے دل میں کھٹک رہا تھا وہ اب دور ہوتا دکھائی دیا۔ ضرغام نے یہاں کسی قسم کو کوئی تماشا نہیں بنایا۔ سب خاموشی سے چائے پی رہے تھے کہ وجیہہ کے نظر دروازے کی جانب اٹھی اور جو دیکھا اس پر یقین نہ کر سکی۔

"انمول؟" زیرلب اس نے کہا تھا۔ یہ نام سن کر سب دروازے کی جانب دیکھنے لگے۔ سب پر ایک سکتہ طاری ہو گیا سوائے ضرغام کے۔ جو ہونے والے تماشے سے محظوظ ہونے لگا۔ ایک تمسخرانہ ہنسی اس کے چہرے پر ابھر آئی۔ دروازے پر انمول اور عندلیب تھے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے وہ دہلیز کے اُس پار کھڑے تھے۔ عندلیب نے ایک سرخ دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ جو کوئی دلہن اوڑھا کرتی ہے۔ بالکل ویسا ہی۔ سب دہلیز کی جانب بڑھنے لگے

"انمول۔۔۔ کیا ہے یہ؟" علی عظمت نے کہا تھا

"وہ ڈیڈ میں نے شادی کر لی ہے۔" اس نے آنکھیں چراتے ہوئے کہا تھا

"چٹاخ۔۔" ایک تھپڑ اس کے سیدھے رخسار پر پیوست کیا وہ دائیں جانب کو جھک گیا۔

"بدتمیز۔۔ شادی ایسے ہوا کرتی ہیں۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی اتنا بڑا قدم خود سے اٹھانے کی؟" چہرے پر آئی طمانت پل بھر میں غائب ہو گئی۔

"انمول! یہ کیا کیا تم نے؟ ہماری عزت کا ذرا بھی خیال نہ آیا تمہیں؟" رضیہ بیگم نے پہلی بار سخت لہجے میں انمول سے بات کی تھی مگر اب سخت لہجے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جب سخت لہجہ برتنا چاہئے تھا تب تو نرمی سے بات کرتے رہے مگر آج جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو انہیں احساس ہونے لگا

"موم۔۔ یہ آپ کیا بات کر رہی ہیں۔ میں عندلیب کو پسند کرتا تھا اور اسی لئے میں نے اس سے شادی کر لی اور ویسے بھی اتنے شور شرابے کا کیا فائدہ تھا؟" وہ ایسے ری ایکٹ کر رہا تھا جیسے کوئی بڑی بات نہ ہوئی ہو

"لیکن انمول! تم نے ایک بار بتانا گوارا بھی نہیں سمجھا" وجیہہ نے کہا تھا

"نہیں سمجھا!" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا

"اور اب کیا آپ مجھے ایسے دیکھ رہے ہیں۔ میں نے شادی کی ہے کوئی گناہ نہیں۔ چلو عندلیب یہاں سے۔۔" اس نے بے رخی دکھاتے ہوئے عندلیب کا ہاتھ پکڑا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ علی عظمت اور رضیہ بیگم یک ٹک انمول کی طرف دیکھتے جا رہے تھے۔

"عجیب تماشا ہے دنیا۔۔" ضرغام زیرلب گنگنایا تھا۔ اس کی آواز وجیہہ کے علاوہ کوئی سن نہیں سکا۔ ایک عجیب سی کشش تھی اُس کے چہرے پر۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ان سب سے محظوظ ہو رہا ہو۔ دونوں ہاتھوں کو سینے پر ہاتھ باندھے اس نے انمول اور عندلیب کو گزرنے کا راستہ دیا۔ علی عظمت نے ایک نظر ضرغام کے چہرے پر ڈالی جو تمسخرانہ ہنسی دبائے ہوئے تھا۔ انہیں اپنی عزت کا جنازہ نکلتا نظر آیا۔ گھر کے داماد کے سامنے ان کے بیٹے نے اپنی ہی بہن کے لئے زندگی بھر کا

ایک طعنہ چھوڑ دیا۔ انہوں نے ایک نظر وجیہہ پر ڈالی جو حالات کا مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ویسے انمول نے اتنا برا بھی نہیں کیا۔۔ جسٹ چل۔۔" ضرغام نے جارحانہ لہجے میں کہا اور باہر کی طرف چل دیا

"وجیہہ تم ڈرائیور کے ساتھ آجانا مجھے شو کے لئے لیٹ ہو رہا ہے۔" جاتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر تھا جسے وجیہہ محسوس کر سکتی تھی۔ علی عظمت اور رضیہ بیگم نے بھی روکنے کی جرات نہ کی۔ وہ گنگناتا ہوا بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دہلیز کے پار چلا گیا۔ وجیہہ نے استفہامیہ انداز میں علی عظمت کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ "میری زندگی پہلے کم مشکل میں تھی جو انمول نے مزید مشکل بنادی۔ ضرغام کے سامنے اسے یہ راز افشاں نہیں کرنا چاہئے تھا۔" مگر جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا۔ اب کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سوائے قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرنے کو۔

"امی! یہ انمول نے ٹھیک نہیں کیا؟ کم سے کم ضرغام کا تو خیال کرتا وہ۔۔" رضیہ بیگم اپنے ہی خیالوں میں گم کچن میں کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ وجیہہ پانی پینے کچن میں آئی تو اس نے گلاس شیلف سے اٹھاتے ہوئے کہا

"اب بھلا میں کیا کر سکتی ہوں؟" "نہیں تو جیسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ جس بیٹے پر اتنا مان تھا۔ اس نے ایک پل میں ہی ایسا پرایا کر دیا کہ اپنی زندگی سے ہی بے دخل کر دیا۔ زندگی کا اتنا بڑا اور اہم فیصلہ اس نے اکیلے کر

پاگل لڑکی (پارٹ 1)

ہر روز
اک نیا خواب دیکھتی ہے
جھیل سی گہری آنکھوں میں
بے شمار سپنے بنتی ہے
شاید کہ کوئی ایسا
میری زندگی میں آئے گا
جو بے تحاشا پیار
صرف مجھ سے ہی کرے گا
ہر حالات میں
میرے ساتھ
میرے سنگ رہے گا
مگر۔۔۔!!!
پاگل لڑکی
جانتی نہیں شاید
زمانے کی چالیں
سمجھتی ہے
محبت میں۔۔۔
کوئی فریب نہیں
ساتھ ہنستے چہروں میں

(بقیہ اگلے صفحے پر)

لیا۔ وجیہہ نے پانی پی کر ایک نظر رضیہ بیگم پر ڈالی جو ہراساں کھڑی اپنی ہی سوچوں میں گم تھیں

"امی۔۔ میں ہمیشہ اسی دن سے ڈرتی تھی۔ آپ کے بے جا لاڈ پیار نے آج اس کو یہ قدم اٹھانے پر مجبور کیا ہے۔ اُس نے ہمیشہ آپ کے پیار کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور آج وہ اتنا حد سے گزر گیا کہ اس نے اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ بنا کسی کے مشورے سے کر لیا۔۔" وجیہہ نے رضیہ بیگم کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا

"ہاں۔۔۔" وہ تو جیسے اس کی باتوں کو سن ہی نہ سکیں۔ بس اپنے ہی خیالوں میں گم تھیں

"امی۔۔ ابھی بھی وقت ہے۔ سمجھ جائیں آپ کہیں ایسا نہ ہو اس سے بھی برا ہو۔۔" وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ رضیہ بیگم نے ایک حسرت بھری نگاہ کچن کے دروازے پر ڈالی جہاں سے ابھی ابھی وجیہہ گزر کر گئی تھی۔ وجیہہ کے آخری لفظ ان کے کانوں میں گونجنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"مجھ سے کچھ دور ہی رکھو میرے دلداروں کو
کیسے پیوست کروں سینے میں تلوروں کو"

شعر پڑھ کر اس نے ایک ثانیے کے لئے خاموشی برتی اور پھر دوبارہ کیمرے کی طرف متوجہ ہو کر گویا ہوا

"میرے دوستو! محبت لازمی امر ہے مگر کیا آپ نے کبھی نوٹ کیا اس محبت کے چکروں میں انسان اپنی ذات کو کس قدر نیست و نابود کر دیتا ہے۔ شاید ہاں یا پھر شاید نہیں۔ جو

پاگل لڑکی (پارٹ 2)

نفرت کا کوئی نشاں نہیں
پاگل لڑکی
نادانی میں سب کچھ بھلائے
قدم سے قدم ملائے
محبت کے سڑیاں چڑتی جاتی ہے
پھر وہ
اک ایسے مقام پے
آ کے ٹھہر سی جاتی ہے
جہاں اس کی
آنکھوں میں سجا
ہر سپنا ٹوٹ جاتا ہے
حسین خوابوں کی مالا
پل بھر میں بکھر جاتی ہے
پاگل لڑکی
بس اسی لمحے
اپنی زندگی ہار جاتی ہے
خاموشی سے دنیا
چھوڑ جاتی ہے
پاگل لڑکی

کنول خان۔ ہری پور ہزارہ

ہاں کہتے ہیں میرا اُن سے ایک سوال ہے کہ اگر محبت کا انجام صرف رسوائی ہے تو آپ محبت ہی کیوں کرتے ہیں اور اگر آپ کا جواب نہیں ہے تو میرا اُن سے بھی ایک سوال ہے کہ محبت کے بنا آپ جی کیسے رہے ہیں؟" کافی کا مگ ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے اس نے کالر کو ٹھیک کیا اور دوبارہ گویا ہوا

"زندگی کو لامحدود کرنے کے لئے بعض خواہشوں کو محدود کرنا لازمی امر ہے مگر اس محدودیت میں کہیں آپ کی خواہشیں جن کو آپ دوام بخشنا چاہتے ہیں کہیں بے نام نہ ہو جائیں، اس کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔

یاں تو ناکردہ گناہوں کی تلافی بھی نہیں اور کوئی پوچھنے والا بھی نہیں یاروں کو محبت میں بعض اوقات انسان کو ایسے حالات سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ جن کے بارے میں اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوتا مگر وہ پھر بھی گزر جاتا ہے اور ایسی ایسی تکالیف کو سہہ لیتا ہے جو شاید ایک عام آدمی کبھی نہیں سہہ سکتا لیکن دوستو! اگر اس پر خار راستے پر آپ کو کوئی ہمنوا مل جائے تو یہ کٹھن سفر آسان ہو جاتا ہے مگر افسوس ایسا نہیں ہوتا۔ ایسے راستوں سے اکثر انسان کو اکیلے ہی گزرنا پڑتا ہے۔ جس کو منزل بنایا ہوتا ہے وہ تو آرام سے بیٹھا آپ کی راہ تکتا ہے اور مصائب آپ کا مقدر بنا دیتا ہے۔ وہ خود آپ کے پاس آنے سے گھبراتا ہے اور آپ کو اپنے پاس بلاتا ہے۔ میرا سوال ہے ان تمام عاشقوں سے کہ آخر وہ کیوں اپنے محبوب کی خاطر زمانے بھر کی نفرتوں کو برداشت کرتے ہیں؟ آخر کیوں اپنے محبوب کی خاطر اپنی ذات کو فراموش کر دیتے ہیں؟ آخر کیوں؟ اور ایک سوال میرا ان تمام حسن کی مجسمات سے ہے کہ آخر کیوں وہ اپنے عاشق کی محبت کا امتحان لیتی ہیں؟ آخر کیوں ان کے ایک بار اقرار پر اپنے آپ کو فراموش نہیں کر دیتیں؟ کیوں اُن کی محبت کا امتحان لیتی ہیں؟" پورے سیٹ پر خاموشی کے بادل منڈلا رہے تھے۔ کیمرہ مین سے لائیٹ مین اور یہاں تک کہ پروڈیوسر بھی ضرغام کی باتوں کو دھیان سے سن رہے تھے۔ سب پر ایک سکتہ طاری تھا۔ دو ہفتوں کے بعد ضرغام آج شو کر رہا تھا۔ صرف تین کے مختصر سے وقت میں ضرغام اپنی آواز، اپنے چہرے اور انداز بیاں سے لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔ لوگ ضرغام کو دیکھنا چاہتے تھے۔ لازوال میں وہ صرف اس کی باتوں سے محظوظ ہونا چاہتے تھے۔ ضرغام کے لورز میں زیادہ تعداد ینگ جینز ریشن کی تھی۔ جن کے احساسات ضرغام سے ملتے جلتے تھے۔ وہ ضرغام کی ایک ایک ادا کو نوٹ کرتے اور اس کو کاپی کرتے۔ صرف تین ماہ میں فیس بک پر ضرغام کے فالوورز کی تعداد آٹھ لاکھ تک جا پہنچی تھی۔ جو کہ ایک مثبت پوائنٹ تھا لیکن ہر سکے کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اس سکے کا بھی دوسرا پہلو تھا۔ دوسرا پہلو تاریکی تھی۔ اندھیرا تھا۔ ویرانی تھی۔ اداسی تھی۔ دنیا کی قربت اور آخرت سے دوری تھی۔ وہ دنیا کی باتوں کو تو بخوبی جانتا تھا مگر آخرت کے بارے میں کچھ نہیں۔ لوگوں کو عروج حاصل کرنے کے نسخے تو بتاتا تھا مگر اس عروج کو قائم رکھنے کے لئے کیا کیا جتن کئے جاتے ہیں

اُس سے نا آشنا تھا۔ وہ سامنے کا قائل تھا۔ حال پر نگاہ رکھتا تھا مگر مستقبل بعید سے کوسوں کا فاصلہ تھا۔ لوگ اُن کو فالو کرتے ہیں جن کے ماحول میں وہ رنگنا چاہتے ہیں۔ ضرغام کی طبیعت بھی ایسی ہی تھی۔ جس دنگل میں وہ خود پھنس رہا تھا لوگوں کو ابھی اسی دنگل میں پھانس رہا تھا۔ مگر سب نا آشنا تھے۔ سب کے سامنے ریٹنگ تھی۔ مقبولیت تھی۔

"سر آپ نے شادی کرلی۔۔ ہمیں بتایا ہی نہیں۔۔"

"محبت کی باتیں اس لئے ہو رہی ہیں کہ آپ کی محبوبہ آپ کے قدموں میں خود زیر ہو گئی ہے؟"

"سر آپ کی محبت کی شادی تھی یا ارینج میرج؟"

"سر آپ اپنی وائف کو ایک بار شو میں لائیں پلز۔۔"

"سر ہم آپ کی پسند کو دیکھنا چاہتے ہیں۔۔"

"ضرغام مجھے تو لگا تھا کہ تم میرے سوا کسی کے ہو ہی نہیں سکتے مگر تم نے تو اتنی بڑی بات ہم سب سے چھپا کر رکھی۔۔ یہ اچھی بات نہیں۔ چلو اب جلدی سے اس لڑکی کو سامنے لاؤ جو تمہاری پسند ہے"

"ہم آپ کی شریک حیات کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ دیکھنا چاہتے ہیں جو آپ کی ماڈل ہے وہ نظر آنے میں کیسی ہے؟"

"میں بھی آپ کے جیسے کسی لڑکے سے شادی کرنا چاہوں گی لیکن اس کے لئے مجھے آپ کی وائف سے کچھ ٹپس چاہئے۔ اس لئے پلز! انہیں ایک بار شو میں ضرور لائیں۔۔ پلز پلز پلز"

ایک کے بعد ایک میسجز اور کالز پر وجیہہ کو دیکھنے کی فرمائش ہوتی جا رہی تھی۔ ضرغام جہاں حیرت کا شکار تھا وہیں اسے غصہ بھی تھا کہ کس نے اس کی شادی کی بات کو پبلک میں لیک کر دیا مگر لائیو شو میں زیادہ کچھ نہ کہہ سکا اور گردن ہلانے پر ہی اکتفا کیا۔

"یہ سب کو میری شادی کا کیسے پتا چلا؟ میں نے کہا بھی تھا کہ کسی کو میری شادی کی کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہئے اور آپ نے تو۔۔" وہ غصے میں برہم سٹول پر رکھے ڈیوریشن پیس کو پھینک رہا تھا

"ضرغام۔۔ اس میں اتنا غصہ ہونے والی کی بات ہے؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ تمہاری بیوی کو سب لائیک کرتے ہیں۔ اُن سے ملنا چاہتے ہیں اور پھر تم خود ہی دیکھو آج تمام کالز اینڈ میسجز میں صرف تمہارے بیوی سے ملنے کی ہی ریکوسٹ کی گئی ہے۔ ایک بار تم اسے شو میں لے آؤ۔ دیکھنا ریٹنگ کتنی اونچی ہو جائے گی اور کیا معلوم تمہاری کو ہوسٹ ہی بن جائے وہ۔۔۔" پروڈیوسر شہزاد نے اس شانت کراتے ہوئے کہا

"لیکن اس بات کو لیک کس نے کیا؟" استفہامیہ انداز میں اس نے سب کے چہروں کو ٹٹولا مگر سب پر ایک سکوت طاری تھا۔

"میں نے۔۔" عنایہ کیٹ واک کرتے ہوئے ضرغام کے پاس آئی اور اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس کے سہارے کھڑے ہو گئی

"تم نے۔۔۔ پوچھ سکتا ہوں کیوں؟" دانت بھینچتے ہوئے اس نے اپنے شانے جھٹکے تو اس کی چال میں ایک دم لڑکھڑاہٹ پیدا ہو گئی مگر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا

"بے بی! اتنا غصہ صحت کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔ تم نہیں تھے تو شہزاد صاحب نے مجھے شو کرنے کو کہا لیکن تمہیں تو معلوم ہے کہ ویورز تو جیسے لازوال میں ضرغام عباسی کے علاوہ کسی کو دیکھنا پسند ہی نہیں کرتے۔ بار بار بس یہی پوچھتے رہے کہ ضرغام کب آئیں گے۔۔ کیوں نہیں آ رہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔۔ اور پتا نہیں کیا کیا کچھ۔ اس لئے میں نے اس کو اصل بات بتادی کہ ضرغام صاحب آجکل اپنی شادی میں مصروف ہیں۔" اس نے بے نیازی سے ساری بات سے آگاہ کیا

"لیکن تمہیں تو سب معلوم ہے ناں۔۔" اس کا غصہ قدرے کم ہو چکا تھا مگر آثار ابھی بھی آویزاں تھے

"جسٹ چل۔۔ اس فیلڈ میں ایسا چلتا رہتا ہے۔ یہ شوبز کی دنیا ہے ضرغام، کون کب کس کے ساتھ ہوتا ہے کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔"

"لیکن میں اپنے کریکٹر پر کوئی داغ برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔۔"

"جانتی ہوں اسی لئے تو کہہ رہی ہوں لے آؤ اسے اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔۔" اس نے کانوں میں سرگوشی کی جسے سن کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ چھاگئی اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا

☆ ☆ ☆

کمرے میں ہر طرف سیاہی تھی۔ اندھیرے میں دونوں میاں بیوی بیٹھے حالات سے نمٹنے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

کھڑکی پر لہراتا نیلے جھالروں والا پردہ ہوا کے پروں پر سوار تھا۔ رات کے سناٹے کی آواز بھی کمرے میں داخل ہو رہی تھی

"انمول ایسا بھی کر سکتا ہے۔ یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا" رضیہ بیگم نے زیر لب کہا تھا

"کبھی کبھی وقت انسان کو ان حالات سے دوچار کروا دیتا ہے جو اس نے وہم و گمان میں بھی سوچے نہیں ہوتے" کوشن کو سینے پر رکھے وہ ٹیک لگائے بیڈ پر بیٹھے تھے

"لیکن اسے ہماری محبت کا تو پاس رکھنا چاہئے تھا ناں۔۔" وہ جھٹ علی عظمت کی طرف متوجہ ہوئیں

"پاس تو ہم نے بھی نہیں رکھا بھی وجیہہ کا۔۔" معنی خیز نظروں کے ساتھ انہوں رضیہ بیگم کی طرف دیکھا۔ وہ اب مزید کچھ نہ کہہ سکی اور خاموشی سے اپنی جگہ پر لیٹ گئیں

"تو پھر اب کیا کیا جا سکتا ہے؟" لیمپ کو آف کرنے کی غرض سے ہاتھ بڑھائے

"سمجھوتے کے سوا اب کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔۔" سرد آہ بھرتے ہوئے انہوں نے کشن کو اپنے اور رضیہ بیگم کے درمیان رکھا اور دراز ہو گئے۔ رضیہ بیگم نے بھی لائیٹ آف کر دی۔ کمرے کے اندھیرے میں دونوں ایک دوسرے کی طرف پشت کئے لیٹے رہے مگر دونوں کے ذہن میں صرف ہی سوال تھا

''جو ہو رہا ہے کیا وہ صحیح ہو رہا ہے؟ کیا ہونی کو بدلا جا سکتا ہے؟''

☆ ☆ ☆

''تم خوش تو ہو ناں۔۔'' کروٹ بدل کر اس نے اپنا چہرہ عندلیب کی طرف کیا

''ہاں۔۔۔ بہت خوش۔۔'' اطمینان بھری نگاہ اس نے انمول کے چہرے پر مرکوز کرلی

''اب تو تمہیں یقین ہو گیا ناں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ تمہارے سوا کسی اور کا خیال اپنے دل میں لانا تو دور کی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔'' وہ اپنی محبت کا یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا

''مجھے یقین ہے تم پر اور تمہاری محبت پر۔۔'' پیار سے اپنے ہاتھ انمول کے رخسار پر پھیرا

''دیکھنا یہ یقین ہمیشہ قائم رہے گا۔'' پیار سے اس کی کلائی کو پکڑ کر نرمی سے ہونٹوں سے بوسہ دیا

''ویسے تمہارے امی ابو مان تو جائیں گے ناں۔۔'' چہرے پر قدرے مایوسی چھا گئی

''ان کی فکر ہی نہ کرو تم۔۔۔'' اپنا سر دائیں ہتھیلی کے سہارے قدرے اونچا کیا اور بائیں ہاتھ سے عندلیب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے رخسار پر پھیرنے لگا

''فکر تو نہیں کر رہی مگر ایک ڈر ہے کہ کہیں ان کی خفگی تمہیں مجھ سے دور نہ لے جائے۔ مجھے اُن کی خاموشی سے ڈر لگ رہا ہے کیونکہ یہ خاموشی جب بھی ٹوٹتی ہے تو بڑا طوفان برپا کرتی ہے۔ مجھے اس طوفان سے خوف ہے۔''

''میری جان عندلیب!'' عندلیب کی بالوں کی لٹوں کو اپنی انگلی پر لپیٹتے ہوئے کہا

''کوئی مجھے تم سے الگ نہیں کر سکتا۔ میں نے آج تک صرف اپنی منوائی ہے اور ہمیشہ منواتا رہوں گا۔ میں انمول ہوں اور میرے لئے ہر وہ شے انمول ہے جو مجھ سے جڑی ہے۔'' نرم ہونٹوں سے اپنے لبوں کی چاشنی اس کی پیشانی پر نقش کر دی

☆ ☆ ☆

''یہ لیجیے امی!'' جوس کا گلاس شگفتہ بی بی کو سرو کرنے کے بعد وہ دوبارہ کچن میں چلی گئی اور ناشتے کا بندوبست کرنے لگی۔

وجیہہ کے گھر میں آنے سے شگفتہ بی بی کو بہت آرام ملا۔ گھر کا سارا کام وجیہہ نے اپنے ذمے لے لیا۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتی کہ شگفتہ بی بی کو کوئی کام نہ کرنا پڑے۔ ضرغام کی بے رخی سے قطع نظر وہ اس کی چھوٹی سی چھوٹی ضرورت کا خیال رکھتی۔ ہر وہ کام جو پہلے شگفتہ بی بی کیا کرتی تھیں۔ اب وجیہہ کرنے لگی تھی۔ صبح پانی کا گلاس سرو کرنا ہو یا سوٹ کی سیلیکشن، شرٹ کے ڈھلے بٹنوں کو ٹانکا لگانا ہو یا پھر گیلے ٹاول کو بیڈ سے اٹھا کر وارڈروب میں رکھنا ہو۔ ضرغام کی چھوٹی سے چھوٹی پسند کو بر لانا وہ اپنا فرض عین سمجھتی تھی۔

''ضرغام آپ کے لئے گرین ٹی۔۔۔'' آج بھی وہ ضرغام کے اٹھنے سے پہلے کمرے میں اس کے لئے چائے لے کر حاضر ہو گئی۔ وہ بیڈ پر لیٹا اونگھ رہا تھا۔ ایک لمبی انگڑائی لیتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھا اور ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے

وجیہہ کی جانب دیکھا اور ٹیک لگا کر اس بے گرین ٹی وجیہہ سے لی۔

"ضرغام میں نے آپ کی شرٹ آئرن کر دی ہے اور ہینگر کر کے واش روم میں لٹکا دی ہے۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتا دیں۔" کھڑکی سے پردے سمیٹتے ہوئے اس نے ایک نظر ضرغام پر ڈالی تھی۔ جو سپ لیتے ہوئے وجیہہ کی طرف یک ٹک دیکھ رہا تھا

"کوئی کام ہے آپ کو؟" وہ ضرغام کی نظروں کا مطلب سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وجیہہ کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلایا اور پھر کپ کو سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور پھر اٹھ کر واش روم میں چلا گیا۔ لحاف سمیٹ کر وہ شگفتہ بی بی کے کمرے میں آ گئی

"امی چلیں۔۔" شگفتہ بی بی عبایا پہن رہی تھیں۔

"ہاں بیٹا چلو۔۔ ضرغام کو ناشتہ دے دیا؟" سٹڈی ٹیبل سے فائلز کو اٹھاتے ہوئے انہوں نے پوچھا تھا

"جی امی۔۔ میں نے گرم کر کے ٹیبل پر ناشتہ لگا دیا ہے" ہینگر سے اپنا عبایا اٹھایا اور اسے پہننے لگی

"وجیہہ۔۔" ضرغام کی آواز آئی تو یکدم چونک گئی۔ پہلی بار ضرغام نے کسی کام کے لئے وجیہہ کو بلایا تھا

"آج تو ضرغام نے آواز دی ہے۔۔" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شگفتہ بی بی نے وجیہہ کی طرف دیکھا تو وہ شرما گئی

"امی میں اُن کی بات سن کر آتی ہوں۔۔" وہ پلٹی اور واپس بیڈ روم میں آ گئی

"یہ کیا تم کہیں جا رہی ہو؟" اس نے وجیہہ کے عبایا کو دیکھا تو حیرت سے استفسار کیا

"جی۔ کالج جا رہی ہوں" اس نے جواب دیا

"اوہ۔۔ اچھا!" کچھ سوچتے ہوئے وہ اپنی شرٹ کے بٹن بند کرنے لگا اور آئینے کے سامنے جا کر اپنے بال سیٹ کرنے لگا

"آپ کو کوئی کام تھا؟" وجیہہ چار قدم آگے بڑھی تو وہ پلٹا

"آج جلدی آ جانا۔۔" معنی خیز نگاہ اس نے وجیہہ کے چہرے پر ڈالی تھی

"جج جلدی۔۔" اس کے دل میں کھٹکا ہوا۔

"وہ میں تمہیں کہیں لے کر جانا چاہتا تھا۔۔" وہ آگے بڑھا تو ضرغام کا کندھا وجیہہ کے کندھے سے ٹکرایا ایک ہلکی سی جنبش اس کے وجود میں ہوئی۔ اس کے لمس نے وجیہہ میں ایک عجیب سا احساس جنم دیا تھا

"ٹھیک ہے۔۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ بنا کچھ کہے کمرے سے باہر چلا گیا۔ وجیہہ ایک انجانی سی سوچ میں ڈوب گئی جہاں صرف ضرغام اس کے خیالوں پر حکمرانی کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

باقی انشاء اللہ آئندہ ماہ

عمرِ زیاں

فرح اعجاز

وہ چھت پر کھڑے سامنے غفور صاحب کے گھر میں ان کی نازوں پلی بیٹی کو باغ میں ٹہلتے سیل فون پر بات کرتے اور اپنی لٹوں سے کھیلتے بڑے انہماک سے دیکھ رہے تھے۔ گوری چٹی آسیہ بھی شاید جانتی تھی کہ کوئی احمقوں کی طرح اسے تکے جارہا ہے۔ اس لئے کچھ زیادہ ہی ہوش ربا ادائیں دکھا رہی تھی۔

شہیر بھائی!

وہ جو پھوپھو کے کہنے پر انہیں بلانے اوپر چھت پر آئی تھی۔ انہیں یوں انہماک سے سامنے والے گھر میں جھانکتا دیکھ کر کوفت سی ہوئی تھی۔ پھر پکارا تھا ان کا نام۔ مگر شہیر میاں تو آسیہ کو تاڑنے میں مصروف تھے اس کی سریلی آواز کہاں سن پاتے۔ جھنجلا کر وہ ان کے قریب آئی تھی اور ان کی پشت کے پیچھے سے آسیہ کو دیکھا تھا۔۔ آسیہ اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ عجیب چچوری سی تھی۔ الٹرا ماڈرن اور ذرا بے باک سی فلرٹی ٹائیپ۔۔ مگر اکلوتے ایک کزن کی منظورِ نظر۔

شہیر رررررررر بھا آئی۔۔۔۔!!!!

اب کے بہت زوردار ہلکے پاٹ دار طریقے سے اس کا نام لیا تھا ۔۔ اور شہیر میاں جو بہت ضروری کام میں مصروف تھے۔ اچھل ہی پڑے اپنی جگہ سے۔۔

یہ کیا بدتمیزی ہے۔ وہ ذرا تپے اور جھنجلائے لہجے میں اس کی طرف مڑے تھے۔ اور اسے خونخوار نظروں سے گھورا تھا۔

پھوپھو بلا رہی ہیں آپ کو نیچے۔ بل جمع کرانا ہے آخری تاریخ ہے آج اور آپ یہاں اپنے چچورے شوق میں لگے ہوئے ہیں۔

وہ لگی لپٹی رکھے بغیر بولی تھی تو تلملا اٹھے۔۔ مگر کچھ جواب دے کر اس منہ پھٹ کے منہ لگنے سے بہتر نیچے جانے میں عافیت جانی اور سیڑھیاں اتر گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆

اماں!

شہیر اتنی زور سے کیوں چلا رہے ہو۔۔ ذرا آہستہ بولو۔

اماں نے گھر کا تھا انہیں تو شہیر میاں سلگ ہی اٹھے۔

مجھے تو آپ ذرا سا زور سے بولنے پر ڈانٹ ڈپٹ کر رہی ہیں اور وہ آپکی چہیتی پھٹے ہوئے ڈھول کی طرح ہر وقت بجتے رہتی ہے اسے کچھ نہیں کہتیں۔

ارے اتنا پیارا دھیما بولتی ہے عروسہ اور اسے پھٹے ہوئے ڈھول سے ملا رہے ہو۔

ہاں اماں وہ ہی ایک سگی ہے آپ کی۔ میں تو پڑوسی کا بچہ ہوں نا۔

وہ ذرا روٹھے روٹھے لہجے میں بولے تھے۔ تو اماں مسکرا دیں۔

تم تو میرے شہزادے بیٹے ہو جانِ اماں ہو۔ تم دونوں میری آنکھ کا تارا ہو۔

اگر کچھ اچھے الفاظ مجھ غریب کے لئے نکل ہی آتے ہیں تو ساتھ میں اس میسنی کی شراکت ضروری ہے کیا۔

وہ تلملائے سے لہجے میں بولے تھے تو اماں نے انہیں گھورا تھا۔

تم دونوں ہی میرے لئے برابر ہو شہیر۔ وہ بن ماں باپ کی بچی نے آخر تمہارا کیا بگاڑا ہے جو اس کے ہر وقت پیچھے پڑے رہتے ہو۔

اچھا اب آپ ناراض نہ ہوں میں آپ کی چہیتی کو کچھ نہیں بولتا۔

وہ ماں کے گلے میں بانہیں ڈالتے ذرا لاڈ سے بولے تھے۔

اچھا چلو اب بجلی اور گیس کا بل جمع کرنا ہے آج آخری تاریخ ہے۔ جلدی جاؤ گے تو رش کم ملے گا ورنہ۔

اچھا اماں اور کچھ چاہئے بازار سے تو بتا دیں۔

ہاں مجھے تو نہیں لیکن عروسہ سے پوچھتی ہوں۔۔ ذرا رکو۔۔۔

اماں مجھے دیر ہو رہی ہے۔ اس سے کہیں خود لے کر آ جائے۔ میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے۔۔

عروسہ کا سن کر تھوڑے بدمزاہ ہوئے تھے اور جلدی سے اپنی بات مکمل کر کے باہر نکل گئے۔۔ پیچھے اماں آوازیں دیتی رہ گئیں۔ عروسہ ان کے ماموں کی اکلوتی بیٹی تھی۔۔ پانچ سال کی عمر سے ہی اسے اپنے گھر دیکھ رہے تھے۔ انہیں اس سے پہلے کبھی بری نہیں لگی تھی۔ مگر جب ماموں اور مامی کار ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گئے تو عروسہ جو اس دن دو تین گھنٹے کے لئے رہنے آئی تھی فقط ہمیشہ کے لئے انہی کے گھر ڈیرا ڈال لیا۔ پہلے پہل تو اتنی بری نہیں لگتی تھی انہیں۔ وہ اس وقت آٹھ سال کے تھے اور عروسہ پانچ سال کی۔ وہ اس کی دل جوئی کی بھی کوشش کرتے رہتے تھے۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ وہ سانولی سلونی گڑیا انہیں ڈائین لگنے لگی اور ایک عجب سی چڑ اور بغض نے دل میں جنم لیا تھا۔ وہ اسے اماں ابا کی محبت میں شریک سمجھنے لگے تھے بلکے ان کا خیال تھا کے ابا بھی عروسہ کو ان سے زیادہ چاہتے ہیں۔ اس لئے اور بھی اس کے خلاف ہو گئے۔ وہ سرخ و سفید رنگت کے مالک تھے۔ نقوش بھی اچھے پائے تھے۔ ان کی بڑی بڑی بھوری آنکھیں کسی کو بھی اپنے سحر میں جکڑ سکتی تھیں۔۔۔ اور انہیں اپنی وجاہت کا احساس بھی بہت اچھی طرح سے تھا۔ اور لڑکیوں سے فلرٹ بھی کرنا اپنا قومی فریضہ سمجھ کر کرتے تھے۔ بی اے کیا ہوا

تھا اور مزید سرٹیفائیڈ کورسز بھی کر رہے تھے۔ لیکن جاب لیس تھے۔ اور ان کے چڑ چڑے پن کی ایک بنیادی وجہ نوکری کا نہ ملنا بھی تھا۔ ان کے بر خلاف عروسہ دھیمے مزاج کی قدرے سانولی رنگت اور کھڑے نقوش کی مالک تھی۔ اماں نے شرافت گھٹی میں گھول کر پلادی تھی اسے۔ انٹر کے بعد عروسہ نے جب دیکھا کے پھو پھو کی طبعیت اب ویسی نہیں رہتی۔ جوڑوں کے درد اور ڈائیبٹیس کی وجہ سے وہ جلد تھک جاتی ہیں تو تعلیم کو خیر باد کہہ دیا۔ اور گھر کی ساری ذمہ داری اپنے ناتواں کھاندوں پر اُٹھالی۔ وہ اپنے بیٹی ہونے کا حق ادا کر رہی تھی۔ ہاں اگر گھر میں کسی سے ٹھنی رہتی تھی تو شہیر سے۔۔ چھتیس کا آنکڑا تھا دونوں کے درمیان۔۔۔ کوئی محاذ سے پیچھے ہٹنے کو تیار ہی نہیں تھا۔۔

☆ ☆ ☆ ☆

انڈیا اور پاکستان کا میچ چل رہا تھا۔ چپس کا پیکٹ ہاتھ میں لئے سوفے پر بیٹھے ٹی وی پر نظریں گاڑے وہ دنیا مافیا سے پوری طرح لاتعلقی کا ثبوت دے رہے تھے۔۔۔ جب ہی وہ اس وقت چھوٹے سے لاؤنج میں داخل ہوئی تھی ایک ہاتھ میں جھاڑو اور دوسرے میں گرد جھاڑنے والی جھاڑن (کپڑا) پکڑے۔ پہلے تو انہیں لاؤنج میں دیکھ کر ٹھٹکی تھی۔۔۔ مگر پھر کندھے اچکا کر جھاڑو دینے لگی۔

ارے یہ کیا بدتمیزی ہے۔

ان کے جھنجلاہٹ بھرے لہجے پر نظر اُٹھا کر دیکھا تھا انہیں۔

اور پھر اپنے کام میں جُت گئی۔

کیا بہری ہو گئی ہو۔ سنائی نہیں دے رہا میں کیا کہہ رہا ہوں۔

اب کہ قدرے غصے سے زمیں پر چپس کا پیکٹ پھینکا تھا۔۔

جی سن بھی لیا اور آپ کے دانتوں کا کچکچانا بھی دیکھ لیا۔ آپ دیکھ نہیں رہے میں کام کر رہی ہوں۔۔

کام کی بچی تم دیکھ نہیں رہی میچ چل رہا ہے اور تمہاری کھٹر پھٹر سے میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں۔۔۔

شوق سے دیکھئے سڑے منہ کا میچ۔ کس نے روکا ہے آپ کو۔

وہ منہ بنا کر بولی تھی ان کی بات پر تو انکو پتنگے ہی لگ گئے۔

اے منہ سنبھال کر بات کرو۔ کلن کہیں کی۔ شکل دیکھی ہے تم نے اپنی۔

جی دیکھی ہے روز دیکھتی ہوں۔ آپ کی طرح سفید آٹے کی بوری نہیں ہوں۔ کبھی خود کی شکل ملاحظہ کی ہے آئینے میں۔

وہ اُلٹا ان پر چوٹ چل گئی تو آگ ہی لگ گئی انہیں اس کی بات سن کر۔

تمہاری تو۔۔۔۔

یہ کیا ہو رہا ہے یہاں۔۔

اماں کی آواز پر اسے کچھ اور سخت سناتے سناتے رہ گئے اور میچ ادھورا چھوڑ کر لاؤنج سے ہی نکل گئے۔۔

پھر کچھ اس نے الٹا سیدھا بولا ہے نا تمہیں۔۔

پھو پھو نے پوچھا تھا اس سے۔ پھو پھو کی بات پر وہ انہیں رندھی شکل کے ساتھ دیکھے گئی بولی کچھ نہیں۔۔ اس نے لڑائی میں کبھی پہل نہیں کی تھی ہمیشہ تند و تیز جملے شہیر کی زبان سے ہی اس کے خلاف نکلتے تھے۔ کبھی کلن کہتے تو کبھی

بلائے جان۔ چڑیل وغیرہ۔ وہ تو صرف جواب دیتی تھی ان کی باتوں کا۔ ان کی باتیں اس کا دل دکھاتی تھیں۔ مگر اوپر سے وہ سپاٹ انداز اپنائے رکھتی۔ جیسے اسے ان کی جلی کٹی باتوں کی کوئی پرواہ نہ ہو۔

کوئی بات نہیں پھوپھو۔ میں بھی تو انہیں جواب دے دیتی ہوں۔۔۔ چپ تو میں بھی نہیں بیٹھتی۔۔

وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی ان کے پوچھنے پر۔۔۔

مجھے تم دونوں کی سمجھ نہیں آتی بیٹا۔ میں تو تم دونوں کے لئے بہت کچھ سوچ رکھا ہے مگر تم دونوں۔

وہ ایک سرد آہ بھرتے ہوئے بولی تھیں۔ اور بیچ میں بات ادھوری چھوڑ کر لاؤنج سے نکل گئیں۔ وہ خاموش سی ہو گئی تھی ان کی بات سن کر وہ جانتی تھی پھوپھو کیا چاہتی ہیں۔ مگر شہیر تو اس سے نفرت کرتے تھے۔ اس سے دور بھاگتے تھے۔ اور وہ۔ وہ کیا چاہتی تھی۔ بہت کچھ ان سے کہنا چاہتی تھی مگر تمام احساسات پر قفل ڈالے بیٹھی تھی۔ اپنے جذبات ۔اپنے احساسات کو خود سے بھی چھپائے ہوئے۔ اگر شہیر کو پتا چل جاتا کہ وہ ان کے بارے میں کیا محسوسات رکھتی ہے تو اسے تضحیک کا نشانہ بنا دیتے۔۔ اور انہیں اسے ٹیز کرنے کا ایک نیا موقع ہاتھ آ جاتا۔ اس نے ان کی آنکھوں میں اپنے لئے نفرت ہی دیکھی تھی۔۔ انہوں نے کبھی اس سے نرمی سے بات ہی نہیں کی تھی۔ جتنا پھوپھو اور ابا اس سے پیار کرتے تھے اس کا خیال رکھتے تھے اتنا ہی وہ اس سے نفرت کا اظہار کر جاتے تھے۔ پھر بھی وہ ان کے سارے کام کر کے رکھتی تھی۔ اماں سے زیادہ اسے ان کی فکر رہتی تھی۔ مگر شہیر کو یہ سب کچھ کبھی نظر ہی نہیں آتا تھا۔ انہیں اگر نظر کچھ آتا تھا بھی تو اس کی وجہ سے اپنی خودساختہ محرومی اور بس

۔

☆ ☆ ☆ ☆

وہ غصے میں بھرے گھر سے نکلے تھے۔ اور اپنے دوست جو اسی گلی میں رہتا تھا کے گھر پہنچے۔ اس میسنی کی وجہ سے وہ انڈیا اور پاکستان کا یہ میچ کس طرح مس کر سکتے تھے۔ بہر حال حامد صاحب انہیں اس وقت اپنے گھر پر دیکھ کر تھوڑا حیران ہوئے تھے۔

ارے شیری (شہیر) تم اس وقت۔ میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔

ہاں کیوں اس وقت میں نہیں آ سکتا کیا؟

شہزادے غصہ تو نہ کر۔ ویسے ہم سب دوستوں کو تیرا پتا نہیں ہے کیا کہ تم کرکٹ میچز اکیلے انجوائے کرتے ہو۔ ہم سب دوستوں کے ساتھ کہاں کبھی دیکھا ہے میچ تم نے یار۔۔

ہاں نہیں دیکھا مگر اب دکھنا ہے۔ اب باتیں ہی بگھارتے رہو گے یا پھر۔

اوہ اچھا آج تو مزا آ جائے گا سب یہیں میرے پاس جمع ہیں ۔اور ہاں وہ رشید ٹڈا بھی دبئی سے آیا ہوا ہے۔ کل ہی آیا ہے یار کیا کایا پلٹ ہو گئی ہے اس کی۔

وہ اس کے گھر میں قدم رکھ چکے تھے۔ رشید ٹڈے کا سن کر منہ بن گیا۔ ان کا یہ دوست نہایت چھوڑو قسم کا تھا۔ اور اب

تو دبئی کے پھیرے بھی لگاتار رہتا تھا۔ اب تو اس کی اترا ہٹ میں کچھ زیادہ ہی اضافہ ہو گیا تھا۔

ویسے یہ تو بتاؤ بھائی تمہارا بوتھا کیوں سوجا ہوا ہے۔۔۔۔

ایک کالی بلی راستہ کاٹ گئی تھی یار۔ صبح سے ہر کام غلط ہو رہا ہے میرا۔۔

اوہ بھائی تم کب سے شگن بدشگنی کے چکر میں پڑ گئے بھائی۔

جب سے ایک کالی بلی گھر میں آ گئی ہے تب سے۔

ہیں اوہ سمجھ گیا۔۔۔ تم کس کی بات کر رہے ہو۔۔

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا تھا۔ بچپن کا دوست تھا جانتا تھا وہ اپنی کزن سے کتنی نفرت کرتے تھے۔ اور جب بھی اس کی وجہ سے گھر میں ابا سے ڈانٹ پڑتی تو اسی سے آ کر اپنے دکھڑے روتے تھے۔ ویسے اب عروسہ کا ذکر کرنا بند کر دیا تھا۔ جب سے سمجھ آ گئی تھی کہ گھر کی خواتین کا ذکر یار دوستوں میں کرنا اچھی بات نہیں چاہے وہ ان کے دشمنوں میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ اور عروسہ سے چاہے جتنی بھی پرخاش وہ دل میں رکھتے تھے اسے اب یوں دوستوں کے سامنے ڈسکس کرنا اب بالکل ہی بند کر دیا تھا۔ سارا دن آج دوست کے پاس گزرا تھا پھر وہیں میچ بھی دیکھا اور رشید ٹڈے کے دبئی کے قصے بھی بے دلی سے سنتے رہے۔

☆ ☆ ☆ ☆

اماں! ابا!

انہوں نے گھر کی دہلیز کے اندر قدم رکھتے ہی وہیں سے آوازیں انہیں دینا شروع کر دیں۔۔

کیا ہوا شہیر اتنا شور کیوں مچا رہے ہو۔۔

اماں سے پہلے ابا ہاتھ میں اخبار لئے باہر نکلے تھے۔۔

ابا مجھے ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب مل گئی ہے۔ اسسٹنٹ مینیجر کی پوسٹ پر اپاؤنٹ کیا ہے مجھے۔

ارے واہ برخوردار۔ آج تو آپ نے بڑی اچھی خبر سنائی ہے۔ جلدی سے منہ میٹھا کرائیں سب کا۔

ارے کس بات پر منہ میٹھا کرانے کی باتیں ہو رہی ہیں۔

اماں اور عروسہ ایک ساتھ ہی باہر نکلی تھیں۔ وہ ابا کے ساتھ لان میں رکھی ایک کرسی پر بیٹھے تھے۔ اور دونوں باپ بیٹے بہت خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔ ورنہ ابا شہیر سے ہمیشہ نالاں ہی نظر آتے تھے۔ اور شہیر میاں ابا کے سامنے کم کم ہی سامنا کرنے کی سعی کرتے رہتے تھے نہ زیادہ سامنے آئیں اور نہ ابا کے تند و تیز کڑوی کسیلی باتوں کا حدف بنیں۔ لیکن ابا خوش تھے ان سے اور اماں اور عروسہ کے لئے ان کا بیٹے سے بدلا رویہ ایک خوشگوار حیرت کا سبب تھا آج۔

بھئی رخشندہ بیگم آپ کے بیٹے بھی آج سے کماؤ پوت ہو گئے ہیں۔

ارے ماشااللہ۔۔۔ میرا بیٹا۔۔

فرطِ مسرت سے آگے کچھ کہا ہی نہیں گیا۔ فوراً ہی آگے بڑھ کر خوشی سے بیٹے کو گلے لگا لیا۔ اور جھٹ سے بلائیں بھی لے ڈالیں۔ اماں کے گلے لگے ان کے پیچھے کھڑی عروسہ پر نظر پڑ گئی تو عجیب سا منہ بنا لیا تھا انہوں نے۔ وہ جو خوشی سے ان ماں بیٹے کو گلے لگا دیکھ رہی تھی اور انہیں مبارک باد دینے کے

لئے لب بس وا ہی کئے تھے کہ ان کے چہرے کے تاثرات نے اسے روک دیا تھا کچھ بھی کہنے سے۔ دل کو ایک عجیب سی تکلیف ہوئی تھی۔ اور وہ اس منظر سے ہی ہٹ گئی۔ چپ چاپ کچن میں جا کر بے اختیار آنکھوں میں آئے اس پانی کو پینے کی کوشش کرنے لگی۔

عروسہ بیٹے۔

جی ابا آئی۔

ابا کی آواز پر وہ باہر کچن سے نکل آئی۔ دیکھا تو ابا اور پھوپھو بیٹھے تھے لان میں شہیر موجود نہیں تھے۔

مبارک ہو ابا اماں ابا آپ کو۔۔۔

خیر مبارک بیٹی۔۔

تم کو بھی بیٹا بہت مبارک ہو۔ ویسے بیٹا تم کہاں چلے گئیں تھیں۔ شہیر کو مبارک باد بھی نہیں دی تم نے۔

وہ میں چائے بنانے کے لئے گئی تھی پھوپھو۔۔

ارے واہ چائے بھئی ہماری بیٹی کو کتنا خیال رہتا ہے ہمارا۔ اور ایک آپ ہیں بیگم۔

جی ہاں مگر یہ بھی دیکھیں عروسہ میں سارے گن میرے ہی ہیں۔ میرا ہی پرتو ہے میری بیٹی۔

عروسہ نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اور دل ہی دل میں ابا کا شکر بھی ادا کیا تھا ورنہ پھوپھو کے پوچھنے پر پھر سے وہ آنکھوں میں آئے آنسو ان سے چھپا نہ پاتی۔ اور شہیر کو پھر موقع مل جاتا جلی کٹی سنانے کا۔ وہ ان دونوں کو یوں ہی کھٹی میٹھی نوک جھونک کے ساتھ چھوڑ کر کچن میں چلی آئی تھی۔ اور فریزر میں رکھے وان ٹان اور سپرنگ رولز نکال کر مائیکروویو میں ہلکا سا گرم کر کے چولہے پر پہلے سے رکھی تیل سے بھری گرم کڑھائی میں ڈالنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ تلنے سے فارغ ہو چکی تھی اور اب سلیقے سے وان ٹان اور سپرنگ رولز ٹرے میں سجائے وہ لاؤنج میں چلی آئی دیکھا تو موصوف آ چکے تھے ایک عدد بڑے سے مٹھائی کے ڈبے کے ساتھ۔۔

آہا۔ واہ بھئی واہ! ہماری بیٹی نے تو آج خوب اہتمام کیا ہے بھئی

۔

ابا کی نظر اس پر پہلے پڑی تھی اور اسے اپنے من پسند سپرنگ رولز لاتا دیکھ کر خوش دلی سے بولے تھے پھوپھو نے بھی ان کے کہنے پر مسکرا کر دیکھا تھا اسے۔ مگر شہیر اس خوشی کے موقع پر بھی اس سے بیر لگائے بیٹھے تھے۔ اور ایسی نظروں سے گھورا تھا اسے کہ وہ ٹرے رکھ کر واپسی کے لئے مڑ گئی۔

ارے تم کہاں چل دیں۔۔۔ بیٹھو ہمارے ساتھ۔

پھوپھو کے کہنے پر وہ ناچار وہیں تخت پر بیٹھ گئی۔

بھئی شہیر میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ کھوپرے والی مٹھائی ضرور ڈلوانا۔ عروسہ کو کتنی پسند ہے۔ مختلف مٹھائیاں نظر آرہی ہیں مگر وہی بھول گئے۔

اماں مٹھائی کا ڈبہ کھولتے ہوئے خفگی بھرے لہجے میں بولی تھیں۔۔۔

کوئی بات نہیں پھوپھو۔ خوشی کے موقع پر کوئی بھی مٹھائی چلے گی۔ وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر مٹھائی کے ڈبے سے ایک مٹھائی کا چھوٹا سا ٹکڑا اٹھاتے ہوئے خوش دلی سے بولی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

تھی۔ بہر حال وہ دن اس گھر کے تمام مکینوں کے لئے ایک یاد گار دن ثابت ہوا تھا۔ اور شاید پہلی دفع دونوں کے درمیان کسی قسم کے تند و تیز جملوں کا تبادلہ نہیں ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆

انہیں نوکری کرتے چھ مہینے ہو گئے تھے۔ جب سے نوکری لگی تھی دونوں کی نوک جھونک بھی اب خال خال ہی ہوتی تھی۔ شام کے چھ بجے سے پہلے وہ گھر نہیں لوٹتے تھے۔۔ پھر شام کا کھانا کھا کر جو گھر سے باہر نکلتے تو رات گئے واپسی ہوتی تھی۔ پھر تھوڑا بہت ابا اماں کے پاس بیٹھتے اور پھر اپنے کمرے میں آکر جو سوتے تو پھر وہی صبح فجر پر اٹھتے تھے۔ یہی روٹین بن گیا تھا۔ عروسہ بھی ان کے سامنے کم سے کم آنے کی کوشش کرتی تھی۔ اماں ابا اس بات سے بے خبر تھے کہ یہ جو آفس سے آنے کے بعد جو کھانا کھاتے ہی گھر سے باہر جانے کی جلدی ہوتی ہے برخوردار کو تو اس کے پیچھے کیا وجہ ہے۔ یہ بات تو ان کی دشمنِ جاں کو پتا تھی کہ وہ باہر کس سے ملنے جاتے ہیں۔ یار دوستوں کا تو بہانا تھا صرف۔

اس دن بھی جب وہ گھر لوٹے تو اماں کو لاونج میں بیٹھے دیکھ کر ٹھٹکے تھے۔۔

اماں آپ اس وقت۔۔

دو دن ہی ملتے ہیں وہ بھی تم باہر گزار دیتے ہو۔ خیر تمہارے ابا اور میں تم سے کچھ اہم بات کرنا چاہتے ہیں۔

کیسی بات اماں؟

انہوں نے پوچھا تھا۔۔

چلو میرے ساتھ ابا تمہارے کمرے میں ہی ہیں۔ وہیں چل کر بات کرتے ہیں۔

ان کے کہنے پر وہ خاموشی سے ان کے ساتھ اماں ابا کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ابا پلنگ پر تکئیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اور کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ ان کو اماں کے ساتھ کمرے کے اندر آتا دیکھ کر کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

آیئے شہیر صاحب۔ آپ کو فرصت مل گئی آوارہ گردی سے ۔اب آپ شروع مت ہو جایئے گا بشیر۔۔۔

اماں نے ابا کو وہیں ٹوک دیا تھا۔ تو انہوں نے مزید شہیر کی کلاس لینے کی بجائے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

اچھا برخوردار اب تم نوکری بھی کرنے لگے ہو اچھی پوسٹ پر ہو۔۔۔اب تمہارے کیا ارادے ہیں۔

میں سمجھا نہیں ابا۔۔۔

بیٹے تمہارے ابا کا مطلب ہے کے تمہیں اب اپنی خود کی زندگی شروع کرنی چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں اب۔ اور اسی سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہ رہے تھے۔ میں نے آہستہ آہستہ کر کے سب جوڑ رکھا ہے تمہارے ابا کی تنخواہ سے۔ زیور الحمدُ اللہ اتنا ہے کہ مزید لینے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اگر عروسہ پسند کرے تو ورنہ تڑوا کر اس کی پسند کے بنوا دونگی۔

ایک منٹ ٹھہریں اماں آپ نے یہاں عروسہ کا نام کیوں لیا ہے۔ عروسہ کا میری شادی سے کیا تعلق۔۔۔۔

اماں کی بات سن کر وہ چونکے تھے اور ایک دم بول اُٹھے۔

بہت گہرا تعلق ہے برخوردار۔۔ تمہاری شادی ہم عروسہ سے کرنے جارہے ہیں۔

یہ آپ لوگوں نے سوچا بھی کیسے ابا۔ میں اس کلن سے شادی کرونگا۔ جسے میں ایک منٹ بھی برداشت نہیں کرپاتا اسے۔ میں اس کے ساتھ ساری زندگی گزاردوں۔ نہیں ابا میں ایسا نہیں کرسکتا۔۔

کیا مطلب شادی تو تمہیں اسی سے کرنی پڑے گی۔

ابا غصے سے اس کی بات سن کر بولے تھے۔ انہیں اور اماں کو اس کے خیالات عروسہ کے بارے میں جان کر بہت افسوس ہوا تھا۔۔

ہنہ مرتا مر جاؤنگا ابا مگر عروسہ سے۔۔ نہیں کبھی نہیں۔

عروسہ سے اچھی لڑکی تمہیں نہیں ملے گی شہیر۔ تم پچھتاؤ گے۔

رخشندہ بیگم! اپنے الفاظ زائع مت کیجئے۔ کوئی فائدہ نہیں۔ سمجھایا اسے جاتا ہے جو سمجھنے کو راضی ہو۔ اور آپ کے برخوردار نے پہلے سے ہی ڈیسائیڈ کرلیا ہے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ کمانے لگے ہیں نا خود مختار ہوچکے ہیں۔ انہیں اب ہماری ضرورت نہیں۔

ابا اب آپ زیادتی کررہے ہیں۔ میں عروسہ کو پسند نہیں کرتا اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کی عزت نہیں کرتا آپ کا ہر فیصلہ سر آنکھوں پر مگر مجھے اس کے لئے مجبور مت کیجئے۔ اگر آپ اپنی ضد پر اڑے رہے اور اگر یہ شادی ہو بھی

ہم تو رہتے تھے خوابوں میں
کرتے تھے ہر روز امید سجدہ
طلب زندگی رہتی تھی صبح شام
جب کھلتا تھا چہرا چاندنی جیسا
اک روز آیا جب ہوئی جدا میں
ہوی حقیقت اشکار مجھ پے
خواب تو ہیں بس خواب
اپنے تو ہیں اپنے
ان بن نہ آے چین اک پل
کس قدر تھی تلاش زندگی رشتا
اب زندہ لاش بن کر جی رہی ہوں میں
خاموش ہیں لب میرے
جگر میں ہیں تنہایاں بے شمار
ہم چلتے تو ہیں ان قدموں سے
مگر راستے بھول جاتے ہیں اکثر
جو رہتی تھی ساعتے
اب تو بھول جاتے ہیں دیکھنا بھی
رچ گی ہیں ہر نبز میں یادیں تیری
صبر ہے تو نس اتنا زندہ ہوں میں

(سماویہ چوھدری عبید اللہ)

(شہر. لاہور)

گئی تو نہ میں خوش رہ پاؤنگا اور نہ آپ لوگوں کی چہیتی عروسہ۔

اور آپ لوگ بھی ہمیں اس طرح دیکھ کر بے سکون رہینگے۔

ٹھیک ہے۔۔ جاؤ بھائی ہم تمہیں اب مجبور نہیں کرینگے۔۔

ابا ان کی بات سن کر تھکے تھکے لہجے میں بولے تھے۔ اماں کو تو ان کی بات سن کر دلی صدمہ ہوا تھا۔ وہ تو آگے سے کچھ بول ہی نہیں پائیں انہیں کچھ۔ کتنا ارمان تھا انہیں اپنے مرحوم بھائی بھاوج کی نشانی کو ہمیشہ کے لئے اپنے پاس ہی رکھنے کا۔ اپنے بیٹے کی بہو کے طور پر اسے ہمیشہ دیکھا تھا۔۔ مگر افسوس انکے بیٹے نے ان کے اس خواب کو تعبیر ملنے سے پہلے ہی زمین بوس کردیا تھا۔ بہر حال ابا کے کہنے پر وہ کمرے سے نکل گئے تھے۔ مگر نکلتے ہی ٹھٹک کر رک گئے دروازے کے پاس وہ کھڑی تھی جس سے وہ بے انتہا نفرت کرتے تھے۔

اور یہ بغض اور عناد بچپن سے ہی دل میں پرورش پا رہا تھا۔ اس کی ہر اچھائی اور خوبی پھر کہاں انہیں نظر آتی۔ وہ سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر ان کا غصہ اور بڑھ گیا تھا۔۔ ابھی وہ اسے کچھ بولنے ہی والے تھے کہ اس نے اپنا جھکا سر اٹھایا تھا۔ کچھ تھا ان بڑی بڑی آنکھوں میں جس کے سبب وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے تھے۔ اور نا جانے کیوں ایک عجب سے درد کا احساس جاگا تھا۔ وہ اپنی کیفیت کو سمجھ نہ پائے۔ بس اسے دیکھے گئے اور پھر ایک دم سر جھٹکا تھا انہوں نے اور تیزی سے وہاں سے نکل گئے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆

اماں! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔۔۔

بولو سن رہی ہوں۔

وہ میں چاہتا ہوں کہ آپ غفور انکل کے گھر میرا رشتہ لے کر جائیں ان کی بیٹی آسیہ کے لئے۔۔۔

اماں جو پالک کاٹتے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی تھیں نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔۔ اور پھر سر جھکا لیا۔۔۔۔

اماں آپ نے جواب نہیں دیا مجھے۔۔۔

جو تم چاہتے ہو وہی ہوگا۔ تمہارے ابا اور میں چلے جائینگے بیٹا ان کے گھر۔۔

مگر کب اماں۔۔

وہ انکی بات سن کر خوشی سے بولے تھے۔۔

تم کہو تو آج ہی شام میں چلے جاتے ہیں اور اگر صبر نہیں ہو رہا تو ابھی جا کر بات کر آتی ہوں میں۔

وہ بہت سنجیدہ لہجے میں انہیں دیکھ کر بولیں تھیں۔۔

ارے نہیں اماں میں نے تو بس آپ کو اپنی پسند بتانا تھی اور بس۔۔

ٹھیک۔۔

ان کے اتنا بولنے پر بس اتنا کہا تھا انہوں نے۔ وہ جو پیچھے کھڑی ماں بیٹے کی گفتگو سن رہی تھی۔ کچھ ہوا تھا اس کے دل کو۔ ٹوٹا تھا اندر کچھ اس کے۔ جس کی آواز صرف وہ سن سکتی تھی۔۔

چلو خوش فہمی بھی ہوا ہوئی

چلو یکطرفہ محبت بھی

اپنے انجام کو پہنچ گئی

میرے دل ابھی ٹھہر جا ذرا

کچھ اور ترکش میں تیر باقی ہیں

میر دشمن کے ابھی۔

دل سے ندا آئی تھی۔ درد سے بھرے شعر اس رات اس نے اپنی پیاری ڈائری کی نظر کئے تھے۔ آخری بار وہ روئی تھی اس ہرجائی کے لئے۔ آخری بار جشن منایا تھا اپنی محبت کی ناقدری کا۔ آخری بار بس آخری بار

☆ ☆ ☆ ☆

آج ان کی منگنی تھی آسیہ سے۔ وہی آسیہ جس سے شادی کے خواب وہ دیکھتے تھے۔ اسے پانے کی چاہ رکھتے تھے لیکن بے روزگاری کے سبب اپنی خواہش کو دل میں چھپائے بیٹھے تھے۔ آج وہ ان کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھی تھی۔ انہی کی طرح گوری چٹی خوبصورت نازک سی آسیہ۔ اسی وقت عروسہ اماں کے ساتھ اوپر اسٹیج پر اماں کو سہارا دیتے ان کا ہاتھ پکڑے چڑھی تھی اور اماں کو آسیہ کے پاس بٹھا دیا تھا اور خود اسٹیج پر رکھے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ گرے کلر کے خوبصورت ڈیسنٹ سوٹ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس کا سانولا روپ دمک رہا تھا ایک بار ان کی نظر اس پر پڑی تھی۔ اور پھر آسیہ کے سوہنے روپ نے انہیں اس کی اور دوبارہ دیکھنے نہیں دیا تھا۔۔

☆ ☆ ☆ ☆

ان کی منگنی ہوئے بھی دو مہینے بیت گئے تھے۔۔۔ اس دن آفس سے آئے تو اماں نے بڑی خوشی سے بتایا تھا کہ ان کے چاچا جو ڈنمارک میں رہتے ہیں دو دن بات پہنچ رہے ہیں اپنی فیملی کے ساتھ۔۔

اتنے عرصے بعد ہماری یاد کیسے آگئی فہیم چاچا کو۔۔۔

ارے تمہارے اکلوتے چاچا ہیں اور تم اس طرح بول رہے ہو۔ بھئی ویسے وہ تمہارے کزن نعمان کی شادی پاکستان میں کرنا چاہتے ہیں۔۔

اچھا حیرت ہے خود ایک ڈچ عورت سے شادی کی مگر اپنے سپوت کے لئے ایک دیسن ڈھونڈ رہے ہیں۔۔

وہ بولے تو اماں کو ان کی یہ بات پسند نہیں آئی۔۔

تمہاری چاچی ہم سے زیادہ باعمل مسلم ہے۔ باحجاب۔ انہوں نے شادی سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ تمہارے چاچا سے ان کی ملاقات تو کافی دیر بات ہوئی تھی۔

وہ بولیں تو انہوں نے کندھے اچکائے تھے اور باتھ روم میں گھس گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆

فہیم چاچا اور ان کی فیملی کو پاکستان آکر ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ فہیم چاچا کا بھی ایک ہی اکلوتا بیٹا تھا۔ خدیجہ آنٹی بڑے دھیمے لہجے میں روانی سے اردو بولتی شہیر کو حیران کر گئیں تھیں۔ اور نعمان بھی اچھی خاصی اردو بول لیتا تھا۔ اس وقت بھی سب لاؤنج میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ابھی شہیر گھر نہیں پہنچے تھے۔

خدیجہ میں کل تمہیں مسز ہمدانی کے پاس لے چلوں گی۔ میری بہت اچھی دوست ہیں۔ ان کی بیٹی عروسہ کے ہی عمر کی

ہے۔ بڑی پیاری بچی ہے۔ سلیقہ مند۔ پڑھی لکھی۔ ایم بی بی ایس ابھی کمپلیٹ کیا ہے۔

وہ تو ٹھیک ہے بھابھی مگر۔۔

مگر کیا۔ بھئی کوئی زبردستی تھوڑی ہے۔ اچھی لڑکی ہے۔ اگر اچھی لگے تو بات آگے بڑھائینگے ورنہ نہیں۔

بھابھی نعمان کو جیسی لڑکی چاہئیے وہ جب گھر میں ہی موجود ہے تو باہر ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔

تمہارا مطلب عروسہ۔ اپنی عروسہ مگر میری بیٹی تو صرف انٹر پاس ہے۔

تو کیا ہوا بھابھی۔ شادی کے بعد اگر وہ آگے پڑھنا چاہے تو تعلیم کا سلسلہ جو منقطع ہو گیا ہے پھر سے وہیں سے شروع کر سکتی ہے۔

تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔ مگر نعمان۔ کیا نعمان سے خدیجہ تم نے بات کی ہے۔ کیا وہ عروسہ کے لئے راضی ہے۔

ان کی بات سن کر اماں تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ مگر ذہن میں ایک خدشے نے سر اٹھایا تو فوراً پوچھ بیٹھیں۔

نعمان نے خود مجھ سے کہا ہے بھابھی۔ اسے عروسہ بڑی پسند آئی ہے۔ آپ نے اس کی بڑی اچھی تربیت کی ہے۔۔ اور نعمان کو ایسے ہی لائیف پارٹنر کی ضرورت ہے۔۔

ہمیں بھی بڑی خوشی ہوگی خدیجہ فہیم۔۔ اسی بات پر کچھ میٹھا ہو جائے رخشندہ بیگم۔

ابا خوشی سے بولے تھے۔۔

کیوں نہیں بھابھی آج آپ ہم سب کے لئے گجریلا بنا لیجئے۔ یقین مانئے ترس گیا ہوں آپ کے ہاتھ کے میٹھوں کے لئے۔

خدیجہ کھانے اچھے بنا لیتی ہیں مگر اپنے دیسی میٹھے بنانا سیکھ نہیں سکیں۔

فہیم ماموں بولے تھے تو خدیجہ تھوڑی سی خجل ہوئی تھیں اور اماں نے ہنستے ہوئے کچن کی راہ لی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆

وہ گھر پہنچے تو سب کو لاؤنج میں موجود پایا۔ عروسہ اما اور خدیجہ چاچی کے درمیان تخت پر بیٹھی تھی۔ اماں بار بار عروسہ کو لپٹا رہی تھیں پیار کر رہی تھیں اور خدیجہ آنٹی نے عروسہ کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔

اسلام علیکم۔۔

وعلیکم اسلام۔۔۔

بھئی واہ بہت اچھے موقع پر آئے ہو بھائی تم۔ لو منہ میٹھا کرو۔ ہماری بھابھی نے گجریلا بنایا ہے۔۔

مگر کس خوشی میں فہیم چاچا۔

فہیم چاچا نے انکے منہ میں گجریلے سے بھرا چمچ ڈال دیا تو ان سے پوچھا تھا۔

ہم نے نعمان اور عروسہ کا رشتہ طے کر دیا ہے برخوردار۔ اسی مہینے کی بیس تاریخ کو شادی ہے دونوں کی۔

ابا نے بہت سپاٹ انداز میں انہیں بتایا تھا۔ بلکے شاید جتایا تھا انہیں کے تم نے ٹھکرایا اسے مگر تم سے بہتر اللہ نے اس کی زندگی میں شامل کر دیا۔

وہ چونکے تھے۔ میٹھا حلق سے اترنا مشکل ہو گیا تھا اس لمحے۔

بے اختیار اسے دیکھا تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے پاک تھا۔

نعمان کو مبارک باد نہیں دو گے تم۔۔

ابا نے پھر ٹیز کیا تھا۔۔

مبارک ہو۔۔۔۔۔

ابا کے کہنے پر انہوں نے نعمان کو مبارک باد دی تھی اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

ارے ہمارے ساتھ کچھ دیر تو بیٹھو۔

فہیم چاچا میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔ آپ لوگ بیٹھیں میں تھوڑا ریسٹ کرونگا۔

ان سب کو وہیں چھوڑ کر وہ اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔ اور خلافِ معمول منہ ہاتھ دھوئے بغیر ہی اپنے بیڈ پر لیٹ گئے تھے۔ کچھ عجیب سی کیفیت نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ کتنی دعائیں مانگی تھیں انہوں نے کے وہ ان کے گھر سے ہمیشہ کے لئے چلی جائے۔ اسے برداشت کرنا ان سے دوبھر ہو گیا تھا۔ وہ تو اس کی جلد از جلد شادی ہو جانے کی بھی دعائیں مانگا کرتے تھے مگر آج جب اس کا رشتہ ان کے اپنے کزن سے طے ہو رہا تھا تو پتا نہیں کیوں انہیں یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ ایسی ہی سوچوں میں گھرے ہوئے تھے تب ہی سیل فون نے بجنا شروع کر دیا۔ بے دلی سے فون اٹھایا تھا انہوں نے۔۔

ہیلو۔۔۔۔۔

کہاں ہو شہیر۔ کب سے ویٹ کر رہی ہوں تمہارا۔

ہاں کچھ تھکن سی ہو رہی ہے آسی (آسیہ)۔

ارے ابھی تو جب تم ڈرائیو کر رہے تھے تبھی تو ہماری بات ہوئی تھی تب تو بالکل ٹھیک تھے تم۔ اب کیا ہو گیا تمہیں۔

ضرور اس کلن نے موڈ خراب کیا ہو گا۔

وہ نان اسٹاپ بولے گئی تھی۔ اور ہمیشہ رس گھولتی آواز انہیں اس وقت زہر لگ رہی تھی۔ اور دل چاہ رہا تھا کے وہ پٹر پٹر بولنے کی بجائے چپ ہو جائے اور فون بند کر دے۔

میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آسی۔ میں آج نہیں آ سکتا۔ سوری۔

یہ کہہ کر مزید اس کی سنے بغیر فون بند کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆

دل میں تیری تمنا ہے کیا کیا جائے
حالات پر سارہیں کیا کیا
میرے ارادے بھی پرخطا ہیں کیا کیا جائے
تجھ سے خفا بھی ہوں کیا کیا جائے
تجھ پے بھروسہ ہے اور نہیں بھی کیا کیا جائے
جن سے غرض ہے وہ تر کش ہیں کیا کیا جائے
اک ہم ہی وفادار ہیں کیا کیا جائے

(سماویہ چوھدری عبید اللہ)

(شہر. لاہور)

آج چھٹی تھی۔ آج وہ گھر ہی پر تھے۔ کل ہی تو انہیں پتا چلا تھا کہ عروسہ اور نعمان کی بات طے ہونے کا۔ آسیہ ان سے سخت ناراض تھی۔ مگر اسے منانے اس کے گھر تو جانا دور کی بات تھی اسے فون تک نہیں کیا تھا۔۔۔ وہ ان کی منظورِ نظر تھی ان کی من پسند۔ مگر پتا نہیں کیوں وہ اس سے دور بھاگ رہے تھے۔

وہ جب اپنے کمرے سے نکلے تو نعمان کو لاؤنج میں بیٹھے دیکھ کر منہ بن گیا۔ اسی وقت وہ بھی اماں کے کمرے سے نکلی تھی ہلکے فیروزی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے۔ ڈھیلی ڈھالی چوٹی ڈالے۔ نکھرا نکھرا وجود۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے گئے۔ اس کی بھی نظر اٹھی تھی ان کی طرف۔ اور چونکی تھی ان کے اس طرح دیکھنے پر۔ پھر فوراً ہی نظریں پھیر لیں۔

اسلام علیکم شہیر کیسے ہیں آپ۔

نعمان خوش دلی سے بولے تھے۔

وعلیکم اسلام۔۔ میں ٹھیک ہوں آپ سناؤ۔

وہ نعمان کے پاس سوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے تھے۔

الحمدُاللہ۔ اللہ کا احسان ہے۔ اچھا مجھے اجازت دیجئے۔

چلیں عروسہ۔۔

جی۔۔۔

وہ دھیمے لہجے میں بولی تھی۔۔۔ اور وہ چونکے تھے۔۔۔

آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں۔۔۔

جی میں اور عروسہ شاپنگ پر جا رہے ہیں۔ بہت کم ٹائم رہ گیا ہے اور مما چاہتی ہیں جو بھی عروسہ کے لئے لوں انہی کی پسند کا لوں۔

کیا مطلب۔ بہت کم ٹائم رہ گیا ہے۔ میں سمجھا نہیں۔

اسی ہفتے دونوں کا نکاح ہے شہیر۔

اماں کی آواز پر انہوں نے چونک کر دیکھا تھا انہیں۔ اور بے اختیار عروسہ پر نظریں ٹک سی گئی تھیں۔ اسی پل اس نے بھی نگاہیں اٹھائیں تھیں انہیں دیکھا تھا۔ بس وہ ایک لمحہ تھا جب نظروں سے نظریں ملیں تھیں۔ اور آگہی کا در ان پر کھول گئی تھیں۔ ایک ایسا درد جگا گئی تھیں جو اب وقت کے ساتھ ناسور بن جانا تھا۔ اماں سے ان کی یہ کیفیت چھپی نہ رہ سکی۔ وہ تاسف سے اپنے بیٹے کو دیکھتی رہ گئیں۔ نعمان نے انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے باہر کی راہ لی تھی اور عروسہ جب ان کے پاس سے ہو کر گزری تو بے اختیار دل نے اسے پکارا تھا۔ نہ جانے کیسے اس نے ان کے دل کی آواز سن لی تھی۔ وہ رکی تھی اور ایک نظر ان کو دیکھا تھا۔ بس وہ ایک نظر۔ جو انہیں بری طرح گھائل کر گئی تھی۔ وہ چلے گئی۔ مگر وہ وہیں کھڑے رہ گئے۔ ان کی نگاہوں نے دیر تک اس کا پیچھا کیا تھا جب تک وہ مین ڈور سے باہر نہ نکل گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆

آج اس کا نکاح تھا۔ وہ گھر پر ہی تیار ہوئی تھی۔ مگر جو رنگ و روپ اس پر آیا تھا۔ وہ ان کی گوری چٹی منگیتر پر مہنگے ترین پارلر سے تیار ہو کر بھی نہیں آیا تھا۔ تھوڑی در بعد سب کو

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ 5.L/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

ہوٹل کے لئے نکل جانا تھا۔وہیں پر نعمان اور عروسہ کا نکاح بھی ہونا تھا۔ اماں ابھی عروسہ کی بلائیں لے کر آنکھوں میں آئے آنسوئوں کو اپنے دوپٹے سے پوچھتی باہر نکلی تھیں ۔ انہوں نے اماں کو نکلتے دیکھا تھا اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے وہ اس کے کمرے تک پہنچے تھے ۔ اور آہستہ سے دروازہ کھولا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں مگن تھی اسے خبر ہی نہ ہوئی ۔ وہ اسے دیکھ رہے تھے بہت ہی ہلکے گلابی اور گرے رنگ کے سلور اور ڈل گولڈ کے کارچوبی اور موتیوں اور نگینوں کے کام والا شرارہ پہنے وہ بے انتہا حسین لگ رہی تھی ۔ سر جھکائے نا جانے کیا سوچ رہی تھی۔

عروسہ !

ہلکے سے اس کا نام پکارا تھا درد سے بھری اس پکار پر اس نے سر اٹھایا تھا۔ اور حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو دیکھ کر وہ بے اختیار اس کے قریب بیٹھ گئے تھے۔

میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں عروسہ ۔ کچھ بتانا چاہتا ہوں تمہیں۔ جسے میں نفرت سمجھتا رہا تمہارے لئے وہ نفرت نہیں تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ تم نے میری جگہ لے لی ہے۔ اماں ابا کو تم سے زیادہ محبت ہے بہ نسبت میرے۔ میں سمجھتا تھا کے تم یہاں سے چلے جاؤ گی تو ہی مجھے سکون ملے گا۔ کتنا نادان تھا نا میں۔ تمہیں ٹھکرا کر سمجھتا تھا کہ میں نے جو کیا سہی کیا۔ اماں نے کہا تھا مجھے ۔تم بہت پچھتاؤ گے شہیر اور میں ان کی اس بات پر اس وقت دل میں خوب ہنسا تھا۔ مگر انہوں نے کتنا صحیح کہا تھا ۔ آج میں واقعی میں پچھتا رہا ہوں ۔ تمہیں کھو کر ---- میں ---- میں --- ہنہ میں سمجھتا تھا کہ میری تمام محرومیوں کی ذمہ دار تم ہو ۔ مگر میں نادان نے بہت دیر کردی یہ سمجھنے میں کہ تم ہی سے تو میری زندگی میں بہار تھی ۔ تمہارے جانے کے بعد تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔۔ سب کچھ۔۔

پھر وہ رکے نہیں تھے ۔ بہت تیزی سے اٹھ کر اس کے کمرے سے نکل گئے تھے ۔ اور وہ حیرت اور غم کی تصویر بنی ان کے پیچھے بند ہوتے دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆

عروسہ کے نکاح کو چھ مہینے گزر چکے تھے۔ اور اب وہ اپنے شوہر نعمان کے پاس جانے والی تھی۔ اماں لاؤنج میں بیٹھی تھیں تبھی پڑوس سے خالہ نسیم آگئیں ملنے اور دونوں اِدھر اُدھر کے قصے لے کر بیٹھ گئیں۔

ویسے شہیر میاں کی منگنی ٹوٹنے کا بڑا افسوس ہوا ہے مجھے ۔ وہ آسیہ تھی بھی ایسی ہی۔ سنا ہے ہر لڑکے کے ساتھ ہی اس کا چکر تھا محلے کے ۔ اچھا ہی ہوا شہیر میاں کی جان چھوٹ گئی ۔ اس چھمک چھلو سے۔

اماں کیا جواب دیتیں خاموش ہو رہیں ۔ سامنے سے آتے شہیر نے بھی خالہ کی بات سنی تھی اور زخمی سی مسکراہٹ چہرے پر پھیل گئی تھی ان کے۔

☆ ☆ ☆ ☆

میں محمد شہیر خان ایک تنگ دل اور خود پسند شخص۔ اپنی جھوٹی انا اور خود ساختہ محرومی کے ہاتھوں برباد ہو گیا۔ اپنی ذات سے جڑے ہر رشتے کو دکھی کرتا ان کے جذبات کو اپنی نفرت کے ترازو میں تولتا انہیں روندتا چلا گیا۔ میری نفرت عروسہ سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتی تھی۔ نہیں جانتا تھا کہ یہی نفرت آگے جا کر کیا گل کھلائے گی۔ میں سمجھتا تھا کہ میرے دل میں عروسہ کے لئے نفرت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ نہیں جانتا تھا اس نفرت کے بیچ محبت کا بیج بچپن میں میرے دل کی زمین میں بویا جا چکا ہے۔ جو چپکے چپکے وقت کے ساتھ ایک تناور محبت کے درخت میں تبدیل ہو جائے گا۔ جس کی جڑیں میخوں کی طرح میرے دل کی زمین میں گڑھ چکی تھیں اور اس محبت کو اکھاڑنا میرے بس سے باہر ہو جائے گا اور نفرت کی سوکھا سڑا پیڑ اس کے سامنے ٹھہر نہ پائے گا۔ دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے چلے گئے۔ عروسہ ڈنمارک چلے گئی اور اماں ابا میری شادی کا خواب آنکھوں میں سجائے اس دنیا سے آگے پیچھے ہی رخصت ہو گئے۔ اور میں رہ گیا تنہا اور اکیلا۔ خالی دامن۔ صرف پچھتاووں کے ساتھ۔ کبھی سوچتا ہوں میں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ خود کی تباہی کا ذمہ دار میں ہی ہوں۔ کاش میں پہلے جان لیتا کہ وہ میرے لئے کیا ہے تو شاید حالات ایسے نہ ہوتے۔ وہ میرے پاس ہوتی مگر۔۔ افسوس آگہی کا در کھلا بھی تو اس وقت جب مجھ پر سارے در بند ہو چکے تھے بخت کے۔ عروسہ پھر کبھی پاکستان نہیں لوٹی۔ اس کے لئے رہ ہی کیا گیا تھا یہاں اماں ابا کے بعد۔ اور میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ واپس لوٹے۔ اور مجھے اس حال میں دیکھے۔ میں نے اپنی زندگی یوں ہی تباہ کر دی۔ میں نے شادی نہیں کی۔ عمرِ زیاں کا احساس شدد سے ہونے لگا ہے۔ مگر گیا وقت لوٹ کر واپس نہیں آ سکتا۔ یہ محبت رگِ جاں سے لپٹ گئی ہے میرے۔ سانسوں کے تھمنے پر ہی اس درد کا احساس ختم ہو گا اب۔ شائد مجھ جیسے کے لئے یہی سزا قدرت نے رکھی تھی۔ اور اسی طرح مجھے جینا تھا عمرِ زیاں کے احساس کے ساتھ۔

دیکھ کر اسکی آنکھ میں آنسو\
دل بیچارا رویا تھا بہت\
نہ نبھا سکا جو عہد وفا\
اسی کا غم ستاتا تھا بہت\
جیت کر بھی ہار گیا ہوں میں\
کچھ اس طرح سے وہ ہارا تھا بہت\
میں جانتا ہوں محبت کو مگر\
حق الفت اسی نے نبھایا تھا بہت\
جسے تنہا چھوڑ کر چل دیا تھا میں\
پھر اسے ہی دل نے پکارا تھا بہت\
چھوڑ گیا وہ یہ شہر بھی دیکھو\
کچھ اس طرح اسے ستایا تھا بہت\
ڈھونڈتا ہوں گلی گلی جسے اب\
وہی ایک شخص نایاب یہاں تھا بہت

☆ ☆ ☆(ختم شد) ☆

داستانِ غم

(غلام یاسین نوناری)

راشد خان میرا بہترین دوست اور کولیگ تھا. ہم ایک ٹیکسٹائل مل میں جاب کرر ہے تھے. راشد خان ہنس مکھ انسان تھا. ہمارا گھر چونکہ دوسرے شہر میں تھا. اس لیے ہم مل میں ہی ایک کوارٹر میں رہائش پزیر تھے. ہمارے کوارٹر میں چار اور ورکر رہتے تھے. یا یوں کہہ لیجئے کہ ہم چھ ورکر ایک کوارٹر میں رہ رہے تھے. راشد خان کی شگفتہ مزاجی نے اسے ہم سب میں مقبول کر رکھا تھا. وہ بات بات پر شگوفے بکھیر دیتا اور آٹھ گھنٹے کی کٹھن ڈیوٹی کی طویل تھکن پل بھر میں راشد خان کے شگوفوں سے ڈر کر اڑنچھو ہو جاتی... میں خود شگفتہ مزاج رکھتا تھا. اس لیے راشد خان سے جلد ہی میری دوستی ہو گی تھی. اور کچھ عرصہ گزرنے پر ہم نہایت بے تکلف دوست بن چکے تھے. راشد خان کراچی سے آیا تھا... میں نے جب پہلی بار سنا تو حیرت سے پوچھا "یار راشد!! پنجاب سے لوگ کراچی کا رخ کرتے ہیں اور تو پنجاب آ گیا..." میری بات سن کر وہ مسکرایا... مسکراتے ہوئے اس کے سفید دانت چمکنے لگے.

"بس یار... جہاں تقدیر دانہ پانی پھینک دے، وہاں سے دانہ پانی حاصل کرنے جانا ہی پڑتا ہے. اور ادھر مجھے تقدیر لائی ہے"

میں سمجھ گیا. وہ ٹالنا چاہتا ہے...

اس کے بعد میں نے کبھی اس سے اس بابت سوال نہ کیا.

ایک روز میں ڈیوٹی سے واپس آیا. اس دن میری نائیٹ شفٹ چل رہی تھی. رات دس بجے سے صبح چھ بجے تک ڈیوٹی ٹائم تھا. جب میں کوارٹر میں داخل ہوا تو چھ بج کر دس منٹ ہو رہے تھے... راشد خان کی اس روز چھٹی تھی. اس لیے وہ اپنی چارپائی پہ سو رہا تھا.. میں نے اسے جگایا "راشد.. اٹھو نماز کا وقت نکل جائے گا..." میں نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا.. وہ اٹھ بیٹھا... "کیا بات ہے سعدیہ..." اس نے غنودگی کے عالم میں کہا... میں چونک کر اسے دیکھنے لگا. سعدیہ.. کون ہو سکتی ہے سعدیہ... کیا اس کا تعلق راشد کے خاندان سے ہے؟ کیوں کہ جاگنے سے پہلے عالم غنودگی میں انسان اس کا نام لے سکتا ہے جو اس کے آس پاس ہو.. جس سے وہ خوب

واقف ہو... میں سوچتے ہوئے راشد خان کو دیکھنے لگا... تب وہ جاگ گیا اور میری طرف چند لمحے خالی نظروں سے دیکھتا رہا. پھر بولا "ڈیوٹی سے کب آئے یار" میں نے اسے بتایا کہ ابھی آ رہا ہوں... پھر وہ اٹھا اور واش روم چلا گیا... میں نے بھی واش بیسن پہ وضو کیا اور جب راشد خان واش روم سے نکلا اور وضو کر چکا تو ہم نے گرم شالیں جسم کے گرد لپیٹ لیں اور مسجد کی طرف روانہ ہوئے...

مسجد سے واپس آ کر ہم نے ناشتہ تیار کیا. باقی ساتھی بھی آ چکے تھے. ہم نے کھانے کا سامان کوارٹر میں رکھا ہوا تھا. ہمارا ایک ساتھی انور بہترین کک تھا. اس لیے ہم کینٹین سے فضول سا کھانا کھانے کی بجائے خود تیار کر لیتے. اس طرح ایک تو اچھا کھانا تیار ہوتا دوسرا پانچ پانچ سو روپے کی بچت بھی ہو جاتی... سب نے ناشتہ کر لیا تو اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے. میں اور راشد مل میں موجود منی باغ کی طرف آ گئے. یہ باغ مل مالک نے بنوایا تھا. اس میں بہت نایاب قسم کے پودے اور درخت لگے ہوئے تھے. قریباً ایک ایکڑ پر مشتمل یہ خوبصورت باغ راشد اور میری بہترین تفریح گاہ تھا.. باغ میں مختلف جگہ بڑے درختوں کے نیچے لکڑی کے بنچ رکھے تھے ہم بھی ایک بنچ پہ جا بیٹھے. تب میں نے کہا "راشد خان! ایک بات کروں. اگر تم ناراض نہ ہو جاؤ"

راشد نے مجھے ایسی نظروں سے گھورا جیسے میری دماغی حالت پہ شبہ کر رہا ہو.

"اس سے پہلے کبھی تم سے ناراض ہوا؟"

اس کے لہجے میں خفگی کا تاثر نمایاں تھا.

"نہیں یار... لیکن بات کچھ ایسی ہے کہ مجھے خدشہ ہے تم برا نہ مان جاؤ"

وہ چند لمحے میرے چہرے پر نظریں جمائے دیکھتا رہا. پھر ہنس کر بولا.

"تم مجھے گالی نہ دینا بس... باقی کسی بات پہ میں ناراض نہیں ہوتا. لیکن گالی مجھے بہت بری طرح لگتی ہے. دماغ میں آگ لگ جاتی ہے گالی سے"

"سعدیہ کون ہے"

میں نے آخر وہ سوال کر ہی ڈالا جو کافی دیر سے دماغ میں کلبلا رہا تھا.

میرا سوال سن کر راشد خان کا چہرہ متغیر ہو گیا... اس نے میری طرف عجیب و غریب نظر سے دیکھا...

"تت... تم کیا جانتے ہو سعدیہ سے متعلق"

"صرف نام جانتا ہوں"

"کیسے؟"

"آج صبح عالم غنودگی میں تم نے سعدیہ کا نام لیا تھا. بس مجھے تجسس ہوا کہ موصوفہ کون ہیں؟"

میری بات سن کر راشد خان کی کیفیت میں ٹھہراؤ آ گیا... آہستہ آہستہ وہ نارمل ہو گیا.

"سعدیہ..." اس نے سرد آہ بھری...

"کیا جاننا چاہتے ہو تم سعدیہ سے متعلق"

>"سب کچھ. اگر تم برا نہ مانو..."اس کی کیفیت بتا رہی تھی رابعہ سے اس کا گہرا اسمندہ رہا ہو گا.

>"میں نے آج تک یہ داستان اپنے سینے میں چھپا کر رکھی ہے. میں نہیں چاہتا کہ کوئی میری داستان سے دکھ محسوس کرے... میری یہ داستان زخموں سے بھری ہوئی ہے."اس کا لہجہ غم واندوہ سے بھاری ہو گیا.

>میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اتنا ہنس مکھ.. پر مزاح و پر شگفتہ انسان اپنے اندر کسی دکھی داستان کو چھپائے ہوئے ہے.

>اس دن راشد خان نے مجھے اپنی کہانی سنائی... میں اس کی کہانی سن کر گم صم رہ گیا تھا.... راشد نے بتایا کہ "ہم کراچی میں کورنگی میں رہتے تھے. ہم دو بہن بھائی تھے. سعدیہ مجھ سے دو برس بڑی تھی. امی ہمارے بچپن میں فوت ہو گئی تھیں. اس وقت ابو جوان تھے.. انھوں نے شادی کر لی اور ہم سوتیلی ماں کے زیر عتاب آگ ئے. میں اس وقت پانچ برس کا تھا جبکہ سعدیہ سات کی. سوتیلی امی کا رویہ سعدیہ کیساتھ تو بہتر تھا لیکن مجھ سے ان کا گویا خدا واسطے کا بیر تھا. مجھ پر وہ خاص نظر رکھتیں. ان کے دو بچے تھے. حامد اور صبا.. .مجھے ان کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر وہ بیخ پا ہو جاتیں اور مجھے بہت مارتیں...

>میں حیرت سے انہیں دیکھتا.... ایک روز تنگ آ کر میں نے ابو سے شکایت کر دی.. میں نے سوچا تھا ابو امی کو خوب ڈانٹیں گے. اس طرح آئندہ کبھی امی مجھے نہ ماریں گی. لیکن میری بات سن کر ابو نے مجھے تھپڑ مارا اور مجھے ماں کی گالیاں دینے لگے. سعدیہ مجھے وہاں سے لے گی.

>اس وقت میں بچہ تھا. لیکن بعد میں پتا چلا کہ ابو بے تحاشا پینے لگے تھے. ابو کے پاس بہت پیسہ تھا. میری سوتیلی ماں کا نام فرزانہ تھا. وہ ایک لالچی عورت تھی. اس نے لالچ کی وجہ سے ابو سے شادی کی تھی.. ابو کو شراب نوشی پر فرزانہ ہی نے لگایا. میں اسے ماں کہہ کر اس پاک رشتے کا تقدس پامال نہیں کر سکتا... ابو آہستہ آہستہ شراب میں غرق ہونے لگے تھے... فرزانہ ان سے خوب پیسہ نکلوا رہی تھی. کبھی شاپنگ کے نام پر تو کبھی علاج معالجے کے نام پر.. اس کے بچے اعلی اسکولوں میں پڑھ رہے تھے جبکہ ہم ایک عام سے اسکول میں پڑھتے تھے..... میری سوتیلی ماں کے ظلم وستم روز بروز بڑھتے جا رہے تھے... سعدیہ کو اب اس نے کچن میں کام کرنے پر مجبور کر دیا تھا... وہ بیچاری اسکول سے آ کر کچن میں مصروف ہو جاتی.... پہلے ایک عورت کھانا بنانے آتی تھی . فرزانہ نے اس کی چھٹی کرا دی اب سارا کام سعدیہ کو کرنا پڑتا.. سعدیہ ذہین تھی مگر اب کام کی زیادتی کی وجہ سے وہ سکون سے پڑھ نہ پاتی اور اسکول میں اسے روزانہ شرمندہ ہونا پڑتا... جیسے تیسے شب و روز گزرتے رہے. میں پانچویں سے چھٹی میں آ گیا اور سعدیہ آٹھویں میں... میں سعدیہ سے بہت محبت کرتا تھا.

>

>شب وروز سست روی سے محو سفر رہے۔ میں بڑا ہو گیا۔ جس دن میں نے کالج میں داخلہ لیا اس دن ابو کی ڈیتھ ہو گی۔ اس ڈیتھ میں فرزانہ کی سازش شامل تھی۔ ابو چھت سے گر کر ہلاک ہوئے تھے... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے ثابت کیا کہ اس دن انھوں نے معمول سے زیادہ پی لی تھی۔ کاروبار پر فرزانہ کا قبضہ تھا۔ وہ سارا پیسہ ہڑپ کرنا چاہتی تھی۔ سو اس نے ابو کو مار دیا۔ اس دن میں نے محسوس کیا جیسے میں بے سایہ ہو گیا ہوں... ماں کے بعد ہمارا واحد سہارا ابو تھے جو ہمیں سوتیلی ماں کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر راہ عدم پہ روانہ ہو گئے.. .سعدیہ اور میں اس دن اتنا روئے کہ سب دیکھتے رہ گئے۔

>اور یہ ابو کی ڈیتھ کے ساتویں دن کا ذکر ہے۔ فرزانہ عدت میں تھی لیکن اس کے اطوار نرالے تھے۔ ہر وقت بن سنور کر رہنا اور موبائل پر لمبی لمبی کالیں کرتے رہنا...

>اس روز میں ایک دوست کے پاس گیا ہوا تھا... میں واپس آیا تو گھر میں ایک اجنبی کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ وہ ڈرائنگ روم میں فرزانہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ دونوں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔

>مجھے دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔

>"راشد بیٹا۔ یہ میرے کزن ہیں۔ دلاور... اور یہ میرا بیٹا راشد ہے"

>فرزانہ نے بڑے میٹھے لہجے میں تعارف کروایا...

>میں اس عورت کی چالاکی پہ حیران رہ گیا.. خیر دلاور سے کچھ دیر بات کی پھر اندر چلا گیا۔ سعدیہ چائے بنا رہی تھی... وہ ٹرے لے کر باہر جانے لگی تو میں نے کہا"سعدیہ ٹھہرو۔ میں لے جاتا ہوں" سعدیہ سے ٹرے لے کر میں ڈرائنگ روم کی طرف چلا.... سعدیہ کی بجائے مجھے چائے لاتے دیکھ کر فرزانہ چونکی... میں نے دلاور کے چہرے پر مایوسی کے اثرات دیکھے... "سعدیہ کہاں ہے" فرزانہ نے کہا" کچن میں..." میں نے ٹرے فرزانہ کے ہاتھ میں تھمائی اور واپس مڑ گیا...

دوسرے روز سعدیہ نے مجھے جو خبر سنائی اس نے میرے تن من میں آگ لگا دی... "امی اپنے کزن کو کاروبار میں پارٹنر بنا رہی ہیں" میرا وجود سلگنے لگا۔ میں اسی وقت فرزانہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔ لیکن سعدیہ میرے سامنے آ گئی۔

"بھائی... وہ جیسی بھی ہے ہماری ماں ہے اور ابھی ابو کی ڈیتھ کو ہفتہ نہیں ہوا.. آپ انہیں فی الحال کچھ نہ کہیں"

>"نہیں سعدیہ۔ میں اس کے کزن کو اپنے کاروبار میں شریک نہیں دیکھ سکتا۔ میں خود کاروبار سنبھالوں گا اب!!"

>میں نے حتمی لہجے میں کہا...

>سعدیہ کے بار بار روکنے کے باوجود میں فرزانہ کے بیڈروم میں داخل ہوا۔ وہ ٹی وی پہ انڈین موی لگائے لیٹی تھی...

"میڈم..... بہت برداشت کر لیا۔

>بہت ظلم سہہ چکا.... اب اتنی ہمت نہیں کہ مزید ظلم سہہ سکوں... اب بس کر دو" میری دھاڑ نما آواز نے اسے دہلا دیا... ریموٹ سے ٹی وی آف کر کے وہ حیرت اور خوف سے مجھے دیکھنے لگی... "کل سے کاروبار میں خود سنبھال رہا ہوں..

....اور آئندہ تمہارے منحوس کزن کی شکل اس گھر میں نظر آئی تو بہت برا ہو گا" وہ سن ہو کر مجھے دیکھتی رہ گی. میں باہر نکل گیا.

........*

دو دن بعد میں نے کاروبار سنبھال لیا.... میں ابھی بزنس کے حوالے سے اناڑی تھا لیکن رفتہ رفتہ سیکھ ہی جاتا... مینیجر شہزاد حیدر ایک شریف النفس انسان تھا. اس نے کاروبار کو بہت اچھے طریقے سے سنبھال رکھا تھا.

وقت گزرتا رہا... فرزانہ کی عدت ختم ہو گی... اس دوران میں بزنس کے اسرار و رموز سے خوب واقف ہو چکا تھا...

ایک روز میں گھر آیا تو حیران کن منظر میرا منتظر تھا. فرزانہ نے سعدیہ کے بال جکڑ رکھے تھے اور اسے مار رہی تھی. جبکہ سعدیہ بال چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی. میں نے یہ منظر دیکھا تو گرج کر بولا "چھوڑ دو اسے. کیوں مار رہی ہو" میری بات سن کر فرزانہ نے جھٹکے سے سعدیہ کو چھوڑا وہ دیوار سے جا ٹکرائی...

میرا دماغ سلگنے لگا... ایسے میں فرزانہ بول اٹھی... "راشد خان! تمہاری بہن نے تمہاری عزت نیلام کر دی... اس نے دلاور سے یاری گانٹھ لی ہے اور اسے روزانہ ملاقات کے لیئے بلاتی ہے"

فرزانہ کی بات سن کر میں ہکا بکا رہ گیا... میرے دماغ میں انگارے دہکنے لگے... ایسے ہی وقت خاندانی غیرت نے انگڑائی لی اور غیرت کے نقاب نے مجھے اندھا کر دیا... میں اندھادھند اندر کو دوڑا.... اپنے بیڈ روم میں داخل ہوا. بیڈ سائیڈ ٹیبل کی دراز جھٹکے سے کھینچی... اعشاریہ تین چار کا لوڈڈ ریوالور اٹھا کر باہر آ گیا. سینے میں سانس کسی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا. غیرت اچھل اچھل کر انگڑائی لے رہی تھی... میں صحن میں آ گیا. سعدیہ دیوار سے ٹکرا کر وہیں لیٹ گی تھی. میں نے ٹریگر دبا دیا. ایک سماعت شکن دھماکہ... بارود کی بو. اور سہمی ہوئی کرب آمیز چیخ فضا کا حصہ بن گی.

اس وقت میں ہوش کھو بیٹھا تھا.

اس کے بعد پولیس آئی اور رسمی کارروائی کے بعد مجھے لے گی... چند دن بعد عدالت میں سماعت ہوئی. میں نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا. مجھے سات برس قید سنائی گی.... پھر وقت کا پنچھی محو پرواز رہا... کتنے سورج نکلے کتنے چاند ڈوبے....

زندگی ایک ہی طرز پر رواں دواں رہی... اور ایک روز سات برس بیت گئے..... تب میں جیل سے باہر نکالا گیا اور باہر کی دنیا بہت بدل چکی تھی... میں نے کورنگی پہنچ کر اپنا گھر تلاش کرنے میں دیر نہ لگائی... اور اس گھر میں دلاور کو دیکھ کر حیرت ہوئی...... دلاور مجھے گھر لے گیا... میرے لیئے چائے بنوا لایا.. وہ اس وقت بہت خوش مزاجی کا مظاہرا کر رہا تھا...

میں نے تلخ لہجے میں کہا "دلاور خان... تمہاری وجہ سے میری زندگی برباد ہو گی. میں اپنے ہاتھوں اپنی بہن کو مارنے پہ مجبور ہو گیا... فرزانہ کو تو بلاؤ... اس نے مجھے برباد کر دیا.... اور اس کا ساتھ تم نے دیا." دلاور خان نے حیرت سے مجھے دیکھا

پھر بولا" راشد خان.... میری وجہ سے؟؟ میں تو اس دن کے بعد تمہارے گھر آیا ہی نہیں... یہ سب فرزانہ کی سازش تھی. اس نے مجھے سب بتایا.... اس نے سعدیہ پر جھوٹا الزام لگایا. سعدیہ معصوم تھی...شریف النفس تھی...اس کی موت پر دلی طور پر مجھے افسوس ہوا تھا...اور بعد ازاں فرزانہ نے مجھ سے شادی کر لی تھی...ایک رات اس نے مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دیا اور میں حیرت زدہ رہ گیا. اس عورت نے تمہارے ساتھ جو کیا کل میرے ساتھ بھی کر سکتی تھی. بس میں نے اسے طلاق دے دی...کاروبار سارا میں اپنے نام کر چکا تھا. اسے پھوٹی کوڑی نہ دی... تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا مجھے بہت افسوس ہے...اور میں صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ کاروبار تمہارے حوالے کر دوں...کیوں کہ کاروبار کل بھی تمہارا تھا. آج بھی تمہارا ہے"

مجھ پر انکشاف در انکشاف ہوئے تھے... سعدیہ.. میری معصوم بہن.. آہ اس وقت میں فرزانہ کی مکاری کو فراموش کر بیٹھا.... سعدیہ مر گئی تھی...اب کاروبار دولت. میرے لیے کس کام کی... میں نے دلاور کو کاروبار سونپ دیا...اور آخری بار سعدیہ کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر معافی مانگی....اس کے بعد کراچی سے نکل کر ادھر آ گیا.... پانچ برس بیت گئے. ..میں کراچی جانے کا خیال تک ذہن میں نہیں لا سکا."

.........*

شگفتہ مزاج راشد کا ماضی ایسا اندوہناک اور زخموں سے بھرا ہو گا. میں نے سوچا نہ تھا. راشد خاموش ہو چکا تھا. ہم دونوں کے چہرے اشکوں سے تر ہو گئے تھے...

(ختم شد)

از قلم سمیرا احمد

دنیا ہے میری بس خواب سے خواب تک
لفظ لفظ بنتی جیسے کتاب سے کتاب تک
میرے ہر احساس کا عنوان ہو تم ہی
روح میں کھلتے جیسے گلاب سے گلاب تک
ہوئی ہے مکمل ذات میری، تیری ذات سے جڑ کر
تیری محبت کی روشنی میں لکھے ہر جواب سے جواب تک
تیری نظر اور باتوں کے سب دیئے ہیں روشن آج بھی یادوں میں
لمحہ لمحہ بندہ ہے میں نے ماہ و سال کے حساب سے حساب تک
وفا اک دوسرے میں بستی ہے کچھ ایسے ہماری
پاک روحیں چھپی ہوں جیسے حجاب سے حجاب تک

قربانی

سعدیہ چوھدری

پہلا منظر:

"تمہے پتا ہے کل میرے پاپا قربانی کے لیے بکرا لائے۔۔۔اور ہمارہ بکرا پورے محلے میں سب سے بڑا ہے

"لنچ بریک ہوتے ہی سات سالہ علی نے اپنے دوست عمران سے کہا۔۔۔"بسس ایک بکرا۔۔۔میرے بابا تو دو بکرے لائے ہیں قربانی کے لیے اور وہ بھی نسلی۔۔۔عمران نے کچھ جتلانے والے انداز میں علی کی بات کا جواب دیا

دوسرا منظر:

اوے عرفان۔۔۔پہلے بنک چلنا ہے اور پھر مویشی منڈی

"چودری صاحب نے گاڑی میں بیٹھتے ہی اپنے ڈرائیور کو پروگرام سے اگاہ کیا۔۔۔

جی بہتر چودری صاحب۔۔۔عرفان نے اپنے مالک کی بات سن کر حکم کے مطابق گاڑی بنک کے راستے پے ڈال دی

"اس بار تو حوب چھان پھٹک کر ہی جانور لوں گا دو بکرے اور ایک بیل۔۔۔پیسے چاہے جتنے بھی لگ جائیں کوئی فکر نہیں پر علاقے میں جانور کی دھوم مچ جانی چاہیے۔۔۔پچھلی دفعہ پتا نہیں کیسے چودری اسلم مبھ سے تگڑا جانور لے ایا تھا مگر اس بار میں ایسا نہی ہونے دوں گا۔۔۔چودری صاحب دل ہی دل منصوبہ بنا رہے تھے جب عرفان کی آواز پر چونکے

"ہاں اوئے عرفان، اب تجھے کیا موت پڑی ہے؟؟؟

"وہ جی چودری جی ایک بات کرنی تھی۔۔۔عرفان کی انکھوں میں عجیب پریشانی جھلک رہی تھی۔۔۔

ہاں بول بھی کیا ہے۔۔۔چودری صاحب نے اکتاہٹ بھرے لہجے میں کہا۔۔۔

"چودری جی!!عید ارہی ہے، آپ جی آج بنک بھی جا رہے ہیں تو جی۔۔۔اگر مجھے اس بار ایڈوانس تنخواہ مل جاتی جی تو میں بھی اپنے بچوں کے لیے۔۔۔۔

عرفان کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی چودری صاحب بول اُٹھے تھے

"دیکھ عرفان میرے اپنے حالات خراب ہیں پتا نہی قربانی بھی کرو کے نا۔۔۔۔عید نکال، خپ کر کے۔۔۔۔

تیسرا منظر:

"سنئے جی!!!رحمت بی بی نے اپنے شوہر کے گھر آتے ہی بڑی بے تابی سے پکارا تھا

"قربانی کا کیا بنا؟؟؟

"دیکھو رحمت اس بار جانور بھی اتنا مہنگا ہے اور تمہے پتا ہے سارے حالات کا، پھر بھی یہ سوال کر رہی ہو۔۔۔شوہر کی بات نے رحمت بی بی کی پریشانی اور بڑھادی تھی

"سینیے!!!آپ کسی سے قرض لے لیں۔۔۔آگر قربانی نا کی تو بیٹی کے سُسرال والے کیا سوچیں گے؟؟؟اور کل کو ہماری بیٹی کو طعنے دیں گے اور کیا پتا ہمیں غریب جان کر رشتہ ہی ختم کر دیں۔۔۔پہلے ہی بہت مشکل سے رشتہ ہوا ہے رحمت بی بی نے نم انکھوں سے اپنے مجبور شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔

☆ ☆ ☆

قربانی ایک ایسے باپ کی سُنت جو صرف اور صرف اپنے رب کے حکم پر اپنے لختِ جگر کی گردن پے چھری چلانے چلا تھا ایک ایسے بیٹے کی کہانی جو اپنا اپ آرام سے قربان کرنے چلا تھا اپنے رب کے لیے۔۔۔

کیا آج کا انسان سچ میں قربانی کرتا ہے یاں بس جانور کاٹتا ہے؟؟؟؟

☆ ☆ ☆

ابھی تو جینا شروع کیا تھا رشا
زندگی ختم بھی ہو گئی(سماویہ چوھدری عبید اللہ)

کوئی بچھڑا ھے صدیوں سے اسے ڈھونڈنے جانا ھے.
میرا دل بھی ھے سنگ اس کے اسے مانگنے جانا ھے.
کیا پوچھتے ھو مجھ سے وہ زندگی ھے میری
مجھے اس کے بنا بھلا کب چین آنا ھے.
ان سلگتی آنکھوں میں جو شبہ ھے اسکی
خون دل سے اسکا ھر ایک نقش مٹانا ھے.
ان کھی سب باتیں ھیں ادھوری ملاقاتیں ھیں.
وھی دکھ ادھورے کا اسے میں نے سنانا ھے.
وہ زیست کا حاصل وھی ھے قرار دل
وہ ھی میری کائنات کل وھی خوشی کا زمانہ ھے.
جانے کھاں دربدر میرے دل کا مسافر
بے انتھا محبتوں کو اس پر لٹانا ھے.
وہ یہ مل پایا جو سامنے نہ آیا تو
پھر جینا نھیں ممکن اسی پل مر جانا ھے....

ملائکہ خان

کبھی ہم زمانے سے کہتے تھے
کیوں بدل رہے ہو
اب خود ہی بدلنا شروع کر دیا رشا

(سماویہ چوھدری عبید اللہ)

(شہر. لاہور)

داغِ ذلت

اقصیٰ سحر

"مجھے ایسے لگتا ہے جیسے میں سر تا پیر گناہوں میں لتھڑی ہوئی ہوں۔ میرا انگ انگ گناہوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ مجھے اپنے آپ سے گھن آتی ہے ماہ روش۔۔ ہاں میرا وجود قابل نفرت ہے میں اس لائق ہوں کہ مجھ سے نفرت کی جائے پھر وہ کیونکر مجھے معاف کرے گا وہ کیسے مجھ سے محبت کرے گا۔" اریج سر گھٹنوں میں دیئے بری طرح سے سسک رہی تھی۔ ماہ روش اسکی بچپن کی دوست جو اب اس دنیا میں نہیں تھی اسے دنیا سے گئے ہوئے دو ماہ گزر چکے تھے لیکن اریج کو وہ اکثر اپنے ارد گرد ہی نظر آتی تھی اسکے آس پاس بیٹھی, اسے سمجھاتی اور تسلیاں دیتی ہوئی، اسے برے کاموں سے روکتی، اسکی اصلاح کرتی ہوئی. ماہ روش کی باتیں تو اب بھی ویسی ہی اجلی نکھری تھیں جیسے اسکا خود کا وجود تھا۔. اندھیرے میں جگنو کا سرا تھماتی ہوئیں، بھٹکوں ہوؤں کو راہ راست پر لاتی ہوئیں۔ اور جو اگر اسکی باتیں بھٹکنے سے پہلے ہی وہ اپنے گرہ باندھ لیتی تو کیا کبھی بھٹک سکتی تھی۔؟؟
اسکی باتوں میں تو اللہ کا پیغام تھا اس رب کی محبت لودیتی تھی اسکی باتوں میں تو کوئی بشر جو اپنے رب کی محبت کو بال برابر بھی اندازہ لگا لے وہ بھلا کبھی بھٹک سکتا ہے؟ لیکن ہاں وائے ان کے جو آگاہی سے نظریں چراتے ہیں جو وقتی لذت میں کھو کر جانتے بوجھتے اپنے رب سے منہ موڑ لیتے ہیں۔
اور اریج نے بھی تو وہی کیا تھا کیسی نا سمجھ تھی وہ۔ ماہ روش جب بھی اسکی اصلاح کرنے کی کوشش کرتی وہ تنفر سے سر جھٹکتی تھی۔ کتنا سمجھایا تھا ماہ روش نے کہ ابن آدم کی محبت نے ہمیشہ عورت کو اللہ سے دور کیا ہے اسے ذلیل و خوار کیا ہے بھلا ایسی محبت جو اللہ سے دوری کا سبب بنے ایسا تعلق جس کی وجہ سے اللہ کے احکامات، اسکی قائم کردہ حدود گراں گزرے تو وہ تعلق بھی کبھی جائز ہو سکتا ہے۔؟؟
لیکن اریج تو شاہ میر کی لچھے دار باتوں میں اس قدر الجھ گئی تھی کہ اسے لگتا تھا اگر دنیا میں کچھ ہے تو شاہ میر کی محبت ہے باقی سب سراب ہے۔
پھر جب ماں باپ رکاوٹ بننے لگے اسکی محبت کی راہ میں تو اس نے آخری حد تک جانے کا فیصلہ کر لیا۔ آہ اس پیاری لڑکی ماہ روش نے کتنا سمجھایا اسکی منتیں کیں کہ وہ ایسا نہ کرے وہ اپنے

ماں باپ کے چہرے پر یوں کالک نہ موندے۔ انہیں یوں زندہ در گور نہ کرے۔ اریج پہ کوئی اثر نہ ہوتا دیکھ کر اس نے اریج کو دھمکایا بھی کہ وہ اسکے گھر والوں کو بتادے گی مجبوراً اریج نے اس پہ یہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے ارادے سے بعض آگئی ہے لیکن دل میں طے کر لیا اب وہ ماہ روش کو کچھ بھی نہیں بتائے گی۔ کتنا سمجھایا تھا ماہ روش نے کہ اس کے اس فعل سے اسکے ماں باپ لوگوں کے سامنے ذلیل ورسوا ہو کر رہ جائیں گے۔ لیکن اریج م نے ایک نہ سنی اور ایک رات منہ اندھیرے چلی گئی۔

اس کا دل ایک بار بھی نہیں کانپا تھا ایسا انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے، اسکے پاس شاہ میر اسکی محبت تھی۔ جس پر اسے بے پناہ ناز تھا۔

اور کیا سلوک کیا اسکی محبت نے اسکے ساتھ جس پر اسے اندھا عتماد تھا۔ جو اسکا غرور تھا۔ اس نے تو اسکے وجود کو ریزہ ریزہ کر دیا اسکی نسوانی عزت، وقار سب کچھ ہی تو ملیامیٹ ونابود کر دیا تھا۔

وہ اریج کو اپنے دوست کے فلیٹ پر لے آیا تھا۔ اریج شادی کے لئے بضد تھی۔ لیکن شاہ میر نے اسے اپنی مجبوری کی کئی من گھڑت داستانیں سنائیں اور اسے اپنی باتوں میں الجھا دیا۔

"ہم نکاح تو کر ہی سکتے ہیں شاہ میر یہ سب نکاح کے بعد جائز ہوتا ہے۔" اریج نے کمزور سی دلیل دی تھی اندر کہیں نہ کہیں ماہ روش کی باتیں اسکی سماعتوں میں سسکیاں بھر رہی تھیں اریج یہ گناہ کبیرہ ہے یہ شخص تمہیں ورغلا رہا ہے گناہ پر اکسا رہا ہے۔

"جان اب رات کے اس پہر مولوی کہاں سے ملے گا ہم صبح ہوتے ہی نکاح کر لیں گے ایک رات سے کیا ہو جائے گا"

شیطان نے سر دھنا تھا شاہ میر کی بات سن کر۔

"واقعی کل تو ہم نکاح کر ہی لیں گے ایک رات سے کیا ہو جائے گا۔" اریج نے سوچا تھا گناہ کی کشش اسے کھینچ رہی تھی وہ زیادہ دیر خود کو روک نہیں پائی تھی اور خود سے تاویلیں گڑھتے اس نے دلدل میں پاؤں رکھ دیا تھا۔ شیطان نے قہقہہ لگاتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے تالیاں پیٹی تھیں۔

نادان لڑکی یہ نہیں جانتی تھی کہ بات ایک رات کی ہی تو تھی ہاں یہ کالی رات جس کہ شر سے مومن بندے پناہ مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پھر اس رات کو خیر بنا کر اتارتا ہے ان پر کیوں کہ وہ اللہ کہ محبوب بندے ہوتے ہیں۔ شیطان سے پناہ مانگنے والے۔

اریج کاش یہ بات سمجھ جاتی کہ جو فعل نکاح کے بعد حلال کے زمرے میں آتا ہے وہ بغیر نکاح کے کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

اور پھر وہ ایک رات کیا کئی راتیں گزر گئیں۔ شروع شروع میں تو اریج کو شاہ میر کی محبت پر کوئی شک نہیں تھا وہ جو بہانہ گڑھتا وہ اس پہ آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی۔ لیکن پھر گزرتے دنوں کے ساتھ اسے ماہ روش کی باتیں یاد آتیں تو وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی کہ کہیں واقعی شاہ میر اس کے ساتھ

کھیل تو نہیں کھیل رہا۔۔اتنے دن گزر چکے آخر وہ اسکے ساتھ نکاح کیوں نہیں کر رہا تھا

"کیا حیثیت ہے میری اسکی نظر میں؟؟کون لگتی ہوں میں اسکی، کیا تعلق ہے ہمارا؟؟ آج شاہ میر آئے گا تو میں اس سے سختی سے کہوں گی کہ مجھے بیوی کا درجہ چاہئے۔" ارتج نے ارادہ کیا تھا اور شاہ میر کا انتظار کرنے لگ گی تھی۔

رات آہستہ آہستہ سرک رہی تھی۔ارتج فکر مندی سے شاہ میر کا انتظار کر رہی تھی لیکن اسکا کچھ اتا پتا نہیں تھا۔وہ اسکی خیر کی دعائیں مانگ رہی تھی اسی در سے جسے ٹھوکر مار کر اس نے گناہ کا رستہ چنا تھا۔ہم مسلمان بھی عجیب ہی ہیں اللہ کو فراموش کرتے وقت نجانے یہ بات کیسے بھول جاتے ہیں کہ جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو پلٹ کر اسی در سے بھیک مانگتے ہیں۔کیا اسکے علاوہ بھی کوئی در ایسا ہے جہاں سے مانگا جائے ۔۔؟؟تو پھر کیوں انسان اسکی نافرمانی کرتا ہے شیطان کی باتوں میں آکر اسے ناخوش کر دیتا ہے۔

صبح کے پھیلتے اجالے نے ارتج کے ارد گرد روشنی بکھیری تو اس نے ٹھٹک کر گھڑی کو دیکھا جہاں سوئیاں آٹھ بجا رہی تھیں شاہ میر اب تک نہیں آیا تھا انگنت واہموں نے ارتج کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔

صبح سے شام ہو گی اور شام سے پھر صبح اس دوران ارتج کو ایک منٹ کا قرار نہیں آیا تھا وہ بولائی بولائی پورے گھر میں پھرتی رہی موبائل فون بھی اسکا شاہ میر کے پاس تھا اس نے کہا تھا کہ وہ نئی سم ڈلوا کر لائے گا۔علاقہ نیا تھا وہ یہاں کے رستوں سے بھی ناواقف تھی۔کہاں ڈھونڈتی وہ شاہ میر کو۔ دو دن گزر چکے تھے مگر شاہ میر کا کچھ پتا نہیں چلا تھا۔اچانک ڈور بیل بجی تو ارتج اپنے خیالوں سے چونکی اور ننگے پیر بھاگتے ہوئے دروازہ وا کیا لیکن سامنے کوئی اجنبی تھا۔

"آپ اب تک یہیں ہیں۔۔؟؟شاہ میر نے تو کہا تھا اسکے جانے کے بعد گھر خالی ہو جائے گا۔دیکھیں بی بی میں مزید ایک دن بھی برداشت نہیں کر سکتا میری فیملی آج پہنچ جائے گی اس سے پہلے مجھے یہ گھر خالی چاہئے۔" سامنے کھڑے شخص نے نہایت کرخت لہجے میں اپنی بات مکمل کی تھی۔لیکن ارتج کی سوئی تو اسی بات پہ اٹک گی تھی کہ شاہ میر کہیں چلا گیا۔

"شاہ۔۔۔شاہ میر کہاں گیا ہے۔۔؟؟"اس نے اٹکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آپ کو نہیں معلوم؟؟وہ پرسوں رات کی فلائیٹ سے آسٹریلیا چلا گیا ہے۔"سامنے کھڑے شخص نے اچنبھے سے اسے دیکھتے ہوئے اسکے سر پر آسمان گرایا تھا۔

"دیکھیں آپ جو کوئی بھی ہیں اب مجھے گھر خالی چاہئے شاہ میر نے کہا تھا اس کے کسی دوست اور اسکی وائف کو ایک ہفتے کے لئے رہائش چاہئے اور اب ایک مہینہ ہو گیا ہے آپ پلیز اپنے ہزبینڈ کو کال کر بلائیں اور جلد از جلد گھر خالی کر دیں۔" وہ شخص نہایت سخت لہجے میں اپنی بات کہ کر چلا گیا تھا۔

اور پیچھے کھڑی ارتج کا سر زور سے چکرایا تھا اس نے بمشکل دروازے کا سہارا لیا تھا۔"کیا ہوا تھا یہ اس کے ساتھ۔۔؟؟ شاہ میر اسکی زندگی برباد کر کے کہاں چلا گیا تھا۔۔؟؟اب وہ کیا

کرے گی کہاں ڈھونڈے گی اسے۔"اف خدایا یہ کس پستی میں گر گئی تھی وہ۔اپنے ماں باپ کے پاس واپس بھی نہیں جاسکتی تھی۔کتنی ظالم اور بے حس ہوتی ہیں ہم لڑکیاں جو اپنے ماں باپ کی عزت کو سر بازار اچھالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی ہیں۔بیٹیاں تو سراپا رحمت ہوتی ہیں لیکن ہم جیسی بیٹیوں کی وجہ سے ہی لوگ ڈرتے ہیں اور بیٹی کے وجود کو نا پسند کرتے ہیں۔اریج دل ہی دل میں خود کو کوس رہی تھی۔ اب کیا کرونگی میں کہاں جاؤنگی اور پھر اریج کو ماہ روش کا خیال آیا۔

"زندگی میں جب بھی ٹھوکر کھاؤ تو میرے پاس آجانا میرے دل کے دروازے ہمیشہ تمہارے لئے کھلے رہیں گے۔"ماہ روش جب ایک دن اریج کو سمجھا سمجھا کر تھک گئی اور اریج پہ کوئی اثر نہ پڑا تو اس نے اریج سے کہا۔اور تب اریج نے سوچا تھا کہ یہ دوست ہے یا دشمن بھلا شاہ میر بھی اسکے ساتھ دھوکہ کر سکتا ہے۔؟؟

وہ اپنے کپڑوں کا چھوٹا سا بیگ تھامے ماہ روش کے گھر کے باہر کھڑی تھی۔دروازہ اسکی ماں نے کھولا تھا اور اسے دیکھ کر چونکی تھیں۔

"تم۔۔آؤ۔۔۔اندر آجاؤ۔"انہوں نے سائیڈ پر ہو کر اسے راستہ دیا تھا۔

اور پھر جب ماہ روش کے بابت اسے معلوم ہوا تو وہ خود پر قابو نہیں رکھ پائی اور بلک بلک کر رونے لگ گی۔اس کی جان سے عزیز، بچپن کی دوست کا ایک ماہ پہلے ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا۔اور وہ بے خبر تھی۔اس کی آنکھوں کے سامنے ماہ روش کا بے ریا چہرا گردش کر رہا تھا۔اسکی باتیں اسکے دل و دماغ کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔وہ اکثر کہتی تھی۔

"اریج نجانے تم کن راہوں پہ چلنے لگی ہو دیکھو یہ دنیا فانی ہے ہر انسان کو اپنی آخرت کے لئے سامان کرنا چاہئے۔جزا و سزا کا دن بڑا سخت ہو گا۔"ماہ روش کا پور پور خدا کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔

ماہ روش کی ماں بہت نرم دل تھیں انہوں نے اسکی آپ بیتی سن کر بجائے اسے گھر سے نکالنے کے اسے گلے سے لگایا اور تسلیاں دیں تھیں۔وہ دونوں ماں بیٹیاں ایک سی تھیں نرم دل۔اریج کو انکے گلے لگ کر ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اسکا تپتا وجود کسی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں آگیا ہو۔

ماہ روش کے کمرے میں بیٹھی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی "تم ٹھیک کہتی تھی ماہ روش دیکھو میں کیسی دلدل میں گر گئی ہوں میں نے تمہاری بات نہیں مانی میں نے اپنے ماں باپ کو رسوا کیا آج دیکھو میں کس قدر رسوا ہو گئی ہوں مجھے تو اللہ نے نصیحت کرنے والے بھیجے تھے پھر بھی میں نے سب کو جھٹلایا۔صرف اس شخص کے لئے جو ایک سیراب کے سوا کچھ نہیں تھا۔کیا ملا مجھے اس کے پیچھے بھاگ کر سوائے ذلت و رسوائی کے۔میں نے ایک بشر کے لئے اپنے رب کے احکامات کی نفی کی،اسکو ناراض کیا۔"

"بس کرو بیٹا اللہ سے معافی مانگو وہ تمہاری اذیت کو کم کرے اور تمہیں سکون عطا کرے۔" ماہ روش کی ماں نے نرمی سے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"کیا مجھ جیسی گناہوں میں لتھڑی ہوئی کو وہ معاف کردے گا ۔؟؟ وہ تو مجھ سے نفرت کرتا ہو گا وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا آنٹی۔"

"بیٹا یہ ہی تو فرق ہے رب میں اور انسانوں میں اس سے جب بھی گڑگڑا کر سچے دل سے معافی مانگو وہ معاف کردیتا ہے پھر وہ یہ نہیں دیکھتا کہ گناہ جان بوجھ کر کئے گئے یا انجانے میں وہ انسان کے دلوں کا حال بخوبی جانتا ہے۔" انکے لہجے میں ماہ روش کی طرح حلاوت تھی۔ میٹھے سروں میں کہتیں وہ گل ناز کے لئے سکون کے درواکر رہی تھیں۔

"اٹھو میرے بچے نماز پڑھو اور اللہ کے حضور گڑگڑا کر معافی مانگو تاکہ تمہیں سکون ملے اور اسکے بعد اپنے ماں باپ سے بھی جا کر معافی مانگنا تم نے انکا بہت دل دکھایا۔ حقوق اللہ تو اللہ تعالٰی معاف کردیتا ہے لیکن حقوق العباد تب تک معاف نہیں ہوتے جب تک بندے معاف نہ کردیں۔ اٹھو میرے بچے۔" انہوں نے شفقت سے سمجھایا تھا۔

آج کتنے دن بعد اریج کی رگ وپے میں سکون اترا تھا۔ ا سے یقین ہو گیا تھا کہ اسکے رب نے اسے معاف کر دیا ہے۔

اور اب وہ اپنے گھر جا رہی تھی اسی گھر جہاں سے ایک رات وہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے نصیب میں ذلت کا داغ لگا کر نکلی تھی جو اب شاید ساری زندگی رہنے والا تھا۔ اسے اپنے کئے کی معافی مانگنی تھی۔ پھر اگر کفارے میں اسکی جان بھی لے لی جاتی تو اسے منظور تھا۔

ختم شد

غزل

عجب وہ وقت آنا تھا
کہ اس نے چھوڑ جانا تھا
دیا اب چھوڑ اس نے بھی
جسے اپنا ہی مانا تھا
یہاں اپنے نہیں اپنے
یہاں غیروں نے آنا تھا
یہ حالت دیکھ کر میری
تو کس نے کام آنا تھا
یہ دکھ کس کس کا میں نے اب
یہاں آکر اٹھانا تھا
گیا ہے روٹھ وہ بھی اب
جسے دکھڑا سنانا تھا
یہ مقصد تھا اسی کا ہی
مرے دل کو جلانا تھا
رضا یہ خون کا رشتہ
یہاں کس نے نبھانا تھا

از قلم: علی رضا

ننگا سر

شمع حفیظ

وہ ایک بوسیدہ بلڈنگ کے آگے فٹ پاتھ پر کھڑی تھی وہ جگہ کال گرلز پوائنٹ کہلاتی تھی وہاں بڑے لوگ بڑی گاڑیوں میں آتے ،ایک لڑکی منتخب کرتے اور رات بھر کے لیئے ساتھ لے جاتے تھے۔یہ دھندا کافی عرصے سے چل رہا تھا اور کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔۔۔۔ آج وہ بھی ضرورت مند تھی اور کسی کے کہنے پر اس فٹ پاتھ پر آکھڑی ہوئی تھی وہ ایک معزز غریب گھرانے کی بے حد شریف لڑکی تھی جسے وقت کی کج ادائی نے عذاب بھگتنے کو اس گندی فٹ پاتھ پر دھکیل دیا تھا۔۔۔

وہ سر تا پا بھیگ رہی تھی کالے عبائے میں اسکا وجود بے چینی اور گھبراہٹ کا غماز تھا آج زندگی میں پہلی بار سر سے اسکارف اتارا تھا تاکہ اس کا چہرہ نمایاں رہے اور دیکھنے والے اس کی معصوم صورت کو اک نگاہِ خاص سے دیکھ سکیں حالانکہ وہاں موجود تین چار لڑکیوں میں وہ ویسے بھی اپنی شرافت و ملاحت کی وجہ سے نمایاں تھی پھر بھی وہ ڈر رہی تھی۔۔۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے۔۔۔ آج وہ کیا کرنے جا رہی تھی اسے اس بات کا ادراک تھا لیکن مجبوری نہ کسی کی آہ سنتی ہے اور نہ ہی بے کسی دیکھتی ہے۔

پانچ منٹ پانچ صدیوں برابر گزرے تھے وہ شل ہوتے اعصاب کے ساتھ وہیں ٹھہری رہی جب ہی ایک موٹر سائیکل سوار ادھر آنکلا اس کی پرہوس ٹٹولتی نگاہوں نے فوری طور پر اسے اپنے ٹارگٹ پر لیا تھا، وہ نیا مال تھی اسی لیئے حد درجہ بے قرار تھی اور اس کا وہی اضطراب موٹر سائیکل والے کے دل میں بھانبھڑ جلا گیا تھا۔وہ فوراً اسکے سامنے آکر رک گیا اس کی بھاری آواز میں بھی عیاشی بول رہی تھی۔۔۔

شش، چلو گی میرے ساتھ؟

ہاں، لڑکی نے کہا تو منہ سے ہی تھا لیکن آواز کہیں بیچ میں ہی رہ گئی وہ گھبرا کر اثبات میں گردن ہلا گئی

کتنے پیسے لو گی؟ مرد کا بازاری انداز ذو معنی تھا۔

پپ۔۔۔پچیس ہزار۔۔۔ اسکی آواز رندھ رہی تھی

پچیس ہزار۔۔۔؟ موٹر سائیکل والے نے تحیر سے سر تا پا اسے بڑی بھرپور نگاہوں سے تولا، اسکا دھان پان سا وجود

کالے پردے میں چھپا تھا پھر بھی وہ لاکھوں میں ایک تھی

۔۔۔اسکی موہنی سی صورت کو تاڑتے ہوئے پوچھا

بس پچیس ہزار۔۔۔۔؟

ہاں، میری ضرورت بس اتنی ہی ہے

چلو ٹھیک ہے، رقم کام کے بعد ملے گی یہ تو پتا ہو گا تمہیں

۔۔۔۔

ج۔۔۔جی، وہ ہکلائی

تو آؤ، میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔۔۔اس نے سر کے اشارے سے بائیک کی سیٹ کی طرف اشارہ کیا تو وہ لرز کر تھوڑا پرے ہو گئی۔۔اابھی ٹھہرو، میری ایک شرط ہے وہ سن لو،

شرط۔۔۔۔؟؟وہ اس بار واقعی گھوم گیا۔۔۔کیسی شرط؟

تم۔۔۔تم ایک رات کے لیئے مجھ سے نکاح کر لو، پچیس ہزار کی رقم حق مہر کے عوض ادا کر دینا، رات گزارو اور صبح طلاق دے دو بس میں اتنا ہی چاہتی ہوں۔۔وہ سب کچھ ایک ہی سانس میں کہہ گئی

ارے واہ، تو میرے اندازے سے زیادہ چالو نکلی، حلالہ چاہتی ہے مجھ سے؟ وہ زہر خند سے مسکرایا

ن۔۔۔نہیں تو، میں شادی شدہ نہیں ہوں۔۔۔۔میرا باپ بہت بیمار ہے۔اسپتال میں داخل ہے اس کے علاج کے لیئے پیسہ چاہیئے

اگر پیسہ حرام کا ہوا تو میرے بابا کو آرام کیسے آئے گا۔۔۔وہ گھٹی آواز سے رونے لگی

غزل

راحتِ دل کا ساماں کیسے کریں

اپنے دکھ کو لفظوں میں بیاں کیسے کریں؟

غمِ عشق میں ڈوبی ہوئی ہے ہر شام

اے دل بتا تیرے درد کی دوا کیسے کریں؟

بھول بیٹھے ہیں خود کو بھی تیری چاہ میں

اس سے بڑھ کر اب تجھ سے وفا کیسے کریں؟

رہتے ہیں بن تیرے ہر پل مضطرب سے

سوچتے ہیں تجھے خود سے جدا کیسے کریں؟

فراقِ یار میں کٹتے نہیں اب شام و سحر

تُو بتا اب وقت سے نباہ کیسے کریں؟

مہوش ملک

میرا بابا مر جائے گا۔۔۔اس کے علاج کے لیئے مجھے حلال رقم چاہیئے، اتنی بڑی رقم کوئی مجھے ادھار بھی نہیں دے گا۔تم ۔۔۔تم اپنا کام کرو، دیکھو انکار نہ کرنا میں نے بڑی مشکل سے ہمت باندھی ہے۔۔۔مجھ سی لڑکی کے لیئے یہاں آنا اور خود کو بیچنا آسان نہیں۔۔۔میرے بابا کو بچا لو، ان کی عزت کے لیئے مجھ سے نکاح کر لو۔۔میں اس رات کو اپنی زندگی میں دوبارہ آنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔۔۔پلیز مجھ سے نکاح کر لو اور صبح طلاق دے کر مہر ادا کر دینا۔۔۔

وہ یہ کیا کہہ رہی تھی۔۔۔؟؟؟موٹر سائیکل سوار کے سر پر جیسے بم پھوٹا تھا، لڑکی کی گریہ زاری میں اسقدر اثر تھا کہ اس بے راہ رو انسان کا دل گویا ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا، منہ زور دھڑکن پورے وجود میں نوبت کی طرح دھمک رہی تھی،

اس نے بے سوچے سمجھے لپک کر لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھا پھر آپا دھاپی کے انداز میں جیب سے نیلے کرنسی نوٹوں کی گڈی نکال کر اسکے نازک کپکپاتے ہاتھ پر رکھی اور خشک ہوتے گلے سے بولا

اپنا ننگا سر ڈھک لو لڑکی اور جاؤ یہاں سے، دوبارہ ادھر مت آنا۔۔۔ سمجھی،

لڑکی کا منہ کھل گیا، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن وقت نہ ملا ۔۔۔موٹر سائیکل سوار نے پاؤں مار کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور سرعت سے ناک کی سیدھ میں نکل گیا، ادھر وہ جہاں کی تہاں کھڑی تھی اشک آنکھوں سے امڈے چلے آرہے تھے وہ ہاتھوں میں دھرے لاکھ روپوں پر ٹکٹکی لگائے بس یہی سوچ رہی تھی کہ یہ پل بھر میں کیسی کایا پلٹی تھی کیا یہ اس بھٹکے ہوئے مرد کی شرافت تھی یا بابا کی عزت، جس نے اسے نیلام ہونے سے بچا لیا تھا۔۔کیا کوئی اسطرح بھی کسی کنواری کا سر ڈھک جاتا ہے۔۔۔ کیا اس طرح اچانک؟؟؟

ختم شدہ

☆ ☆ ☆

زندگی کی کتاب

اپنے اوراق پھیلائے
تھپیڑوں کی تلخیاں
سہ رخی ہوا میں
جھیل رہی ہے
نہ جانے یہ کتابِ زیست
کب تلک
اپنے آپ کو
تیز ہواوں کے بیچ
بچاتی رہے گی
آخر کار
وہ ساعت بھی آ پہنچے گی
جب تیز ہوا کا کوئی جھونکا
تلخیاں سموئے ہوئے
ان اوراق کو
منتشر کر دے گا

از قلم ماورا خان۔

قدرت کے کھیل

تحریر احسن مجید

تمہیں یہ ماننا ہو گا کہ میں نے اپنے لب سی کر سکوت شب کی مٹھی کوئی طوفان رکھا ہے یادوں کے کئی چہرے کئی پیکر سجا سکتا تھا مگر کچھ سوچ کر میں نے یہ گھر ویران رکھا ہے۔ مجھے شوق اذیت ہے وگرنہ اس زمانے میں تیری یادیں بھلانے کو بھی سامان رکھا ہے

میں نے چشمہ کی کمانی کو انگلیوں میں دبا کر چشمہ ٹیبل پر رکھ دیا.. سرہانے سے ٹیک لگائے میں گہری سوچ میں تھا..

آنکھیں کھلی ہوئی ضرور تھیں مگر آس پاس کے ماحول سے بے خبر....

مجھے پتا ہی نہیں چلا کب اس نے میرا کندھا ہلایا.

"احسن...."

رات کا آخری پہر تھا. مگر مجھے تو یہ ہی محسوس ہو رہا تھا کہ یہ میری نہ ختم ہونے والی سوچوں کی طرح طویل اور گھٹا ٹوپ ہے.

"احسن... اب تک جاگ رہے ہو؟" اس نے اب کی بار مجھے جھنجوڑنے کی کوشش کی. میری سوچوں میں چہرے کی طرح مردنی سی تھی. باہر کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ آسمانی بجلی اپنا پورا زور لگا کر تاریکی کا سینہ چیرنے کی کوشش کر رہی ہے. پانی کے دو قطرے جو شاید نونہالوں کی طرح صاف اور شفاف تھے میری آنکھوں سے اتر کر گالوں پر لڑکھتے چلے گئے.

"نیند نہیں آرہی." "پتا نہیں یہ جواب میں نے دیا تھا یا صرف سوچا تھا. اس کو مجھ سے ہمدردی ہوئی. وہ احساس مزید قریب ہوئی...

میرا چہرہ اپنی انگلی کے پوروں سے صاف کیا.

"کیوں؟" سوال مختصر ضرور تھا. اور وہ خود مجھ میں سمٹنے کے لیے تیار بھی. التجا تھی، آرزو تھی یا حکم کہ میں اسے بتاؤں کہ کیا ہوا ہے...

اسی کشمکش میں گم مجھے اسکا سوال یاد نہ رہا...

احسن".....

ایک بار پھر اس نے مجھے جھنجوڑتے ہوئے میری توجہ اپنی طرف ملحوظ کرنا چاہی..

ہاں. ہاں. میں چونک اٹھا اور اسکی طرف دیکھنے لگا... اسکی نگاہیں میرے جواب کی منتظر تھیں. کوشش کے باوجود بھی میری آنکھیں راز نہ چھپا سکیں اور زار و قطار بہنے لگیں..

کیوں دیتے ہو خود کو اتنی سزا__؟ شاید وہ آنکھیں پڑھنے کا ہنر جانتی تھی.. آنکھیں آنسوں سے تر کر لیں. سہمی سی آواز میں پھر بولی کیوں دیتے ہو خود کو اتنی سزا__؟

کیا کہوں میرے ہمدم... میری آنکھیں بارش کی طرح برسنے لگیں اور میرے دل کو لفظوں کے طوفان نے گھیر لیا....

روز بیٹھتی ہے اس دل میں جزبات کی عدالت, روز مجھے قصوروار ٹھہرایا جاتا ہے اور روز یہی فیصلہ سنایا جاتا ہے کہ مجھے زندگی کی آخری سانس تک تمہاری یادوں کو لیئے بھٹکنا ہے..

تمہیں کیا معلوم... ایک سکوت سا چھا جاتا ہے.. من میں کوئی خواہش، کوئی امنگ جنم نہیں لیتی.. ذہن میں کسی سوچ کی کوئی کونپل نہیں پھوٹتی کہ جس پر کسی پھول کے لگنے کے انتظار میں پرستان میں دیو کی قید میں پری اپنی بربادی اور خزاں کے دن گنا کرتی ہے. خاموشی رگ وپے میں سما جاتی ہے، تھکا جاتی ہے کہ جسم اینٹھنے لگتا ہے جیسے برسوں کے نشئی سے نشہ آور چیز چھین لی جائے...

تم تو رشتے ناطے توڑ کر چلی گئی مگر میں اب بھی ان سے بندھا ہوا ہوں.

تمہیں تو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ روگ, یہ سنجوگ, یہ ہجر, یہ ماتم بہت اذیت دیتے ہیں. انسان یوں بکھرتا چلا جاتا ہے جیسے ہوا ریت کے ذروں کو کہیں دور ویرانیوں میں اڑا لے جائے.. مگر پھر بھی اس نے میری زندگی تاریک راتوں کے اندھیروں کی نظر کر ڈالی..

قصے تو بہت سنے تھے مگر اکثر یہ سوچتا تھا کہ ایسا بھی کبھی ہوتا ہے بھلا..؟ خیال تھا کہ جب محبت ہو جائے تو روحوں کا ملن ہو جاتا ہے جنکی جدائی ممکن ہی نہیں اور انسان اپنی ہستی, مان, سمان, زھد, زکر, وجدان کعبہ, قبلہ, مکراں صرف اور صرف اپنے محبوب کو ہی سمجھتا ہے پھر بھلا جدائی کیوں...؟

محبت کو دل کا روگ کہا جاتا ہے نہ کہ دیوانگی... اور ہاں__ جو محبت کو دیوانہ سمجھے اسے محبت کے راز سے ناواقف کہا جاتا ہے...

ماضی کے برفستان میں بہت سی یادیں تہہ در تہہ جمی ہیں..

ذرا جو جذبات کی دھیمی لو مل جائے تو ابھر کر سامنے آ جاتی ہیں...

تم تو میرے حالات سے اچھی طرح واقف ہو... میں تمہیں بلکل بھی دوش نہیں دے رہا میں تو بس اپنے اندر ہی اندر گھٹتے چلا جا رہا ہوں...

سنو...!

انسان کی خواہش ہو یا نہ ہو اسے اپنے ارتقاء کی طرف پلٹنا پڑتا ہے. تقدیر اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ گھسیٹتی ہے اور پھر تھکا کر مار ڈالتی ہے نہ چاہتے ہوئے بھی ماضی کی ان گنت یادوں میں ایسے گم کر دیتی ہے جس سے چاہ کر بھی نکلنا ممکن نہیں..

وقت ہاتھ کی لکیروں کی طرح ہوتا کب کس سمت موڑ دے پتا ہی نہیں چلتا. اکثر وقت پر بندہ یہ بھول جاتا ہے کہ اسے کیا کرنا تھا اور جو کر رہا ہو تا وہی اسے وقت اہم ضرورت معلوم ہوتی ہے...

جانتا ہوں تمہیں ان چیزوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر دل ہے کہ آس لگائے بیٹھا ہے... بہت ہجوم ہے تمہارے اطراف میں تم تو احباب میں گھری ہوئی ہو دانستہ تم مجھے نظر

انداز کرو پھر بھی یہ سوچ کر منتظر ہوں کہ شاید کبھی تمہیں میری یاد... آہی جائے....

ایک دن تم نے مجھ سے کہا کہ مجھے تو چائے کے علاوہ اور کچھ بنانا بھی نہیں آتا میں تمہاری اس بات پر ہنستا رہا..

نہیں پیتا.... مجھے الجھن ہے چائے سے... میں چائے نہیں پیتا...

اس بات کو گزرے زمانہ ہو گیا مگر اب میں چائے پیتا ہوں... بڑی حسرت سے پیتا ہوں.... بڑی کثرت سے پیتا ہوں... سنو...!

جس چاند سے میری تاریک راتوں میں روشنی تھی وہ تو دور کہیں گھرے بادلوں میں جا کے چھپ گیا ہے جسکے قہقوں سے میرے لبوں کی مسکراہٹ تھی وہ تو زیست کے اتار چڑھاؤ میں کہیں کھو گئے ہیں. قوسِ قزح کے سارے رنگ گھپ اندھروں میں ڈوب چکے ہیں. میرے آشیانے کو یکدم تیز آندھیوں نے ایسے گھیرا کہ ہر چیز بکھر گئی ہے...

اب تو میرے پاس ویرانیوں کے سوا کچھ نہیں. لمحہ بہ لمحہ میری زندگی یادوں کے سمندر میں ڈوبتی چلی جا رہی ہے. بیتے لمحے میرے وجود میں محوِ رقص ہیں...

میں نہیں جانتا آگے کیا ہو گا مگر میرے حال کو تمہاری یادوں نے اس قدر گھیرا ہے جس میں موت ہی مرحم ہے...

آنکھ پر نم, اشک زم زم, سانس مدھم, وقت ہے کم
وصالِ راحت, ہجر ماتم, رقیب قاتل, موت مرحم....

ساون کا مہینہ شروع ہو چکا تھا گزشتہ دن سے ہر آنے والے دن گرمی زیادہ ہوتی. کہا جاتا ہے مظفر آباد میں گرمی کم پڑتی ہے مگر حقیقت اسکے برعکس ہے پنجاب جتنی ہی گرمی مظفر آباد میں بھی پڑتی ہے. دوپہر ڈھلنے کو تھی جب تمہارا پیغام مجھے ملا جس میں وقت اور جگہ کا تعین تھا..

میں اور میرا کزن (عقیل) تمھاری بتائی ہوئی جگہ پر کافی دیر سے بیٹھے تمہاری راہ دیکھ رہے تھے میں لمحے بھر کو چونک جاتا__ یہ آئی..... وہ آئی.... مگر تم ہمیشہ آنے میں دیر کر دیتی تھی. اچانک تمہارے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور میں اٹھ کھڑا ہوا.

بڑی مشکل سے نکلی ہوں موقع پا کر... وہ سامنے نہ ہوتا کچھ دیر پہلے پہنچ جاتی... یہ وہی الفاظ تھے جو تمہارے پہنچتے ہی مجھے سنائی دیتے اور میں سوچ میں پڑ جاتا آج تک سمجھ میں نہ آیا وہ آخر ہے کون___؟اس وہ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے میں تھک چکا تھا شاید اسکا جواب سرے سے تھا ہی نہیں جو مجھے آج تک نہ مل سکا....

وہی سرخ جوڑا جو تم اکثر میری فرمائش پر پہنتی تھی آج بھی تمہارے وجود کے لمس سے آشنا ہوا.. میں تمارے اس سرخ جوڑے سے آگے نہ ریگ پایا. دیکھا جائے تو سب کچھ اس کے برعکس تھا سرخ رنگ تو اس لیئے نکھرتا ہے کیوں کہ تم اسے پہنتی ہو.. ورنہ بیکار رنگ ہے....

تم آج بھی اس سرخ جوڑے میں کمال کی دیوی لگ رہی تھی معصوم ادا، انداز نیا، پھولوں سادہ معصوم چہرا اور چہرے کے

سرخ گالوں میں قیامت برپا کرنے والے ڈیمپل میرے ہوش اڑا رہے تھے۔ تمیں یاد ہو شاید میں اکثر تمہیں اس سرخ جوڑے میں دیکھ کر ایک شعر گنگنایا کرتا تھا۔۔۔

سرخ کپڑوں میں نکلا ہے وہ بے وفا

آج دنیا لٹے گی میری دوستو۔۔۔

اس دن بھی میں نے یہی شعر گنگنایا تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر ہوش گنوا بیٹھا اور جھٹ سے تمیں سینے سے لگالیا۔ تمہارا جسم پسینے سے لت پت تھا۔ گال اتنے سرخ کہ جیسے قدرت نے اناری رنگ نچوڑ کر بھرا ہو۔ تمہارے جسم سے مجھے ایک خاص قسم کی خوشبو آیا کرتی تھی۔ جسم کی خالصتاً اپنی خوشبو___ میں اکثر تم سے پوچھتا کہ یہ عجیب سی خوشبو کیوں آتی ہے؟ تو تم کہتی۔۔۔ تمہیں آتی ہو گی مجھے تو بلکل بھی نہیں آتی۔ اس زمانے میں میرا خیال تھا کہ یہ خوشبو حلوے کی طرح میٹھی سی ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس خوشبو کا اصل منبع تمہارے پسینے سے شرابور بغل تھے۔۔۔

جانتی ہو ایک بات نے مجھے ہمیشہ پریشان کیے رکھا۔ تم بہت بڑے باپ کی بیٹی ہو معاشی طور پر تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں دولت شہرت مال و متاع ہر چیز ہے تمہارے پاس۔۔۔۔ میرے پاس رکھا ہی کیا ہے جو تمہیں فخر سے پیش کر سکوں۔ اپنی صورت سے لے کر دنیاوی دولت تک، ویرانیوں کے سوا کچھ بھی میرے پاس نہیں__ تم کیوں مجھے اتنا چاہتی ہو__؟

کیوں میرے اندھیروں سے زیادہ تاریک مستقبل میں میرے لیے چراغ بننا چاہتی ہو__؟

سنو۔۔۔!

جن لوگوں نے مجھے جنم دیا ان کا اپنا نہ کوئی ماضی تھا اور نہ حال ہے۔۔۔ مجھے کیا دیتے بے چارے۔۔۔ مگر مجھے ان سے کوئی گلہ نہیں حیرت تو صرف اس بات پر ہے کہ اس مفلسی زندگی میں رکھا ہی کیا ہے جو تم اتنا ٹوٹ کر چاہتی ہو۔۔۔

دیکھو حالات ایسے نہیں کہ میں تمہاری اس امیری کا سامنا کر سکوں اور تمہیں اعلانیہ اپنانے کا دعوی کر سکوں۔ جزبات جو دل میں ہیں دل تک ہی رہیں تو اچھا ہے میرا اور تمہارا ملن ممکن ہی نہیں۔۔۔

ہمارے ہاں شادی تو ایک جنسی کاروبار ہے امیر لوگ امیروں سے سودے کرتے ہیں اور غریبوں کا سہارا غریب ہی بنتے ہیں میں تو شادی کو ایک معاشرتی اعلان سمجھتا ہوں۔۔۔ باقی سلسلے خرید و فروخت کے ہیں میں ان پر یقین نہیں رکھتا۔۔۔ کیا کہتی ہو___؟

اس دن تم نے مجھ سے کہا میں آپ سے پیار کرتی ہوں اور بہت زیادہ کرتی ہوں شاید آپ سے بھی زیادہ۔ مجھے کچھ علم نہیں کل کیا ہو گا؟ لیکن میرا پیار ہمیشہ یاد رکھیے گا اور میرے اس اعتراف کو کبھی فراموش نہ کیجیے گا اور رہی بات لینے دینے کی تو میں بھی اس پر قطعی یقین نہیں رکھتی۔ آپ نے مجھے اتنا کچھ دیا۔۔۔ لاکھ کروں تو بھی لوٹا نہیں سکتی۔۔۔ میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ میں آپ کے بغیر نامکمل ہوں۔ آپ تو میری سوچوں کے حکمران ہیں آپ نے مجھے پیار کے حیات آفریں لمس سے آشنا کیا ہے۔ آپکا غمزدہ چہرہ میری ذات کی

گہرائیوں میں محفوظ ہے. میں خوش نصیب ہوں جو آپ جیسے انسان نے میری قدر کی... مجھے پیار دیا....

ہر آئے دن ہماری ملاقاتیں ہوتی اور یوں ہم اپنی معصوم محبت کی آغوش میں بیٹھے ایک دوسرے کے دکھ بانٹتے رہتے اس بات سے باخوبی واقف کہ ہم کبھی ایک نہیں ہوسکتے..

دسمبر کا مہینہ شروع ہو گیا تھا ہر طرف بادلوں اور دھند نے زمین کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا...

کہتے ہیں جس بات کا یقین ہو وہ ہو کر ہی رہتی ہے اور یوں ہی ہوا دسمبر اپنے ساتھ ساتھ ہجر کی اتنی لمبی راتیں لایا جن کی صبح آج تک نہ ہو سکی.

یقین کرو جس دن تم نے ایسا کیا میرا یقین ہر اس چیز سے اٹھ گیا جس پر میں نے یقین رکھنے کا حق ادا کیا تھا میں نے اپنی تمام خواہشات کو ترک کر دیا ہے لوگ گناہ سے توبہ کرتے ہیں میں اعتبار سے توبہ کر چکا ہوں...زندگی کی نئی شروعات کی تو زندگی کو نئے رنگوں سے دیکھنا بھی سیکھ لیا ہے. کبھی میرے متعلق سوچو تو فکر مت کرنا میں اپنی نئی زندگی سے بہت خوش ہوں. حالات سے لڑنے کی ہمت اپنے دل میں اجاگر کر چکا ہوں.

ہاں یہ بات سچ ہے کہ ماضی کی یادوں کو بھولنے میں تھوڑا وقت تو لگے گا مگر میں اس کوشش میں رواں ہوں..دعا کرو کامیاب رہوں... خیر...!

تمہارا تحفہ شادی والے دن ہی مل گیا تھا بہت اچھا لگا بلکل تمہاری طرح خوبصورت تھا... شکریہ____

کہاں وہ دسمبر دوش یہ اکتوبر اب تو ایک عرصہ ہو گیا ہے بلکل بھی کچھ نہیں بدلا وہی ٹھٹرتی اداس شامیں وہی ہجر کی لمبی راتیں وہی اشک بار آنکھیں اور وہی اداس چہرہ کہ جس پر کبھی تمارے گلابی ہونٹوں کی پیاس بجھا کرتی تھی.

آؤ ناں دیکھ لو کہ دن میں بھی خواب دیکھنے والی آنکھیں نہ جانے دن بھر کس کو ڈھونڈتی رہتی ہیں.

اب تو تم بھی کسی اور کی ہونے جا رہی ہو. تم سے جو آخری امید تھی وہ بھی ختم ہو چکی اب تو...

مگر خیر تمہیں تمہاری نئی زندگی بہت بہت مبارک ہو....ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو. تمہارا مسکراتا چہرہ آج بھی میرے دل و دماغ میں ہے. یقین کرو میں آج بھی ان یادوں سے بندھا ہوا ہوں. زندگی میں آگے بڑھنے کی بہت کوشش کرتا ہوں مگر تمہاری یادیں، وہ لمحے، وہ باتیں، پھر تھکا کر مار ڈالتی ہیں. کچھ دنوں کی زندگی ہے تم ہنسی خوشی جیو.. اتنا بہت ہے میرے لیئے...

یہ مت سوچنا کہ میں تمہارے اس فیصلے پر خوش نہیں.. یہ تو قدرت کے کھیل ہیں اس میں بھلا میرا تمہارا کیا دوش...

میں بہت خوش ہوں تم اپنی نئی زندگی کی شروعات کرنے جا رہی ہو. رب سے یہی دعا ہے کہ "تم جہاں رہو، جسکے ساتھ رہو... خوش رہو...'...................................

☆ختم شد☆

آہٹ

ماہ نور نعیم ضلع بھکر

اپنے پیچھے آہٹ سن کر میں نے بے اختیار پیچھے مڑ کر دیکھا- رات کے اندھیرے میں مہیب سناٹا چھایا ہوا تھا- گلی میں مڑتے ہی اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کے احساس نے، مجھے خوف کی وادی میں دھکیل دیا-- میرے بدن میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی- تیز رفتار قدموں سے چلتا ہوا میں جلدی سے اپنے گھر داخل ہوا اور دروازہ لاک کرنے کے بعد اس سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوا اور زور زور سے سانس لینے لگا، جیسے میلوں دور کی مسافتیں طے کر کے آیا ہوں- اچانک مجھے اپنی نگاہوں کے سامنے ایک سایہ نظر آیا جو تیزی سے میرے سامنے سے گزر کر، سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر چلا گیا- میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی-

،،، آصف یہاں کیوں کھڑے ہیں رافع کے لیئے مونگ پھلیاں لے آئے؟ وہ کافی دیر سے آپکا انتظار کر رہا تھا کہ کب بابا آئیں اور وہ انھیں مزے سے کھائے- مگر آپکا انتظار کرتے کرتے وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی سویا ہے- اچھا جلدی سے اندر آئیں، چائے ریڈی ہے، پی کر سو جائیں، مجھے بھت نیند آرہی ہے،،، فصیحہ یہ کہتی ہوی کمرے میں چلی گئی-

میں نے خود کو نارمل پوزیشن میں لانے کے لئے دو تین گھرے گھرے سانس لئے اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا- چھت پر جانے والا سایہ ابھی تک میرے ذھن میں ڈر کو آوازیں دے رہا تھا- بھکر شہر کے وسط میں، ایک نسبتا پر سکون علاقے میں خریدا جانے والا یہ گھر مجھے پہلی نظر میں ہی اتنا پسند آیا تھا کہ میں نے فورا یہ گھر اپنے نام سے خرید لیا- ابو کو بڑے بھائی کے رحم و کرم پہ چھوڑ کے، اپنی بیوی فصیحہ اور رافع کے ساتھ، ابو کی ایک نہ سنتے ہوے، اس خوبصورت فرنشڈ گھر میں شفٹ ہو گیا- ساتھ والے گھر میں ایک دادا جی اپنے بیٹے اور بھو کے ساتھ رہتے تھے- بھت ملنسار اور پر خلوص انسان تھے وہ- اکثر شام کی چائے انھی کے ساتھ پیتا تھا- انھوں نے باتوں باتوں میں مجھے بتایا کہ میرے آنے سے پہلے، انھیں اس گھر میں اکثر اوقات بھت چھل پہل محسوس ہوتی تھی، وہ ہر صبح اپنے نئے پڑوسیوں سے ملنے آتے تو

دروازے پر لگا تالا انکا منہ چڑاتا-کچھ دن ایسے ہی ہوتا رہا تو انھیں معلوم ہو گیا کی اس گھر پر آسیب کا سایہ ہے-

اپنے کمرے میں، میں بستر میں دبکا، انھی خیالوں میں گم تھا کہ اچانک مجھے باہر صحن میں یوں محسوس ہوا کہ کوئی سر گوشی میں بات کرنے کے ساتھ ساتھ ہنس رہا ہے-منہ پر سے لحاف ہٹا کر مدھم سی روشنی میں، فصیحہ اور رافع کو بے خبر سوتے دیکھ کر میں نے باہر جانے کا فیصلہ کیا-جوتے پہن کر میں باہر گیا تو وہاں کوئی نہ تھا-اپنا شک سمجھتے ہوئے میں واپس جانے لگا کہ اچانک میری شلوار کا پائنچہ کسی چیز میں پھنس گیا-خوف سے میرا سانس رک گیا-دم سینے میں اٹکنے لگا-صحن کے بیچوں بیچ ایسی کوئی چیز نہ تھی، جس میں میرا لباس پھنسنے کا اندیشہ ہوتا-جھٹکے سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو خوف سے جھر جھری لے کر رہ گیا-ایک کالی بلی نے اپنے منہ میں میری شلوار کا پائنچہ دبایا ہوا تھا-اسکی آنکھوں میں عجیب وحشت تھی-خوف سے بھرپور احساس نے مجھے چیخنے پر مجبور کر دیا، مگر چیخ میرے حلق میں دب کر رہ گئی-میں نے ٹانگ کھینچ کر، اس سے خود کو آزاد کروانا چاہا مگر مجھے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا-خوف سے میری گھگھی بندھ گئی-اسکا زور اب بڑھنے لگا تھا، اور وہ مجھے کھینچتی ہوئی اوپر لے جا رہی تھی-ذہن پر بہت زور دینے کے بعد، میری زبان پر آیت الکرسی کا ورد جاری ہوا-میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے بلی کو خود سے دور بھاگتے دیکھا-وہ تیزی سے بھاگتے ہوئے اوپر چلی گئی-

اگلی صبح میں نے فصیحہ سے بات کرنے کا سوچا مگر پھر ارادہ ملتوی کرتے ہوئے، اسے اپنا اور رافع کا خیال رکھنے کا کہہ کر آفس کے لیے روانہ ہو گیا-کام کی مصروفیت نے میرے ذہن سے گزشتہ شب کا سارا واقعہ مٹا دیا-شام کو تھکا ہارا گھر آیا، تو دروازہ کھلا دیکھ کر مجھے فصیحہ کی لاپرواہی پر بہت غصہ آیا-میں اسے آواز دیتا ہوا اندر داخل ہوا، مگر وہ دونوں مجھے کہیں بھی نظر نہ آئے-گھر کا کونا کونا چھان مارا، مگر وہ کہیں نہ تھے-میں انکے بارے میں پریشان ہوتا ہوا سوچنے لگا کہ انکو کہاں تلاش کروں؟ اچانک میری نگاہ دروازے پر پڑی تو وہ لاک تھا، جبکہ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے صرف دروازہ بند کیا تھا-

؛؛؛بابا اوپر آئیں؛؛؛رافع کی آواز نے میرے چودہ طبق روشن کر دیے-میں بھاگتا ہوا، جلدی میں، ایک ساتھ دو دو سیڑھیاں چڑھتا گیا-رات کا سارا منظر میری نگاہوں کے سامنے گھوم گیا-میں نے اوپر پہنچ کر رافع کو گود میں اٹھا کر پیار کیا اور فصیحہ کو آئندہ اوپر آنے سے سختی منع کیا-ان دونوں کو نیچے لے جاتے ہوئے میں نے رات والی کالی بلی کے ساتھ ایک چھوٹی بلی بھی دیکھی-اسکا رنگ بھی گہرا سیاہ تھا-وہ مجھے اپنی سیاہ آنکھوں سے گھور رہی تھی-نیچے جاتے ہوئے، میں نے پیچھے مڑ کر ان بلیوں کی طرف دیکھا تو وہ چھت پھلانگتے ہوئے ساتھ والے دادا کی گھر بھاگ گئیں-ایک سانس فضا کے سپرد کر کے ہم چھت سے اتر آئے-

اس دن موسم بھت سہانا تھا- صبح سے ھی آسمان پر کالے بادلوں کا راج تھا- ٹھنڈی ٹھنڈی ھوا چل رھی تھی- سردیوں کا یہ موسم مجھے ویسے بھی بھت پسند ھے- آفس سے چھٹی کرنے کا فیصلہ رافع کو سنایا تو وہ بھت خوش ھوا- ناشتے سے فارغ تو ھو چکے تھے، میں نے فصیحہ سے پکوڑے بنانے کی فرمائش کی، جو مسکراتے ھوئے منظور کر لی گئی-

بر آمدے میں، میں اپنی زوجہ کے ساتھ چائے پینے کے ساتھ ساتھ، گپ شپ میں مصروف تھا- رافع صحن میں فٹ بال کے ساتھ کھیل میں مگن تھا- اچانک میں چونک پڑا- میں نے رافع کو دیوار کی طرف دیکھ کر مسکراتے ھوئے دیکھا- ایسے جیسے وہ کسی سے باتیں کر رھا ھو- میں چائے چھوڑ کر اس کے پاس گیا اور اسکے ھاتھ سے بال لے لی- وہ غصیلی نگاھوں سے مجھے دیکھنے لگا- مجھے حیرت نی آگھیرا کہ رافع نے تو کبھی میرے ساتھ اونچی آواز میں بات تک نھی کی، یہ اس طرح مجھے کیوں گھور رھا ھے ؟؟؟

؛؛؛ بابا میری بال واپس کریں ورنہ میرا دوست ناراض ھو جائے گا مجھ سے- پچھلے بھی مما مجھے زبردستی پچھلے والے کمرے سے لائی تھیں، تو وہ ناراض ھو گیا تھا- اب پھر وہ ناراض نہ ھو جائے ؛؛؛

میرا شک یقین میں بدل گیا تھا- میں رافع کو بہانے سے وہاں سے لے آیا، مگر میرا دماغ سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا- مجھے کچھ سمجھ نھی آیا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے- دادا جی کی ساری باتیں میرے ذہن کے پردے پر ابھریں، میں جو پہلے ان کی باتوں کو نھی مان رھا تھا، اب اس پر یقین ھونے لگا-

رات کھانا وغیرہ سے فراغت کے بعد ھم سونے کے لیئے لیٹے ھی تھے، کہ اچانک دروازے پر دستک نے ھمیں چونکا دیا- میں ہمت کرتے ھوئے اٹھا، اور دروازہ پہ جا کے آنے والے سے اسکا نام پوچھا- دروازہ پر ایک فقیر تھا، جو کھانے کے لیئے کچھ مانگ رھا تھا- میں نے فصیحہ سے آکر کہا تو اس نے مجھے منع کر دیا- دراصل وہ رات کے اس وقت دروازہ ھی کھولنا نھی چاہتی تھی- میں نے بھت اصرار کیا مگر اسکی آنکوں میں انجانا سا خوف دیکھ کر میں چونک پڑا- دروازہ پر زور زور سے دستک ھونے لگی-

؛؛؛ آصف دروازہ مت کھولے گا، یہ کوئی فقیر نھی ھو سکتا ؛؛؛

؛؛؛ کیا مطلب ؟؛؛؛؛ میں چونک پڑا- ؛؛؛ تمھیں کیسے پتہ کہ باہر کوی فقیر نھی ھے- اور اگر یہ فقیر نھی ھے تو اور کون ھو سکتا ھے- نجانے کون، اور کتنے دنوں سے بھوکا انسان ھو گا، دیکھ لینے میں آخر کیا حرج ھے ؟؛؛؛ اس نے میری بات نہ مانی، اور ایک آئیڈیا دیا کہ اوپر سے دیکھ کر آتے ھیں کہ کون ھے- میں شش و پنج میں مبتلا ھو گیا- آخر کار اسے رافع کے پاس چھوڑ کر میں اوپر گیا--- دیوار سے نیچے جھانکا تو میں خوف سے کانپ کر رہ گیا- مسلسل بجنے والا دروازہ اب مزید زور و شور سے بج رھا تھا، مگر سٹریٹ لائیٹ میں وھاں کوئی بھی نھی دکھ رھا تھا- ایک عجیب سے احساس نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا- غور سے دیکھنے پر میری آنکھوں نے روح فرسا منظر

دیکھا-دروازے کا سامنے ایک فٹ لمبا کالے بکرے کا سر پڑا تھا-میں تیزی سے نیچے جانے لگا کہ چونک کر رہ گیا-سامنے نہر پر ایک دس فٹ اونچا، بغیر سر والا انسان کھڑا تھا-جس کا ایک ھاتھ سرے سے تھا ہی نہی-میں اسے غور سے دیکھنے لگا کہ اچانک وہ چھوٹا ھونے لگا، اور مزید چھوٹا ھوتے ھوتے چار فٹ کا انسان رہ گیا، اور اب اسکا دوسرا بازو بھی نہی تھا-میرے چہرے پر ڈر اور خوف نے اپنے پنجے گاڑھ لیے-ٹھنڈی ھوا کو جھونکا میرے منہ سے ٹکرایا تو میرا بدن لرز کر رہ گیا-میری نگاہیں ابھی بھی اسی پر جمی تھیں، میرے پلک جھپکنے کی دیر تھی کہ وہ ایک بکری میں بدل گیا، اور اسکے بعد جب اس نے کتے کا روپ دھارا تو میرے رونگٹے کھڑے ھو گیے-فصیحہ کی زوردار آواز نے مجھے نیچے جانے پر مجبور کیا-میں دوڑتا ھوا سیڑھیاں پھلانگتا گیا-مین گیٹ کے پاس وہ رافع کو اپنے سے لگائے، کھڑی زور زور سے چیخیں مار رھا تھی-اسکی نگاھیں نیچے زمین پر جمی تھیں-میں نے اسکی نگاھوں کا تعاقب کیا تا میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں-خون کی ایک لکیر اندر داخل ھوتی ھوئی اوپر چھت کی طرف جا رھی تھی-میں بمشکل خود کو سنبھالتا ھوا ان دونوں کو اندر کمرے میں لے گیا-آیت الکرسی اور چاروں قل کا ورد کرتے ھوئے میں ان کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتا رھا-خدا خدا کر کے وہ رات گزری-فصیحہ اب ایک لمحے کے لیئے بھی اس گھر میں نہ رہنا چاھتی تھی-میں بھی اس سے متفق تھا کہ یہ گھر جس میں جن بھوتوں کا بسیرا تھا، ہرگز انسانوں کے رہنے کے قابل نہ تھا-اس واقعے نے میری آنکھیں کھول دیں-مجھے ابو سے اپنے برے روے کی معافی مانگنی تھی-ان کو اس عمر میں تنہا چھوڑ آنا، میری خود غرضی کی علامت تھی-دوپہر تک سارا سامان پیک کرنے کے بعد میں نے سامان اپنے ابو جی والے گھر میں بھجوانا شروع کیا-جاتے ھوئے رافع نے بہت ضد کی کہ وہ اپنے دوست کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا-اسے اسکے دادا سے ملوانے کے بہانے اسے یہاں سے چلنے کو کہا-وہ بہت مشکل سے راضی ھوا-ان دونوں کو گاڑی میں بٹھا کر میں پڑوسی دادا جی سے ملنے کے ارادے سے ان کے گھر جانے لگا-کہ جاتے ھوئے ان سے سلام دعا کرتا آؤں، مگر وھاں لگا تالا میرا منہ چڑا رھا تھا-

ختم شد

تم نے کہا تھا

حبس کے موسم میں

تم سے ملنا بارش کے جیسا ہے

سنو

میں آج کل حبس ذدہ موسموں کی ذد

میں ہوں۔۔۔۔!

مجھے اپنے ساتھ کی بارشیں لوٹا دو۔۔!

(از سارہ مجید)

زرد پتے

عفت بھٹی

دوسری قسط

دنیا گویا ایک نقطے پہ آکر رک گئی۔ اس کے ارد گرد ایک جملہ مسکراتے لبوں سے ایک ہی گردان کیے جا رہا تھا۔ آئی۔ لو یو۔ پھر ایک کاغذ کا ٹکڑا اس سوراخ سے نمودار ہوا اور اس کی کھڑ کھڑاہٹ نے بیلا کو ہوش میں لا کھڑا کیا اس نے بے خودی کے عالم میں وہ کاغذ کھولا۔ خوبصورت رائٹنگ میں لکھا گیا تھا ،میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں بن دیکھے ہی۔ میری سنگاپور میں ٹریننگ ہے ایک سال کی۔ جلد لوٹوں گا تمہارا عاشر ،لفظ تھے یا مژدہ جاں یا نوحہ کناں۔ وہ بھر بھری مٹی کی طرح زمیں پہ ڈھے گئی۔ قیامت سی قیامت دل پہ آن وارد ہوئی کافی دیر بعد اس نے سوراخ کے پار دیکھا وہ جا چکا تھا وہ بھاگتی ہوئی نیچے آئی دھڑام سے دروازہ کھولا مگر رکشے کی اڑتی دھول کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے پلٹی جانے والا جا چکا تھا۔ کاغذ اس کی مٹھی میں متاعِ جاں کی مانند دبا ہوا تھا اس نے اور سختی سے اسے دبوچ لیا گویا کاغذ نہ ہو عاشر کا ہاتھ ہو ۔بے بسی۔ آنسو، دکھ جانے کیا کیا تھا جو اس کی آنکھوں سے رم جھم کی صورت امڈ آیا وہ بے دست و پا رہ گئی۔ نہ اتا نہ پتا بس کاغذ پہ لکھی دو لائنیں اور ایک جملہ دو مسکراتی آنکھیں، یہ تھی اس کی محبت کی کہانی۔

آج وہ دلہن بنی بیٹھی تھی اماں اور ابا کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا سادگی سے بارات آئی نکاح ہوا اور وہ مسز سعادت علی بن گئی۔ وقت رخصت اماں ابا کے گلے لگ کے ایسی روئی کہ سنبھالنا مشکل ہو گیا شاید اتنے دنوں کا ضبط جواب دے گیا تھا ۔گاڑی میں بیٹھتے ہوئے گویا اس کہ تمام حواس واپس آ گئے تھے اس کے برابر میں اس کے شوہر کی بیٹی اپنے ننھے سے ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی اس کی کنچوں جیسی آنکھیں گویا مسکرا رہی تھیں۔ ممارونامت اب اس نے بیلا کے ہاتھ کو پیار سے اپنے گال سے لگایا۔ باوجود کوشش کے وہ اپنا ہاتھ نہ چھڑا پائی غازیہ نے تھوڑا اور برھو کے اس کے گال کو

چوم لیا میری پیاری مما۔ آگے بیٹھے سعادت علی نے آئینے میں مسکرا کر اپنی بیٹی کے لاڈ دیکھے ایک نظر گھونگھٹ نکالے وجود پہ ڈالی اس کی نگاہیں جھکی ہوئیں تھیں ،بلاشبہ وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ سعادت علی کے دل میں ڈھیروں اطمینان اتر آیا۔ سجے سجائے گھر کے سامنے گاڑی آ کر رکی اس کی نندیں جلدی سے دوسری گاڑی سے بر آمد ہوئیں اور اسے خوش آمدید کہا اور اندر لے آئیں اس نے طائرانہ نظروں سے ارد گرد دیکھا۔ صاف ستھرا پکا مکان ترتیب سے تین کمرے جن کے دروازے ڈائننگ ہال میں کھلتے تھے ایک طرف کچن اور اوپر جانے والی سیڑھیاں تھیں اس کا کمرہ اوپر تھا اس کی بڑی نند کافی سنجیدہ سی تھی لیں بھابھی یہ آپکا کمرہ ہے ایزی ہو جائیں اس نے بیڈ پہ بٹھاتے ہوئے اس کا لہنگا درست کیا میرا نام راشدہ ہے اسلام آباد ہوتی ہوں ایک بیٹی ہے میری چار ماہ کی ماہم۔ کچھ دیر میں بہت سے لوگ کمرے میں آ گئے راشدہ لو ماہم جاگ گئی یہ کہتے ہوئے اس کی دوسری نند مائدہ نے چھوٹی سی ایک بچی کو بیڈ پہ لٹا دیا۔ ارے بھابھی تکلف نہ کریں آپکا ہی گھر ہے مہمان تو ہم ہیں وہ مسکرائی۔ اس کی ساس نے اس کی بلائیں لیں اور اس کا ماتھا چوما اللہ نصیب اچھا کرے جگ جگ جیو۔ یہ مائدہ اور راشدہ کی ساس ہیں ایک خاتون کی طرف اشارہ کیا بیلا نے ہولے سے سلام کیا انہوں نے دعا دی۔ اتنے میں اس کے نندوئی بھی آ گئے سلام دعا ہوئی۔ اچھا چلیں بھابھی کو ریسٹ کرنے دیں کہتے ہوئے راشدہ اٹھ گئی۔ دونوں بہنیں ایک ہی گھر بیاہی تھیں سسر تھے نہیں بس ساس کا دم تھا ایک دیور تھا جو باہر تھا۔ سب کے باہر جانے پہ اس نے سکون کا سانس لیا اور بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگالی۔ مسلسل بیٹھے رہنے سے اس کی کمر اکڑ گئی تھی ابھی وہ لیٹنے ہی لگی تھی کہ سیڑھیوں پہ قدموں کی چاپ ابھری وہ سیدھی ہو گئی دروازہ ناک ہوا اور اس کا سولہ سالہ دیور غازیہ کو اٹھائے اندر آ گیا۔ السلام علیکم بھابھی اس نے مسکرا کر کہا بیلا نے بھی مسکرا کر جواب دیا یہ غازی بہت تنگ کر رہی تھی کہ آپ کے پاس جانا ہے ننھی غازیہ اس کی گود سے اچھل کے اتری آہا مما کتنی پیاری لگ رہیں نا چاچو میں ،ادھر ہی بیٹھوں گی آپ جاؤ اس نے بیڈ پہ بیٹھ کر بیلا کے ساتھ ٹیک لگائی ،او کے دانش نے کندھے اچکائے اور باہر آ گیا۔ مما آپ اب جاؤ گی تو نئیں ناں اس نے بیلا پہ نظریں جمائیں۔ میں آپ کو تنگ نئیں تروں گی غازی بہت اچھی ہے ، ہے نا مما اس نے سوالیہ انداز اپنایا۔ کیا تھا اس بچی میں کہ اس کا دل مٹھی میں لے لیتی تھی۔ جی غازیہ بہت پیاری ہے اس نے اس کا گال چوم لیا۔ غازیہ تالیاں بجانے لگی۔ دادو کہتی جو بچے مما کو تنگ کرتے اور روتے ان کی مما اللہ میاں لے جاتے۔ میں کبھی نئیں روتی۔ پہلے روتی تھی تو ایک مما اللہ میاں لے گئے اب غازیہ نئیں روتی چوٹ لگتی پھل بھی نئیں غازی بہت بریو ہے۔ بیلا نے تڑپ کے اسے گلے لگا لیا ،وہ اس کی گود میں ہی باتیں کرتی سو گئی۔ سعادت علی اندر آئے تو ان کی اور ماں جی کی آنکھوں نے ایک خوبصورت منظر دیکھا دلہن پلنگ سے ٹیک لگائے سو رہی تھی جب کہ غازیہ اس کی

گود میں اس کا ہاتھ تھامے سو رہی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مسکرا دیے، سعادت علی نے غازیہ کو ہولے سے گود میں اٹھایا اور والدہ کی گود میں دے دیا وہ اس کو لے کر باہر نکل گئیں۔ دروازہ بند کر کے پلٹے تو بیلا جاگ چکی تھی سعادت علی نے مسکرا کر اسے سلام کیا اس نے پہلی بار نظر اٹھا کے انہیں دیکھا نگاہوں کے تصادم نے اسے گڑبڑا دیا وہ ایک خوش شکل انسان تھا۔ سعادت علی اس کے سامنے بیٹھ گئے اس کا ہاتھ تھاما جو ہولے ہولے کانپ رہا تھا اسے تھپکنے کے انداز میں تسلی دی۔ میں آپکا احسان مند ہوں آپ نے مجھے اور میری بیٹی کو قبول کیا۔ انشااللہ میں آپکو خوش رکھنے کی پوری کوشش کروں گا۔ اس نے ہولے ہولے مسکراتے ہوئے کہا پھر جیب سے ایک انگوٹھی نکالی جس میں ایک نفیس سا چھوٹا سا ہیرا جڑا ہوا تھا یہ میری محبت کا حقیر سا نذرانہ ہے سعادت علی نے وہ انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنادی۔ زندگی کا ایک نیا سفر شروع ہو چکا تھا اس میں کتنے پڑاؤ اور کتنے حضر تھے کاتبِ تقدیر کے قلم کی کیا تحریر تھی کسی کو خبر نہ تھی۔

شادی کو تین ماہ ہو گئے تھے باقاعدہ زندگی کا آغاز ہو چکا تھا۔ ابا کا حج ویزہ نکل آیا وہ دونوں حج پہ چلے گئے۔ غازیہ کو اسکول داخل کروا دیا تھا۔ وہ صبح سعادت کے جانے کے بعد ساس اماں کے پاس آ بیٹھی امی پرسوں اماں ابا آرہے ہیں میں نے سوچا ایک دفعہ صفائی کر آؤں آپ میرے ساتھ چلیں وہ تو لیٹ آئیں گے۔ بیٹا رات سے میرے گھٹنوں میں بہت درد ہے تم دانش کے ساتھ چلی جاؤ ابھی آجاتا ہے اکیڈمی سے تم تیار ہو جاؤ۔ ساس اماں نے جواب دیا۔ سو وہ دانش کے ساتھ بائیک پہ گھر چلی آئی دو گھنٹے لگ گئے اسے صفائی دھلائی میں اب اس کی حالت دھول مٹی سے اٹی ہوئی تھی۔ کیا کروں اب ایسے کیسے واپس جاؤں۔ اسے یاد آیا اس کے کپڑے ہونگے وہی نہا کر پہن لیتی ہوں۔ اس نے الماری کھول کر گلابی سوٹ نکالا استری کرنے لگی اس میں سے ایک کاغذ نیچے گر گیا اس نے جھک کر اٹھایا۔۔ یکلخت ایک نام اس کی سماعتوں میں گونجا عاشر،،،۔۔اس کے لب بھینچ گئے۔ ابھی وہ اسی سوچ میں گم تھی کہ دانش اکتایا ہوا آگیا بھابھی کتنا کام ہے امی کی کالز آرہی ہیں غازی کو بخار ہے وہ آپ کے لیے رو رہی ہے۔ اس نے کاغذ کو جلدی سے پرس میں ڈال لیا بس میں دس منٹ میں کپڑے بدل کے آئی تم بیٹھو۔

مما یہ دوائی بہت گندی ہے میں نے نہیں پینی غازیہ نے منہ بسورا۔ ارے مما اپنی ڈول کو چاکلیٹ دیں گی ناں دوائی کے بعد پھر کچھ نہیں ہوگا شاباش بیلا نے چمچ میں سیرپ ڈالتے اسے چمکارا، اس نے آنکھیں بند کر کے منہ کھول دیا

۔۔ سعادت علی ویسے تو ایف۔ اے تھا مگر وقتی طور پہ صاحب نے اسے اپنا پی۔ اے مقرر کیا تھا اب ایک کلرک کی سیٹ خالی ہوئی تو کچھ پس و پیش کے بعد وہ سیٹ اسے مل گئی وہ بہت خوش تھا اس کو وہ بیلا کی خوش قسمتی قرار دیتا۔ اس نے کچھ رقم جوڑ رکھی تھی جس سے ایک سیکنڈ ہینڈ گاڑی لے لی اب روزانہ شام کو وہ سب کو لا دے باہر سیر کرا لاتا زندگی بہت

خوبصورتی سے اپناپن دکھارہی تھی ہر طرف خوشی تھی اماں ابا بھی اسے اپنے گھر میں دیکھ کر مطمئن تھے اور خدا کا لاکھ شکر بجالاتے۔ آج صبح سے ہی اس کی طبیعت بوجھل تھی ،ارے اٹھو دیر ہو گئی بیلا ناشتہ ،،سعادت نے اسے جگایا مگر اس کا ہاتھ بخار میں تپ رہا تھا۔ اوہو تمہیں تو بخار ہے وہ چونکا ۔ہاں ساری رات چکر اور معدہ اپ سیٹ رہا کمزوری محسوس ہو رہی اس نے بمشکل اٹھتے ہوئے کہا۔ ارے تم مجھے جگا دیتی چلو ڈاکٹر کو دکھا آئیں۔ سعادت نے اسے سہارا دیا امی کو بتا کے وہ گاڑی میں آ بیٹھی۔ غازیہ دادی کے پاس بیٹھی کارٹون دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر نائلہ اس کے دوست کی بیوی تھی چیک اپ کے بعد کچھ ٹیسٹ کروائے وہ انتظار گاہ میں بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر نائلہ نے انہیں اندر بلوایا۔ مسکراتے ہوئے سعادت علی کو باپ بننے کی خبر سنائی۔ بیلا نے شرمگیں انداز میں سر جھکا لیا جب کہ سعادت کا بس چلتا تو خوشی سے ناچنے لگتا۔ مٹھائی کے ساتھ وہ گھر داخل ہوئے اندر سے بیلا کے اماں ابا کی آواز رہی تھی سب کے لیے یہ خبر بہت خوشی کی تھی۔

اسکا آخری ماہ چل رہا تھا وہ بہت بے چینی محسوس کر رہی تھی ۔سعادت علی ایک میٹنگ میں اپنے صاحب کے ساتھ اسلام آباد گیا ہوا تھا کچھ دیر پہلے اس نے فون کر کے خیریت پوچھی تھی اور جلد لوٹ آنے کی کوشش کا کہا تھا۔ اس نے اماں کو کال کی۔ اماں میرا دل گھبرا رہا جیسے کچھ ہونے والا وہ رو دی ۔ارے پگلی کچھ نہیں ہوتا تیرے ابا آلیں میں آتی ہوں تو گھبرا نہ اپنی ساس کے پاس بیٹھ۔ اماں نے تسلی دے کے فون بند کر دیا مگر اسے ایک پل چین نہ تھا ابھی تو ڈاکٹر کے بتائے وقت میں پندرہ دن تھے۔ وہ نیچے ساس کے کمرے کی طرف جانے لگی نیچے شور کی آواز آ رہی تھی غالباً دانش غازیہ کو اسکول سے لے آیا تھا آج اس کے اسکول میں پینٹنگ کمپیٹیشن تھا ابھی اس نے چند سیڑھیاں عبور کیں تھیں کہ غازیہ ہاتھ میں میڈل پکڑے بھاگتی ہوئی اوپر آئی مما مجھے فرسٹ پرائز ملا وہ اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی اس کا توازن بگڑا پہلے سے ہی چکر آ رہے تھے اور وہ لہراتی ہوئی سیڑھیوں سے لڑھک گئی ایک چیخ کے ساتھ تیز درد کی لہر نے اس دنیا مافیہا سے بے خبر کر دیا غازیہ ریلنگ پکڑے مما مما چیخی جا رہی تھی۔ اس کا میڈل نیچے گر کے چکنا چور ہو گیا تھا۔ اسی لمحے اس کی ساس اور دیور بھاگتے ہوئے آئے اور دروازے سے اس کے اماں ابا داخل ہوئے۔ اس نے مندی مندی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا ہر طرف سفیدی کا راج تھا سفید دیواریں سفید بیڈ اور سامنے کھڑی سفید لباس میں ملبوس نرس ،نرس نے ہوش آنے پہ اسے مسکرا کر مخاطب کیا نئی زندگی مبارک ہو۔ اور باہر چلی گئی کچھ دیر بعد سعادت علی اندر آیا اور اماں ابا بھی اماں نے اس کا ماتھا چوما ان کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر اس کے بالوں میں جذب ہو گئے ابا نے سر پہ ہاتھ رکھا اور جبراً مسکرائے۔ کیسی ہو بیٹا؟ ٹھ۔ ٹھیک ہوں اس کے خشک حلق سے کمزور سی آواز نکلی۔ اماں اور ابا آنکھیں پونچھتے باہر نکل گئے اب وہ سعادت کی طرف متوجہ

تھی، میرا بچہ؟ اس کے آنکھوں کے سوال کی بے چینی تڑپ بن گئی۔ سعادت نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بیلا وہ اس دنیا میں نہیں رہا اللہ کی امانت تھی اس نے لے لی ۔سعادت کی آنکھوں میں نمی ٹھہر گئی، نہیں یہ کیسے ہو سکتا وہ جھٹکے سے اٹھنے لگی مگر درد کی لہر نے اسے بیڈ پہ لیٹنے پہ مجبور کر دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اور ہونٹوں سے سسکیاں نکل رہیں تھیں سعادت نے اس کے گرد بازو حائل کر دیے اس کے درد کا اندازہ اس سے بہتر کون لگا سکتا تھا دونوں ایک کشتی کے مسافر تھے دونوں نے اپنے جگر کا ٹکڑا کھویا تھا درد مشترک تھا۔ ایک ہفتے کے بعد اسے اسپتال سے چھٹی مل گئی سعادت اسے گھر چھوڑ کر آفس چلا گیا وہ اندر داخل ہوئی دانش اس کا سامان اٹھائے پیچھے تھا۔ اماں کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اندر سے اماں کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے وہ فون پہ کسی سے مخاطب تھیں۔ ارے بڑی مشکل سے اس کی جاں بچی ہے مگر سب سے بڑی بات اب وہ کبھی ماں نہیں بن پائے گی۔ الفاظ تھے کہ بم جو اس کی سماعتوں پہ جا گرے وہ اپنا دل تھامے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اماں کو غالباً آہٹ کا احساس ہوا۔ فون بند کر کے باہر لپکیں اس کو دیکھا کتنی لٹی پٹی نظر آرہی تھی انہوں نے اسے گلے لگا لیا مگر وہ تو جیسے پتھر ہو گئی تھی اسے تھامے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اس لتا کے کھانے کا پوچھا اس نے نہ میں سر ہلا دیا اور بازو آنکھوں پہ رکھ لیا۔ وہ اکیلا رہنا چاہتی تھی، سب لٹنے کا غم تو تھا ہی ہمیشہ کے لیے بنجر ہونے کا دکھ سوا تھا۔

(اس رات کا ملن)

تمہیں یاد ہے وہ چاندنی رات
جس رات ہم، تم ملے تھے
کیا!!!! تمہیں یاد ہے اس رات کا ملن
جو ستاروں سے ہوا تھا
کیا!!! تمہیں یاد ہے جب تم نے میرے بالوں....
کو سہلا کر کہا تھا
چلو آؤ...کے عہدِ وفا کرتے ہیں..
کہ چلو!! اب وہ سفر کرتے ہیں
جو کبھی نہ ختم ہونے والا ہو
اور پھر!!! کہا تھا میں نے تم سے کہ،
تم اچھی طرح سوچ لینا
اکثر اس سفر میں دھوکے بھی ہوا کرتے ہیں
اکثر دلوں کے سودے بھی ہوا کرتے ہیں اور.. پھر
عہدِ وفا تم نے کیا نبھانا مجھے پڑا سفر جو ہم مل کے
شروع کیا تھا اسکا اختتام میں نے کیا
کیا؟؟؟ یہی عہدِ وفا تھا تمہارا جاناں
کیا یہی قسمیں تھی تمہاری جاناں
اور پھر جس دن. تم نے عہدِ وفا توڑا
تو میں نے جان لیا اے ے جاناں
محبت جھوٹی ہوتی ہے. اور سچی ہوتی ہے.. ہاں
اے جاناں محبت جھوٹی ہوتی ہے...

شاعرہ (فاطمہ زہرہ)

کچھ جلتے دیئے یادوں کے

ربیعہ امجد

وہ آج بیس سال بعد دوبارہ اس سرزمین پر قدم رکھنے جا رہی تھیں جہاں کبھی ان کا سب کچھ تھا ان کے سب اپنے تھے ان کے غم خوشیاں خواب سب کچھ اس جگہ سے جڑا ہوا تھا اس سرزمین کو چھوڑتے ہوئے کتنی تکلیف ہوئی تھی ان کو چھبیس سال جس جگہ گزارے ہوں اس جگہ سے انسان کو قدرتی محبت ہو جاتی ہے اور جب اس جگہ سے انسان دور جائے تو بہت شدید تکلیف ہوتی ہے اس تکلیف کی کوئی حد نہیں ہوتی اس کو ماپنے والا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا۔۔۔انسان جب کسی سے محبت کرتا تو شدید کرتا کیونکہ اس کا خمیر ہی محبت سے اٹھا یہ محبت تو انسان کو صدیوں سے وراثت میں ملتی آرہی یہ محبت بھی تو ہے کہ کسی انجان انسان کو آپ اپنے دل میں بسا لیتے ہو جس کو آپ ایک دفعہ دیکھتے ہیں اور بس پھر اس کے ہو جاتے ہیں سانسوں کی ڈور کے ٹوٹنے تک۔۔اور جس چیز سے ایک دفعہ محبت ہو جاتی ہے پھر اس سے دوری بہت مشکل ہوتی ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو انسان جیتے جی مر جاتا وہ زندہ تو رہتا مگر ایک لاش بن کر۔۔۔کوئی جزبہ کوئی خواہش کوئی امنگ باقی نہیں رہتی۔۔۔دل پتھر کا ہو جاتا۔۔۔وہ کسی شے کی طلب نہیں کرتا۔۔۔اور ایسی حالت بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔۔۔انسان مرنا پسند کرتا۔۔۔مگر موت بھی نہیں آتی۔۔۔یہ محبت کبھی کبھار جنون کا روپ دھار لیتی ہے اور جنون انسان کو اندھا کر دیتا اسے اپنے اور اپنے محبوب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔۔۔وہ

اس جنون کے بہکاوے میں اکہ سب کچھ کر گزرتا۔۔ مگر
جب انسان کو کوئی بڑا نقصان ہوتا۔۔۔ وہ ایک دم ٹھوکر
کھاتا تو پھر چاہے کہ باوجود بھی سنبھل نہی پاتا۔۔۔ انسان
کچھ ایسی غلطیاں کر جاتا جو زندگی بھر کے لیے ناسور بن جاتی
ہیں۔۔ محبت واقعی ایسی ہوتی ہے۔۔۔۔ جنونی بلکل بے بس
کر دینے والی۔۔۔ پھر یہ محبت چاہے کسی انسان ہو چیز سے ہو یا
اس زمین سے جہاں وہ رہتا۔۔۔ انہوں نے بھی محبت کی تھی
انسان سے بھی اور زمین سے بھی۔۔۔ اور اس محبت نے
جنون کا روپ دھار لیا تھا۔۔ ان کو بلکل اندھا کر کہ رکھ دیا تھا
اور پھر ان کا وہ نقصان ہوا تھا جس کی بھرپائی وہ بیس سالوں
میں بھی نہی کر پائی تھیں۔ مام ابھی اور کتنی دیر ہے۔ اپ نے
تو کہا تھا کہ ایک دو گھنٹے کا سفر ہے۔ مگر اب تو تین گھنٹے گزر
چکے ہیں۔۔۔ اور پاکستان ابھی بھی نہی ایا۔ اور کتنی دیر
ہے ،وہ سوچوں کی وادیوں میں بہت دور بھٹک رہی تھیں جب
ایکدم چونکی ہنی ان کا بازو ہلا کہ ان سے کچھ پوچھ رہی تھی
انہوں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا صبیح چہرے پر تھکن
اور کوفت کے اثار واضح تھے
بیس سال پہلے تو اتنا ہی ٹایم لگا تھا۔۔ وہ بڑبڑائیں۔ اپ نے کچھ
کہا۔۔ ہنی ان کی بڑبڑاہٹ پر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ نہی
کچھ نہی کہا۔ اینڈ یو ڈونٹ وری بس تھوڑی ہی دیر میں پاکستان
پہنچ جائیں گے۔ انہوں نے اسے تسلی دی تھی یا خود کو وہ سمجھ نا
پائیں۔ کب سے اپ تھوڑی دیر تھوڑی کہہ رہی ہیں نا جانے
کب ختم ہو گی یہ تھوڑی دیر۔۔۔ اٹس انف مام۔۔ وہ غصے سے
کہتی ہوئی رخ پھیر گئی۔ کیا ہمیں کوئی لینے ائے گا۔۔۔ دل میں
ایک دم سے خیال ایا۔۔۔ اور اگر نا ایا تو میں ہنی کو کیا جواب
دوں گی۔۔۔ ایک اور پریشانی نے سر اٹھایا یا اللہ اب تو ہی
عزت رکھ لینا۔ وہ ایک دفعہ پھر سوچوں میں کھو گیئں۔ مام
چلیں بھی سب لوگ اتر گیے ہیں۔ پلین لینڈ کر چ۔۔۔ ہنی
نے ایک دفعہ پھر ان کی سوچوں میں خلل ڈالا تو وہ چونکیں
۔ اچھا کب۔۔۔ انہوں نے روانی میں کہہ دیا دیہان تو کسی اور
طرف اٹکا ہوا تھا۔ جب اپ اپنے خیالوں کی دنیا میں لینڈ کر
چکی تھیں۔۔ ہنی شرارت سے بولی تو ایک پھیکی سی مسکراہٹ
نے ان کے چہرے کا احاطہ کیا۔ اب چلیں بھی۔ وہ پھر گویا
ہوئی۔ ایئر پورٹ پر اترتے ہی ایک انجانی سی مہک ان کے دلو
دماغ میں اتر گئی۔ اس مہک کو وہ بیس سال میں بھی نہی بھول
پائی تھیں۔ یہ ان کے وطن کی ان کی محبت کی مٹی کی مہک تھی
جو ان کی روح میں رچی ہوئی تھی ایک عجیب سا سکون رگ و
رپے میں اتر گیا تھا اس بے چینی میں کسی حد تک کمی اگئی تھی
جو پچھلے بیس سال سے ان کی ذات کا حصہ تھی جس نے ہر پل
ان کو بے چین کیے رکھا وہ اتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی
تھیں ہم کیا اب یہیں رہیں گے۔۔۔ ہنی نے ایک دفعہ پھر
ان کو مخاطب کیا۔۔۔۔ اس میں برداشت کی شدت سے کمی
تھی وہ ہر کام کو جلد کرنے کی عادی تھی انتظار کرنا تو اس نے
سیکھا ہی نہی تھا شاید جس ملک میں وہ رہتی تھی وہاں کی زندگی
ہی ایسی تھی تیز مصروف۔۔ ہنی کی ساری عادتیں اپنے پاپا
جیسی تھیں ہر کام میں ہڑبونگ مچانا اس کی عادت تھی صبر تو

اس سے ہو تا ہی نہی تھا۔۔اور بات بات پہ غصہ اجاتا جو بقول ان کے شاید اس کی ناک پہ دھرا ہوا تھا۔۔۔اب بھی دل بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔۔۔بے چین تو وہ خود بھی تھیں پچھلے ادھے گھنٹے سے وہ وہاں کھڑی انتظار کی گھڑیاں گن رہی تھیں۔۔۔شاید وہ لوگ بھول گیے ہوں گے کہ ہم نے اج انا تھا۔۔۔دل میں ایک خیال نے اندھے کی طرح سر اٹھایا تو وہ ڈر گییں اگر ایسا ہوا تو کیا کریں گی وہ کہاں جاییں گی ۔۔۔ان سے رابطہ بھی نہی کر سکتیں تھی جس کاغذ پہ بڑے بھیا کا نمبر ہوا تھا وہ تو فلیٹ میں ہی رہ گیا تھا۔۔۔ہنی کی جلدی جلدی کے چکر میں وہ اسے وہیں بھول ایں تھیں۔۔۔ دل ہی دل میں خدا کو مدد کے لیے پکارا اب ایک واحد یہی راستہ تھا۔مام خدارا کچھ کریں میں بہت تھک گیی ہوں۔۔اور اپ نے تو کہا تھا کہ ماموں لینے اییں گے مگر یہاں تو کویی نہی ایا ۔۔۔شاید ان لوگوں کو ہمارا انتظار ہی نہی تھا۔۔ان کو بھول گیا ہو گا۔۔۔ہنی نے ناک بھوں چڑھاتے ہوے کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گییں اس کی کسی بات کا جواب نہی تھا ان کے پاس ۔۔۔اب خاموشی اور انتظار کے سوا کویی اور چارا بھی نہی تھا پھوپھو۔۔۔ایک مردانہ اواز ان کے عقب سے ابھری تو وہ چونک کے پیچھے مڑیں۔۔۔وہ کویی ستاییس اٹھاییس سال کا خوبصورت سا نوجوان تھا جو شاید نہی یقینا ان کو پکار رہا تھا ۔۔ہنی نے بھی اس کے پھوپھو کہنے پر حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔۔انکھوں میں موجود سوال صاف نظر ا رہا تھا کہ اب یہ کون ہے۔معاف کیجیے گا مجھے انے میں تھوڑی دیر

ہو گیی۔۔ مجھے کنفرم نہی تھا کہ اپ کی فلاییٹ کب کی ہے اور ابھی پتہ کیا میں نے کہ فلاییٹ تو کافی دیر پہلے اچکی ہے۔مجھے پتہ اپ کو انتظار کرنا پڑا اور اس کے لیے میں معزرت خواہ ہوں،وہ کافی دیر ان کے جواب کا انتظار کرتا رہا اور بالا آخر خود ہی بول پڑا۔مگر اپ ہیں کون۔۔۔ہنی نے اس کی لمبی چوڑی تفصیل کو کوفت سے سنا اور اس کے چپ ہوتے ہی بول پڑی۔اپ کا کزن لگتا ہوں رشتے ہوں میں۔۔۔نویان افندی نے شرارت سے کہا۔۔۔چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ اگیی جس کو ہنی نے غصے سے نظر انداز کر دیا۔مام یہ تو مجھے کویی چور لگتا۔۔۔جو بہانے سے ہمیں اپنے ساتھ لے جانا چاہ رہا تا کہ بعد میں ہمیں لوٹ لے۔۔۔میری فرینڈ کہتی ہے کہ پاکستانی چور ہوتے ہیں وہاں ایسے دھوکے باز بہت زیادہ ہوتے ہیں۔۔۔ہنی نے ان کی طرح دیکھتے ہوے کہا تو نویان افندی کا منہ حیرت سے کھل گیا وہ اس پر اتنا بڑا الزام عاید کر رہی تھی۔۔۔جب کے ان کے دل پر تو جیسے گھونسا پڑا تھا ۔۔۔پاکستانی چور ہوتے ہیں دھوکے باز ہوتے ہیں۔۔۔کتنی تکلیف ہویی تھی ان کو اس بات سے یہ صرف ان کا دل جانتا تھا۔۔۔مگر ہنی کی بات میں جھوٹ بھی تو نہی تھا سچ ہی تو کہہ رہی تھی دھوکے باز اوف چور ہی تو ہوتے ہیں پاکستانی۔۔وہ اس کی بات سے اتفاق کر گیی تھیں۔وہ دونوں اب جھگڑ رہے تھے اسی بات پر۔۔۔ہنی جانو کام ڈاؤن پلیز۔۔۔انہوں نے اسے نرمی سے ٹوکا تو وہ ناراضگی سے انہیں دیکھنے لگی۔یہ اپ کے بڑے ماموں کے بیٹے ہیں نویان افندی۔۔اور اپ سے

بڑے ہیں اس لیے بد تمیزی نہی۔۔۔او کے۔۔۔انہوں نے پیار سے سمجھایا تو اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ نویان افندی پہ ڈالی۔پھوپھو۔۔۔اپ کو یاد ہوں میں۔۔۔نویان افندی کو خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی وہ اسے پہچان گی تھیں۔۔۔اس کی بات پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر ائی۔۔۔نویان افندی اگے بڑھ کہ ان کے گلے لگ گیا۔۔۔اور ان کو لگا جیسے وہ بڑے بھیا سے ملی ہوں۔۔۔ویسا ہی چھ فٹ سے نکلتا قد گدمی رنگت اور بھوری آنکھیں سب کچھ ہی تو ان جیسا تھا۔۔انہوں نے اس کے پیشانی پر بوسہ دے کے خود سے الگ کیا۔۔۔ان کی انکھوں میں ہلکی سی نمی اتر ائی تھی ہنی نے کوفت سے یہ منظر دیکھا۔مام گھر چلیں اب۔۔۔۔وہ ناگواری سے بولی اور نویان افندی نے صاف اس ناگواری کو محسوس کیا۔۔سترہ اٹھارہ سال کی یہ لڑکی عجیب سے حلیے میں اسے کافی سے بھی ذیادہ بد تمیز لگی۔ہاں بیٹا لو۔۔انہوں نے اپنا چشمہ اتار کہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔نویان افندی اگے بڑھ کے سامان اٹھانے لگا تو وہ ہنہہ کہہ کہ ایک تفاخر سے اگے بڑھ گی اس نے حیرت سے اس نمونے کو دیکھا

☆ ☆ ☆

جب وہ لوگ گھر پہنچے تو رات کے تقریباً دس بج چکے تھے ائیر پورٹ سے تین گھنٹوں کی مسافت تھی ہنی کا تھکن کے مارے برا حال ہو رہا تھا وہ رات کو جلدی سونے کی عادی تھی مگر اج بہت دیر ہو گی تھی لہٰذا اس کا موڈ سخت اف تھا

سب لوگ ان کے انتظار میں جاگ رہے تھے گھر میں داخل ہوتے ہی وہ بیس سال پہلے والی بن گیئں تھیں ان کے ہر ہر انگ سے بے چینی پھوٹ رہی تھی اور یہ بے چینی اپنوں سے ملنے کی تھی۔۔۔وہ پرانی ساری باتیں بھول گی تھیں یاد رہا تھا تو صرف اتنا کہ وہ اپنوں سے ملنے جا رہیں تھیں وہ اپنے جن کی جدائی نے انہیں ادھا نہی چھوڑا تھا۔۔جن کو یاد کر کے وہ مسلسل کی سالوں تک روتی رہیں تھیں۔۔۔بڑے بھیا سے ملیں تو یوں لگا برسوں سے سینے میں بھڑکتی اگ پر کسی نے پانی چھینک دیا ہو۔۔۔اور اس پانی سے سارے شکوے ساری کثافتیں دھل گیئں۔۔۔بھابیاں بھی بہت تپاک سے ملیں کچھ بھی تو نہی بدلا تھا نا لوگوں کے دل اور نا ہی لوگ بس وقت کچھ اگے سرک گیا تھا ان کی زندگی میں کچھ تبدیلیاں اگی تھیں ہر کسی کی آنکھ اشک بار تھی اور یہ شاید خوشی کے انسو تھے بچھڑے ہوئے لوگوں کے ملنے کی خوشی کے آنسو۔

۔مام۔۔۔ہنی جو کہ ان کے پیچھے ہی کھڑی تھی اس نے ہلکے سے پکارا تو وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔۔۔جس کو وہ مسلسل نظر انداز کیے ہوئے تھیں۔بھیا یہ میری بیٹی ہے حنین۔انہوں نے خوشی سے بتایا تو بڑے بھیا نے اگے بڑھ کے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا باقی سب بھی باری باری اس سے ملے۔ہنی کے چہرے پہ بیزاریت ہنوز قایم تھی۔ارے یہ تو بلکل تمہاری کاپی ہے۔ماشاءاللہ اللہ بری نظر سے بچائے۔چھوٹی بھابھی نے پیار سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

۔ماما میں بہت تھک گئی ہوں مجھے فریش ہونا۔۔۔اس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ شرمندہ سی ہو گئیں ہنی کا لہجا بہت عجیب اور روکھا تھا۔

ارے کیوں نہی گڑیا او میرے ساتھ میں اپ کو اپ کا کمرہ دکھاتی ہوں۔۔۔چھوٹی بھابھی نے کہا تو وہ سر ہلاتی ہوئی ان کے ساتھ اگئی۔۔۔وہ اسے خوبصورت سے سجے ہوئے کمرے میں لے ائیں۔یہ اپ کا کمرہ ہے میں اپ کا سامان بھجواتی ہوں اپ چینج کر لیں پھر میں کھانا لگواتی ہوں۔۔ انہوں نے پیار بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مجھے کھانا نہی کھانا۔۔۔میں نے پلین میں کھایا تھا ۔۔ مجھے بس سونا اب۔۔۔اپ پلیز میرا سامان بھیج دیں۔۔۔اس نے کہا تو سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔۔

۔ان کے جاتے ہی اس نے ایک نگاہ چاروں طرف ڈالی ۔۔۔کمرہ تو کافی اچھا تھا۔۔ہر چیز ایک سے بڑھ کہ ایک تھی پینٹ ہلکے اسمانی رنگ میں تھا اور ایسا ہی ملتا جلتا رنگ کھڑکیوں پہ لگے پردوں اور بیڈ کور کا تھا۔۔۔وہ بیڈ پہ بیٹھ کہ سامان کا ویٹ کرنے لگی۔۔۔

☆ ☆ ☆

وہ سحر خیزی کا عادی تھی رات کو خواہ کتنے بجے ہی سوئے مگر صبح فجر کے وقت اس کی انکھ کھل جاتی وہ نماز و غیرہ سے فارغ ہوا تو یوں ہی کھڑکی کھول کر لان میں دیکھا تو حیران رہ گیا۔ پھوپھو کا نمونہ لان میں اچھل کود کرنے میں مصروف تھی۔وہ حیران ہوا رات کو اتنی دیر سے سونے کے باعث بھی وہ صبح اتنی جلدی اٹھ گئی تھی۔۔۔اور اب زور و شور سے ایکسرسائز کر رہی تھی۔۔۔ صبح سویرے اٹھ کہ یہ کام کرتی ہے تبھی تو اتنی اسمارٹ ہے۔۔۔اس نے کھڑکی بند کرتے ہوئے سوچا۔۔۔بیڈ پہ پڑا سیل فون ٹوں ٹوں کرنے لگا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔۔۔شاہ زر کا میسج تھا۔۔۔اج کافی دنوں بعد اس کا مسیج ایا تھا۔۔۔وہ اس سے ناراض تھا اس لیے ناخود میسج کرتا نا اس کے میسج کا ریپلائی کرتا۔۔۔اور اج اچانک مسیج کی بھی یقیناً کوئی وجہ ہو گی۔۔۔اس نے ان باکس کھول کے میسج پڑا

.تمھاری چھٹی ختم ہو گئی ہے لہزا واپس اجاو اب ورنہ پھر سزا بھگتنے کے لیے تیار رہنا۔۔۔ مختصر سا میسج تھا اور اگے غصے والا ایکسپریشن تھا۔۔۔وہ ابھی بھی ناراض تھا۔۔۔اسے ہنسی اگئی ۔۔۔ناراض ہونے کے باعث بھی وہ اس کا انتظار کر رہا تھا تم میرا انتظار کر رہے ہو۔۔۔۔اس نے میسج ٹایپ کیا اور شرارتی سے ایکسپریشن کے ساتھ سینڈ کر دیا۔ تمھیں اپنے بارے میں اتنی خوش فہمیاں کیوں ہیں۔۔فوراً جواب ایا ۔کیا کروں یار میں ہوں ہی ایسا لوگ چاہ کر بھی نظر انداز نہی کر پاتے۔۔۔اس نے اسے چڑانے کے لیے یہ میسج لکھ کہ بھیج دیا۔ گو ٹو ہیل۔۔۔۔اس کے جواب پہ نویان افندی کا قہقہ بے ساختہ تھا۔۔وہ اس وقت غصے میں تھا لہزا وہ اسے مزید ستانے کا ارادہ ترک کر کے نیچے اگیا۔۔۔۔ چھوٹی امی لاونج میں صوفے پر براجمان تھی۔۔۔ان کے سامنے صوفے پر وہ بیٹھی تھی وہ سیڑھیوں سے اترتا ان کے پاس اگیا۔ گڈ

مارننگ ---اس نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا اور ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا جس کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا --- البتہ وہ خاموشی سے ٹی وی پر نظریں ٹکایے بیٹھی رہی ۔ نویان آفندی نے مختصر اسکا جایزہ لیا وہ ٹراوزر کے اوپر سلیولیس شرٹ پہنے ہو یے تھی لمبے بالوں کو پونی ٹیل کی شکل دی گی تھی جس میں سے چند آوارہ لٹیں اس کے رخساروں کو چوم رہی تھیں --- جن کو پیچھے کرنے کی زحمت اس نے گوارا نہی کی تھی --- چہرے پر معصومیت چھایی تھی ۔ ناشتے میں کیا کھاوگے --- چھوٹی امی نے پوچھا تو وہ چونکا -- ہنی نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا ۔ اور پھر سے نظریں ٹی وی پر مرکوز کر لیں ۔ کچھ بھی --- وہ مختصر بولا ۔ گڑیا اپ کیا کھاییں گی ۔ انہوں نے ہنی کو مخاطب کیا ۔ فی الحال تو چایے پیوں گی --- ناشتہ بعد میں کر لوں گی --- وہ کہتے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہویی اور پھر سیڑھیاں چڑ گی وہ حیران سا اسے دیکھتا رہا

چھوٹی امی ایک بات کہوں --- اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

ہاں بولو

۔ پھوپھو نے ہنی کو کافی آزادی دے رکھی ہے --- اپ نے حلیہ دیکھا اس کا --- اور اوپر سے بات کرنے کا لہجہ --- کافی بدتمیز ہے --- وہ سیڑھیوں کی طرف دیکھتے ہو یے بولا

۔ ارے نہی ایسا کچھ نہی ہے ابھی بچی ہے نا اس لیے تھوڑا بچپنہ اس میں --- اور کچھ ماحول کا بھی تو اثر ہو تا پھر --- کچھ دن یہاں رہے گی تو ٹھیک ہو جایے گی --- چھوٹی امی نے ہنی کی سایڈ لی ۔ اتنی بھی چھوٹی نہی ہے --- اور یہ ٹھیک نہی ہونے والی دیکھ لیجیے گا -- تم کیوں اتنا انٹرسٹ لے رہے ہو سب خیر ہے --- وہ شرارت سے گویا ہویی تو وہ کچھ گڑبڑا گیا ۔ ایسا کچھ نہی -- اپ خواہ مخواہ کے اندازے مت لگایا کریں -- وہ مصنوعی ناراضگی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا تو ان کے ہونٹوں پہ گہری مسکراہٹ اگی

☆ ☆ ☆

ہنی کمرے میں بیٹھی لیپ ٹاپ پہ مصروف تھیں جب وہ اندر داخل ہوییں کھٹکے کی اواز پہ ہنی نے سر اٹھا کہ دیکھا اور پھر ان کو دیکھ کہ لیپ ٹاپ کی اسکرین ڈاون کر دی وہ اس کے نزدیک بیٹھ گییں چہرے پر سنجیدگی ہنوز قایم تھی ہنی نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا وہ اس کی طرف متوجہ نہی تھیں --- اسے تھوڑی سی پریشانی ہویی ۔ مام کیا ہوا --- اپ کیوں پریشان ہیں -- ہنی نے ان کا ہاتھ تھامتے ہو یے پوچھا ۔ ۔ تم چھوٹی بھابھی کے ساتھ جا کہ کل شاپنگ کر لو --- وہ آہستگی سے اپنا چھڑاتے ہو یے بولی

۔ اوکے فاین میں چلی جاوں گی --- مگر ان کو کیسے پتا چلے گا کہ میں کیسے ڈریس پسند کرتی ہوں --- وہ فورا سب بھول کہ تیار ہو گی شاپنگ کی تو وہ شروع سے ہی دلدادہ تھی

۔ تم بھابھی کی پسند سے ڈریس لے انا --- جیسے یہاں کے لوگ پہنتے ہیں -- میں نے ان کو کہہ دیا ہے وہ تمہیں کل لے جاییں گی --- ان کی بات ہنی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا

۔مگر میں اس طرح کے ڈریس کیسے پہنوں گی۔اپ کو پتا نا میں ان میں ایزی فیل نہی کرتی۔ مجھے نہی لینے ویسے ڈریس۔اس نے غصے سے کہا

۔بیٹا کبھی کبھی کچھ ایسے کام بھی کرنے پڑھ جاتے ہیں جو ہمیں پسند نہی ہوتے مگر دوسروں کی خوشی کے لیے وہ کرنے ضروری ہوتے ہیں۔۔۔اپ اس طرح کے کپڑے پہن کے سب کے سامنے جاوگی تو وہ لوگ کیا سوچیں گے۔۔۔ہر کام ماحول کو دیکھ کہ کیا جاتا۔۔میں نے اپکو کبھی پہلے منع نہی کیا نا ۔اب اگر کہ رہی ہوں تو کوئی نا کوئی وجہ ہی ہو گی۔۔گھر میں اپ کے ماموں ہیں نویان ہے اچھا نہی لگتا اپ ان کے سامنے ایسے جاو۔۔۔انہوں نے پیار سے سمجھایا تو وہ سوچ میں پڑھ گئی ان کو یقین تھا کہ وہ ان کی بات مان لے گی حالات سے سمجھوتا کرنا اسے اتا تھا جیسے اس کی ماں نے کیا تھا تھوڑی ضدی تھی مگر سمجانے پر بات مان جاتی تھی اور اس کی یہی عادت انہیں پسند تھی وہ ان کی بیٹی تھی ساری عادتیں ان جیسی ہی تھی کبھی کبھار ضد کرتی تھی مگر یہ شاید اسکی کم عمر کی وجہ سے تھا ان کو یقین تھا کہ وہ جس مقصد کے لیے یہاں ائی ہیں وہ پورا ہو جایے گا کل انہوں نے نویان کو جب یہ کہتے سنا تھا کہ پھوپھو نے ہنی کو بہت ازادی دے رکھی ہے۔۔۔ان کو بہت دکھ ہوا تھا سن کے واقعی ان سے کہیں نا کہیں غلطی ہوئی تھی اپنے دکھ میں کھو کر ان سے بہت کچھ غلط ہو گیا تھا مگر اب ان کو اپنی غلطیوں کو سدھارنا تھا تبھی تو اتنے سالوں بعد انہوں نے پاکستان واپس انے کا فیصلہ کیا تھا

مام۔۔۔مام۔۔۔کہاں کھو گئی ہنی نے پکارا تو وہ چونکیں

۔ہاں بیٹا۔۔۔وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں

۔کچھ کہا تم نے۔۔۔انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

میں کل مامی کے ساتھ جا کہ ویسے ڈریس لے اوں گی جیسے اپ نے کہا۔۔۔وہ معصومیت سے بولی تو ان کو پیار اگیا

۔میری پیاری بیٹی جو ہو اپ۔۔۔انہوں نے پیار سے کہا تو وہ ان سے لپٹ گئی وہ محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں

☆ ☆ ☆

دھوپ کافی تیز اور چبھنے والی تھی سورج کی موجودگی سر سے کچھ ہی فاصلے پر معلوم ہو رہی تھی۔انگلینڈ کی نسبت یہاں موسم کافی گرم تھا۔وہ ایسی گرمی کی عادی نہیں تھی۔مگر چند دن میں ہی عادی ہو گییں تھیں۔ہنی البتہ تھوڑی تنگ تھی ۔وہ گرمی کی وجہ سے کم ہی اپنے کمرے سے نکلتی تھی۔ابھی بھی وہ لان میں درخت تلے رکھی کرسیوں پر بیٹھی سوچوں میں مگن تھیں جب قدموں کی اواز پر چونکیں اور پھر بڑے بھیا کو دیکھ کہ سیدھی ہو کہ بیٹھ گییں۔۔۔وہ ان کے سامنے ہی کرسی پر بیٹھ گیے وہ شاید باہر سے ایے تھے تبھی پسینے میں شرابور تھے چہرہ بھی گرمی کی حدت سے لال سرخ ہوا تھا۔

۔بھیا پانی لاوں۔۔۔انہوں نے ان کی حالت کے پیش نظر پوچھا

ارے نہی اس کی ضرورت نہی میں نے پیا پانی کچھ دیر پہلے
۔۔ یہ تو گرمی کی شدت کی وجہ سے ایسے ہے۔۔۔تم کچھ دیر
میرے پاس بیٹھو۔۔۔وہ رومال سے پیشانی پہ ایا پسینہ پونچھتے
ہوے بولے

۔بھیا پاکستان کا موسم بہت گرم ہے یہاں کے لوگ نا جانے
کیسے برداشت کر لیتے ہیں۔۔۔ہمی کو تو ایڈجسٹ کرنے میں
بہت مشکل ہو رہی ہے یہاں۔۔وہ اپنے دیہان میں بولیں

۔اور تمہیں۔۔۔کیا تمہیں نہی ہو رہی۔۔۔انہوں نے
اچانک پوچھا تو وہ انہیں دیکھنے لگیں ان کی انکھوں میں معنی
خیز سا سوال تھا

۔میں نے اب ہر ماحول میں خود کو ڈھالنا سیکھ لیا انسان وقت
کے ساتھ سب کچھ سیکھ جاتا۔۔ان کا لہجہ دکھوں سے لبریز
تھا چہرے پر بھی کرب کی لہریں واضح تھیں

تم بی جان کی وفات پہ کیوں نہی ائی۔۔۔میں نے خط بھی لکھا
تھا اور فیاض بھائی کو بھی اطلاع کی تھی۔۔۔بی جان اپنے
اخری وقت میں تمہیں بہت یاد کرتی تھیں۔۔۔وہ تم سے
ایک بار ملنا چاہتیں تھیں مگر تم نہی ائی۔۔۔وہ اچانک بولے
تو ایک تاریک سا سایہ ان کے چہرے پر ان ٹھرا ماضی کبھی
بھی انسان کا پیچھا نہی چھوڑتا کسی نا کسی موقعے پہ انسان کے
سامنے ضرور ان کھڑا ہوتا خواہ انسان اس کا سامنا کرنے کے
لیے تیار ہو یا نا ہو۔۔۔بڑے بھیا ان کے چہرے کے اتار
چڑھاؤ باخوبی دیکھ رہے تھے اور اس وقت وہ کس کرب سے
گزر رہیں تھی وہ سمجھ رہے تھے

۔تم نے بہت سزا دی ہے ان کو۔۔۔شاید ان کی غلطی سے
بھی بڑھ کہ۔۔۔وہ تم سے معافی مانگنا چاہتی تھیں۔۔۔مگر تم
نے ان کو ایک اخری موقع بھی نہی دیا۔۔وہ کچھ دیر بعد
دوبارہ بولے....

۔سزا تو وقت نے مجھے دی ہے۔۔۔میری اوقات سے بھی
بڑھ کہ۔۔۔بیس سال اس عذاب میں مبتلا رہی ہوں
۔۔۔حالانکہ میں نے تو کچھ غلطی بھی نہی کی تھی۔۔۔پھر بھی
مجھے سزا ملی۔۔۔وہ کسی گہری سوچ میں مبتلا بولیں۔۔وہ ان
کے ساتھ اکے بیٹھ گیے

۔ہم سب نے بھی بہت سزا کاٹی ہے۔۔۔تمہاری دوری کی
سزا۔۔۔اور سب سے زیادہ تو بی جی نے کاٹی ہے
۔۔۔اپنے ضمیر کی عدالت میں انہوں نے کئی سال خود کو
مجرم ٹھرا ئے رکھا۔۔وہ تم سے معافی مانگ کے اس سزا کو
کم کرنا چاہتی تھی۔۔۔مگر تم نے موقع نہی دیا۔۔۔تمہاری
ایک نظر کے لیے وہ بہت تڑپی ہیں۔۔ان کی آنکھوں میں
ہمہ وقت ہلکورے لیتا دکھ میں نے دیکھا ہے۔۔۔تم کیوں نہی
ائی۔۔۔بولو کیوں نہی ائی۔۔۔ان کی انکھوں میں انسو تھے
۔۔۔بڑے بھیا ان کے بولنے کے منتظر تھے مگر وہ تو بلکل
چپ کسی گہری سوچ میں مبتلا تھیں

۔چھوڑیں ان باتوں کو بھیا میں اب کوئی پرانی بات یاد نہی کرنا
چاہتی۔۔۔یہ پرانی باتیں انسان کو صرف اور صرف دکھ سے
دوچار کرتی ہیں۔۔اور میں نے زندگی میں پہلے ہی بہت دکھ
جھیلے ہیں اب اور ہمت نہی ہے

۔بڑے بھیا نے ان کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا تو انہوں نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا۔۔۔دونوں کی انکھوں میں گھرے دکھ تھے دونوں نے ایک دوسرے سے نظریں چرا ئیں

۔اپ سے ایک درخواست ہے بھیا ہنی کے سامنے کبھی کوئی بات نا کیجیے گا میں نے اسے پھولوں کی طرح پالا کبھی کوئی تکلیف نہی انے دی اس کی ہر تکلیف میں نے خود سہی ہے ۔۔۔اس کی خاطر میں نے خود کو سنبھال لیا اور شاید اسی لیے واپس انے کا بھی فیصلہ کیا۔۔میں نہی چاہتی کہ وہ میرے ماضی سے متعلق کوئی بھی بات جانے اور پریشان ہو۔۔۔اج اپ وعدہ کریں مج سے کہ کبھی بھی اس کو کوئی بات نہی بتائیں گے وہ پوچھے تب بھی نہی۔۔۔میں مر گئی تب بھی کچھ مت بتایے گا پلیز بھیا۔۔۔اتنی دیر سے جس حوصلے کو وہ اکٹھا کر رہی تھیں وہ اب ٹوٹ گیا تھا انسو پلکوں کی باڑ توڑ کر باہر اگیے

بڑے بھیا ان کی بات پہ تڑپ اٹھے

۔ایسی باتیں مت کرو۔۔۔۔میں ہنی کو کچھ نہی بتاوں گا ۔۔۔اور نا ہی کوئی اور اس سے اس بارے میں کبھی بات کرے گا۔۔۔بس تم دوبارہ ایسی بات مت کرنا۔۔۔بڑے بھیا نے ان کو اپنے ساتھ لگا لیا۔۔۔وہ خاموشی سے ان کے ساتھ لگی انسو بہاتی رہیں

☆ ☆ ☆

ان کو پاکستان ایے تقریبا ایک مہینہ ہو چکا تھا۔۔اب وہ گھر فرد ہی بن چکی تھیں۔۔دونوں بھابھیوں کے منع کرنے کہ باوجود بھی وہ ان کا ہاتھ بٹا دیتیں۔۔ابھی بھی وہ کچن میں کھانا بنا رہی تھیں جب ہنی وہاں ائی

مام۔۔۔اس نے انہیں پکارا

۔جی جانو۔۔۔انہوں نے مڑ کہ اس کیطرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔۔

۔کیا بنا رہی ہیں اپ۔۔وہ ان کے ساتھ ان کھڑی ہوئی وہ چاینیز کے لیے سبزیاں کاٹ رہیں تھی۔۔۔ہنی نے پاس پڑی ٹوکری سے ایک گاجر اٹھالی اور کھانے لگی

۔اپ کی فیورٹ ڈش چاینیز۔۔۔انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خوش ہو گئی

۔اپ مجھے بھی کوکنگ کرنا سیکھا دیں نا۔۔۔پھر میں بھی اپ کی ہیلپ کروں گی۔۔۔ہنی نے گاجر کو دانتوں سے کترتے ہوئے کہا تو ایک خوبصورت سی مسکراہٹ نے ان کے چہرے کا احاطہ کیا

۔ضرور سیکھا دوں گی۔۔۔اچھا اپ مجھے یہ بتاو کہ اپ نے ایڈمیشن کے بارے میں کیا سوچا۔۔۔اپ کے ماموں کل مج سے پوچھ رہے تھے۔۔۔وہ اچانک یاد انے پر بولیں تو اس نے برا سا منہ بنایا

۔ابھی کچھ نہی سوچا۔۔لیکن سوچ کے بتاوں گی۔۔۔وہ اب دوسری گاجر اٹھا چکی تھی

۔اچھا چلو جلدی سے سوچ کہ مجھے بتانا پھر اور ٹائم بلکل ویسٹ نہی کرنا۔۔۔او کے۔لائیں میں بھی کاٹوں۔اس نے چھری ان کے ہاتھ سے لے لی۔۔۔

۔ویہاں سے لگ نا جایے۔۔۔انہوں نے ٹوکری اس کے سامنے رکھتے ہویے کہا۔۔۔تو اس نے سر ہلا دیا۔۔۔اچھا میں ابھی اتی ہوں۔۔۔وہ کہتی ہویی باہر نکل گییں۔۔۔وہ گاجروں والی ٹوکری اٹھا کچن میں پڑی میز کے گرد رکھی کرسیوں میں سے ایک پہ بیٹھ گیی ٹوکری کو میز پہ سامنے رکھلیا اور چھیلی ہویی گاجریں کاٹنے لگی

۔پھوپھو۔۔۔کچن میں داخل ہوتے نویان افندی نے پکارا مگر پھر ٹھٹک گیا سامنے کا منظر کم سے کم اس کے لیے تو نا قابل یقین تھا۔۔گہرے سرخ سوٹ میں ملبوس گاجریں کاٹتی وہ اسے خود بھی کویی گاجر معلوم ہویی

۔ہنی نے نظریں اٹھا کہ اس کی طرف دیکھا۔۔۔

۔پھوپھو کہاں ہیں۔۔۔وہ اندر داخل ہوتے ہویے بولا

۔باہر گیی ہیں۔۔۔اس نے مختصر بتایا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیی

۔سنو۔۔۔وہ پھر بولا

۔جی۔۔۔وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی

۔تمہیں چایے بنانی اتی ہے۔۔۔نویان افندی کی بات پہ اسے حیرت ہویی۔ نہی۔۔۔نویان کو اسی جواب کی امید تھی

۔تو سیکھ لو پھر۔۔۔وہ غصے سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔۔۔ہنی نے حیرانگی سے اسے جاتے دیکھا۔بدتمیز۔وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایی۔اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیی

۔نویان افندی لاونج میں ایا تو وہ اسے سیڑھیوں سے اترتی دکھائی دیں

۔پھوپھو۔۔۔اس نے انہیں پکارا اور ان کی طرف بڑھا

۔ہاں بیٹا۔۔۔

۔تین کپ چایے بنا دیں پلیز اگر اپ فری ہیں تو۔۔۔اس نے لجاہت سے کہا

۔ہاں ہاں کیوں نہی ابھی بنا دیتی ہوں۔۔۔

۔میں کچن میں اپ کو ڈھونڈنے گیا تھا مگر اپ وہاں نہی تھیں

۔۔البتہ اپ کی صاحبزادی تھی ان کو میں نے کہا تھا

۔۔۔مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔۔۔نویان افندی نے منہ بناتے ہویے کہا تو ایک مسکراہٹ ان کے چہرے پہ اگی

۔ارے بیٹا اسے کہاں بنانی اتی ہے۔۔۔تم چلو میں بنا دیتی ہوں۔۔ان کی بات پہ وہ سر ہلاتا ہوا ڈرایینگ روم کی طرف بڑھ گیا شاید وہاں کویی ایا تھا۔وہ کچن میں اگییں

☆ ☆ ☆

تو اج پھر دیر سے گھر ایا۔۔کتنی بار سمجھایا تمہیں کہ زیادہ رات تک گھر سے باہر نا رہا کر مگر تو میری سنتا کہاں ہے۔۔اتنے حالات خراب ہیں۔۔۔۔کیا پتا کب کچھ ہو جایے۔۔ہر وقت میری جان ہلق میں اٹکی رہتی ہے تیرا سوچ سوچ کہ

۔۔۔وہ ابھی ابھی گھر ایا تھا اور اتے ہی صفیہ بیگم کی ڈانٹ پھٹکار سن کہ اس کا منہ بن گیا

۔ارے اماں اپ خوامخواہ میری فکر مت کیا کرو۔۔۔۔میں کویی بچہ تھوڑی ہوں۔۔۔ہو جاتی ہے دیر سویر۔۔۔اس نے چارپائی پر گرتے ہویے کہا

۔اچھا افشاں سے ملاج۔۔۔وہ کھانے والی ٹرے اس کے آگے رکھتے ہوئے بولیں۔۔۔صحن میں اس وقت وہ دونوں اکیلے ہی تھے۔۔۔ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا اس پاس کے گھروں کی بتیاں بھی بج گئی تھیں۔۔۔

۔ارے اماں تیری اس بھانجی میں بڑی اکڑ ہے منہ ہی نہی سیدھا کرتی چار جماتیں کیا پڑھ لیں خود کو کوئی افسر سمجھ بیٹھی ہے۔۔۔افشاں کا نام سنتے ہی اس نے برا سا منہ بنایا۔۔۔ویسے اماں کہنے کو تو میری خالہ ذاد ہے مگر مجھ سے بات تو در کنار میری طرف دیکھتی بھی نہی ہے۔۔۔ مجے ان پڑھ سمجھتی ہے وہ ویسے ہی

۔ارے شہری کڑی ہے نا اسی لیے اتنے نخرے ہیں مگر تو فکر مت کر سارے نخرے سارا غرور ختم کر دوں گی اس شہرن کا ۔۔۔بس ایک بار تو اس کو ویاہ کہ لے ا۔۔۔ان کے چہرے پر شاطرانہ چمک تھی

۔مگر اماں اتنی جلدی ماننے والی نہی ہے وہ۔۔۔اس کو کوئی پڑھا لکھا چاہیے۔۔۔کسی افسر کے خواب دیکھ رہی ہے وہ تو ۔۔۔اس نے روٹی کا نوالہ سالن میں ڈبوتے ہوئے کہا اور منہ ممیں ڈال لیا۔۔۔ویسے سالن تو کافی سوادی ہے

۔تجے کتنا سمجایا تھا میں نے کہ پڑھ لے ذیادہ نہی تو میٹرک ہی کر لے مگر تجے اوارا گردی کا شوق چڑا تھا تب اور اس نے اج تجے کہیں کا نہی چھوڑا۔۔۔وہ الٹا اسی کو کوسنے لگیں۔۔اس کی بات کو وہ سرے سے ہی نظر انداز کر گئیں

۔ارے اماں مج سے جو غلطی ہوئی سو ہوئی اب تو آگے کا سوچ کہ اپنی بہن اور بھانجی کو شیشے میں کیسے اتارنا۔۔۔اس نے سوچ کا اک نیا در واہ کیا

۔ارے بہن کی فکر مت کر وہ پوری طرح میری مٹھی ہے ۔۔۔بڑی ہوں میں اس سے۔۔۔بہت پیار کرتی ہے مج سے کبھی منع نہی کرے گی۔۔۔تو بس اس کی چڑیا کو شکنجے میں جکھڑ۔۔۔انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

۔ارے اماں اس کے گرد تو ایسا جال بچھاوں گا کہ تیری سوچ بھی نہی جا سکتی ادھر تک۔۔۔تو بس اپنی بہن کو قابو میں رکھ۔۔۔وہ کھانا ختم کر چکا تھا

۔اچھا چل اب میں سونے لگا ہوں سویرے بات ہو گی ۔۔۔بڑی نیند ا رہی ہے۔۔۔وہ جمائی لیتا ہوا اندر چلا گیا

۔وہ پیچھے بیٹھی سوچوں میں گم ہو گئیں۔۔۔چہرے پر شاطرانہ تاثرات تھے۔۔۔اور سوچیں بھی اس کالی رات کی طرح ہی کالی تھیں۔۔۔۔تج سے بہت سارے حساب کرنے باقی ہیں رضیہ۔۔۔تجے وہ سارے درد میں واپس کروں گی اب جو تو نے اور تیری ماں نے مجے دیے۔۔۔۔ان سب کا بدلہ میں تیری بیٹی سے لوں گی۔۔۔بہت پیار ہے نا تجے اس سے دیکھ اب میں کیسے اس کی زندگی بدترین بناوں گی۔۔۔ انہوں نے دل ہی دل میں بہن کو پکارا۔۔۔ایک شیطانی مسکراہٹ چہرے پر سجایے اندر بڑھ گئیں

☆ ☆ ☆

.مام۔۔۔مام۔۔۔وہ سارے گھر میں چلاتی پھر رہی تھی پچھلے پندرہ منٹ سے وہ ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گئی تھی مگر وہ کہیں نظر نہی ارہیں تھی اس کی جان پہ بنی ہوئی تھی وہ اس کو بنا بتایے کہاں جا سکتی تھیں۔۔۔اور اوپر سے سونے پہ سہاگہ کہ گھر میں اور بھی کوئی نظر نہی ارہا تھا۔۔وہ زور زور سے سب کو اوازیں دیتی پورے گھر میں چکرا رہی تھی

۔مام۔۔۔اس نے زور سے پکارا۔۔۔بے بسی سے انکھوں میں انسو اگیے

۔کیا تکلیف ہے تمھیں کیوں سارے گھر کو سر پہ اٹھا رکھا

۔۔کونسی افت ٹوٹ پڑی ہے تم پہ۔۔۔نویان افندی جو کب سے اسے نظر انداز کر رہا تھا بالا اخر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔۔۔اس نے سیڑھیوں پہ بیٹھی ہنی کو غصے سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔۔وہ اپنے کمرے میں سو رہا تھا مگر ہنی کی مسلسل اتی اواز اسے ڈسٹرب کر رہی تھی۔۔۔وہ گلا پھاڑ پھاڑ کہ چیخ رہی تھی

۔میری مام کہاں ہیں۔۔۔وہ دوڑ کے اس کے پاس ائی بکھرے بال چہرے پہ انسوؤں کے نشان اور سوجی ہوئی انکھوں میں ابھی بھی پانی چمک رہا تھا

باہر گئی ہیں کسی کام سے اجائیں گی کچھ دیر تک۔۔۔اور تم بچوں کیطرح چلا چلا کر اس طرح بیہو کرنا بند کرو۔۔۔جاو اپنے کمرے میں۔۔اور خبردار جو اب مجھے تمہاری اواز ائی ۔۔۔وہ قہر الود نگاہوں سے گھورتا ہوا واپس جانے لگا تو وہ پھر پکار بیٹھی

۔مجھے ان کے پاس چھوڑ ائیں پلیز۔اس نے منت بھرے لہجے میں کہا انکھوں میں موجود انسو اب گالوں پہ بہنے لگے نویان افندی کے دل کو کچھ ہوا۔ناجانے کیوں۔اس کے رونے سے وہ عجیب سی فیلنگز محسوس کر رہا تھا۔۔۔وہ اسے اس وقت بلکل کوئی چھوٹی بچی لگ رہی تھی۔۔جس کے رونے سے اسے تکلیف ہو رہی تھی۔

پھوپھو اجائیں گی کچھ دیر تک تم پریشان مت ہو۔۔۔جاو جا کہ منہ دوو۔۔۔اس نے اسے تسلی دی۔۔۔مگر وہ اور تیزی سے رونے لگی

۔حنین بی کوایٹ۔۔۔اینڈ گو ٹو یور روم۔۔۔اب کی بار وہ کچھ سختی سے بولا مگر مقابل کچھ اثر نہی ہوا تھا

۔مام بھی پاپا کی طرح مجھے چھوڑ کے چلیں گئی۔۔۔وہ اب واپس نہی ائیں گی۔۔۔مجھے ان کے پاس جانا پلیز۔۔۔

.شٹ اپ۔۔۔کیا فضول بولے جارہی ہو اور۔۔۔کچھ تو عقل سے کام لے لیا کرو بولنے سے پہلے۔۔۔جاو اپنے کمرے میں۔۔۔نویان افندی نے غصے سے کہا تو وہ رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی۔۔۔وہ کہاں عادی تھی اس طرح کے لہجوں کی۔۔۔اس سے تو کبھی اج تک کسی نے اونچی اواز میں بات تک نہی کی تھی اور یہ شخص اسے ڈانٹ رہا تھا ۔۔۔وہ چپ چاپ انسو پیتی اپنے کمرے میں چلی گئی دل ایک انجانے سے خوف کے باعث کسی سوکھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔۔۔

۔نویان آفندی کو اپنی یہ عجیب سی فیلنگز سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔۔۔وہ کیوں اس کے آنسوؤں سے ڈسٹرب تھا۔۔۔وہ جب بھی اسے دیکھتا تھا۔۔۔عجیب سا محسوس کرتا۔۔۔دل بار بار اس کی جانب ہمکتا۔۔۔اس کی نظریں گھر میں ہمیشہ اس کی متلاشی رہتیں۔۔۔وہ نا جانے کیوں اس سے دور نہیں جانا چاہتا تھا۔۔۔شاید تبھی اپنی چھٹیاں مزید بڑھا چکا تھا۔۔۔شاہ زر اس وجہ سے اور ناراض ہو گیا تھا۔۔۔مگر وہ ابھی واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔۔۔وہ اس سے بہت کم مخاطب ہوتی تھی شاید ڈرتی تھی یا شاید اسے پسند نہیں کرتی تھی۔۔۔اس کی ساری عادتیں بلکل بچوں جیسی تھیں۔۔۔وہ اپنی عمر کی نسبت میچور نہیں تھی۔۔۔اس کی ہر ہر بات سے معصومیت جھلکتی۔۔۔تیز طرار اور چالاک جیسی کوئی خوبی اس کے اندر نہیں تھی۔۔۔وہ اندر باہر سے آئینے کی طرح بلکل صاف شفاف تھی۔۔۔ریاکاری تو اسے چھو کہ بھی نہیں گزرتی تھی۔۔۔وہ اس سے کئی سال چھوٹی تھی۔۔۔اور وہ خود کو یہ بات بار بار باور کرواتا مگر دل کی حالت بہت ذیادہ عجیب تھی۔۔۔وہ اس کے ننھے دماغ کو کسی صورت گمراہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔اس کی سوچوں کو شفاف ہی رہنے دینا چاہتا تھا۔۔۔وہ اس کی معصومیت کسی صورت نہیں چھیننا چاہتا تھا۔۔۔دل لاکھ گمراہ کر رہا تھا

محبت کا ننھا سا پودا زمین سے باہر آنے کو بے تاب تھا مگر شاید ابھی اس کے لیے جگہ نہیں تھی۔۔۔اس کا زمین کے اندر رہنا ہی بہتر تھا۔۔۔

۔وہ کچھ بھی غلط نہیں سوچنا چاہتا تھا۔۔۔مگر پھر بھی وہ آج کل اس کے ہواسوں پہ سوار تھی۔۔۔اس کی ہر سوچ میں آتی جاتی تھی۔۔۔

۔اس نے فیصلہ کیا اس کا اس سے دور ہونا ہی بہتر تھا۔۔۔شاید کچھ دن دور رہنے سے سب ٹھیک ہو سکتا تھا۔۔۔اس نے سوچ لیا تھا وہ کل ہی چلا جایے گا اور شاید یہ ہی بہتر تھا۔۔وہ اپنے کمرے میں جانے لگا۔۔۔ارادہ پیکنگ کا تھا۔۔۔مگر ایک دم ٹھٹھک گیا چھوٹی نے پھوپھو کو بازو سے پکڑا تھا اور لاونج میں داخل ہو رہی تھیں

۔کیا ہوا پھوپھو۔۔۔وہ فوراً ان کی جانب بڑھا ان کی حالت کافی خراب تھی رنگ ہلدی جیسا ہو رہا تھا وہ کچھ لمحوں میں ہی اتنی کمزور ہو چکی تھی

۔یہ کیا ہے۔۔۔اس نے چھوٹی امی کے ہاتھ میں پکڑی رپورٹس کی طرف اشارہ کیا تو ان کے چہرے کا رنگ فق ہوا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۔یہ کچھ نہیں ہے ویسے ہی رپورٹس ہیں ڈاکٹر کی۔۔۔چیک اپ کروایا اس سلسلے میں۔۔انہوں نے خود کو سنبھالتے ہویے کہا تو نویان آفندی نے اثبات میں سر ہلا دیا بات کو کریدنا اسے مناسب نا لگا وہ ان کو تھام کے صوفے تک لایا ۔۔۔چھوٹی امی کچن سے پانی لینے چلی گییں تھیں۔

۔پھوپھو کیا ہوا آپ کو آپ ٹھیک تو ہیں نا۔۔۔اس نے فکر مندی سے پوچھا۔۔ان کی حالت اسے کافی خراب لگی۔۔۔اگر ہنی دیکھ لیتی تو۔۔۔

۔ارے بیٹا کچھ نہی ہوا بس زرا بی پی شوٹ کر گیا تھا
۔۔۔بھابھی زبردستی ڈاکٹر کے پاس لے گییں۔۔۔اس نے
میڈیسن دی ہے اب میں ٹھیک ہوں۔۔۔تم پریشان مت
ہو۔۔۔ان کی اواز میں نقاہت تھی۔۔۔نویان افندی نے
ان کا ہاتھ تھام لیا

۔اپ بہت لاپرواہیں اپنے بارے میں اپنا بلکل خیال نہی
رکھتیں۔۔اپ ٹینشن لیتی ہیں نا مجے پتا تبھی ایسا ہوا۔۔۔وہ
ناراضگی سے بولا تو انہوں نے نفی میں سر ہلایا

۔اپ ہی کو بتا کر نہی گییں تھیں ناوہ از حد پریشان تھی بلکہ رو
رہی تھی۔۔۔اور اب وہ اپ کو اس حال میں دیکھے گی تو اور
پریشان ہو جایے گی۔۔۔اس نے ان کے زرد پڑتے چہرے
کی طرف دیکھتے ہوۓ کہا

ارے بیٹا میں کبھی بھی اس کو بتایے بغیر نا جاتی۔۔وہ سویی
ہویی تھی تو میں نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نا سمجا۔۔۔تم
اس کو نا بتانا کچھ بھی بہت جھلی ہے میرے معاملے میں

۔۔۔۔بلکل بچی بن جاتی ہے۔۔۔۔وہ متفکرانہ لہجے میں بولیں

۔۔کتنا پیار تھا ان کو ہنی سے۔۔۔کسی صورت اسے پریشان
نہی کرنا چاہتیں تھیں

۔یہ لیں جوس پی لیں کچھ طاقت ایے۔۔۔چھوٹی امی نے ان
کو مینگو شیک سے بھرا گلاس تھمایا شاید وہ جوس بنانے لگ گییں
تھیں تبھی دیر سے ایں تھیں

انہوں نے اہستگی سے گلاس تھام لیا۔۔۔یہ ٹیبلیٹ بھی لے
لیں ساتھ۔۔چھوٹی امی نے ایک گولی نکال کے ان کی طرف
بڑھایی اور ساتھ ہی پانی کا گلاس بھی

ماما نہی ایں۔۔۔نویان افندی نے ان سے پوچھا

۔وہ کل اجاییں گی۔۔۔تمہاری خالہ نے ان کو روک لیا۔۔۔

۔میں کل واپس جا رہا ہوں۔۔۔اس نے مدھم سے لہجے میں
بتایا تو وہ دونوں حیرانگی سے اسے دیکھنے لگیں

کہاں۔۔۔ان کے منہ سے بے ساختہ ادا ہوا

۔نویان ارمی میں ہے۔۔۔کیپٹن ہے۔۔۔اجکل چھٹیوں پہ ایا
ہوا۔۔۔چھوٹی امی نے انہیں بتایا شاید وہ اس بات سے لاعلم
تھیں

ماشاللہ۔۔۔اللہ کامیابی دے مجے بہت خوشی ہویی سن کے
۔۔بچپن سے ہی شوق تھا نا تمہیں۔۔یاد ہے جب ابا جی گھر
اتے تھے تو تم ان کی کیپ پہن کے سب سے پوچھتے تھے کہ
میں کیسا لگ رہا ہوں۔۔۔وہ کھویے سے لہجے میں بولیں

۔۔۔کسی پرانی یاد کے تاثرات چہرے پر بکھر گیے

۔۔۔نویان افندی بے ساختہ انہی دیکھنے لگا ایک ایک بات
یاد تھی ان کو کیی برس بیت گیے تھے ان باتوں کو مگر ان کے
ذہن پہ سب نقش تھا۔۔۔ہر بات ان کی میموری میں سیو تھی

۔۔۔سب کچھ ہی تو پہلے جیسا تھا۔۔۔کمی کہاں تھی

۔۔۔رشتوں میں کہاں اور کیسے دڑاڑیں پڑی تھی

۔۔۔۔رشتوں کی ڈور کہاں سے ٹوٹی تھی کچھ تو ہوا تھا بہت
بڑا اور شاید بہت غلط بھی مگر کہاں اور کیسے۔۔۔ان سب کے

اگے ایک بڑا سا سوالیہ نشان تھا جو نویان افندی کا منہ چڑا رہا تھا
۔۔۔ پھوپھو کیوں گیئں اور کیسے گیئں اور اتنے سال واپس
کیوں نہی ائیں انہوں نے سب سے رابطہ کیوں منقطع کیا حتی
کہ وہ دادی کے مرنے پر بھی نہی ائیں۔۔ دادی کتنا یاد کرتی
تھی ان کو۔۔۔ اور وہ کس بات کی معافی مانگنا چاہتی تھی
پھوپھو سے اور کیوں۔۔۔ اخر کیا کہانی تھی۔۔۔ نویان افندی
جتنا سوچتا اتنا ہی الجھ جاتا۔۔۔ یہ سب ایک بہت بڑا معمہ تھا
جسے اسے حل کرنا تھا مگر کیسے۔۔۔ اس کیسے پہ اکہ وہ ہمیشہ
اٹک جاتا تھا

☆ ☆ ☆

.وہ کالج کے باہر کھڑی کب سے انتظار کر رہی تھی۔۔۔ اس
کی نظریں بار بار سڑک کا طواف کر رہی تھیں۔۔۔ وہ ابھی
تک نہی ایا تھا۔۔۔ افشاں کا غصے کے مارے برا حال ہو رہا تھا
حد ہوتی ہے لاپرواہی کی۔۔ آج سہی اج اس کو تو میں بتاتی
ہوں۔۔ زرا خیال نہی کہ میں کب سے انتظار میں مبتلا ہوں
اور وہ نواب صاحب نا جانے کہاں اوارا گردی کر رہے ہیں
۔۔ وہ بڑبڑائی۔۔۔ دھوپ اور گرمی نے دماغ پر اثر کیا ہوا تھا
اس کا بس نہی چل رہا تھا کچھ کر بیٹھے۔۔۔۔
۔ پھر اچانک وہ اسے اتا ہوا دکھائی دیا
۔ہاے سویٹی۔۔۔ اس نے قریب اتے ہی اسے چڑانے کہ
لیے مخاطب کیا جانتا تھا اس کا موڈ اف ہے
۔ اج میں شکایت لگاوں گی تمہاری گھر جا کہ دیکھنا۔۔۔ افشاں
نے منہ پہ ہاتھ پھیرتے ہوے دھمکی دی۔۔۔ لینا تو اس کا

آکاش سے گواہی تو لانے سے اب رہی
شجرہ اٹھا کے سر پہ سجانے سے اب رہی
جتنا کسی میں ظرف تھا ویسا ہی کہہ دیا
قسموں سے آبرو تو بچانے سے اب رہی
آنکھوں سے جسکو درد کا پڑھنا نہ آسکا
دل چیر کے تو اسکو دکھانے سے اب رہی
ٹوٹی تو کرچیوں میں بٹ کے بکھر گئی
خود خاک بن کے اپنی اڑانے سے اب رہی
آنکھوں سے بہتا دیکھ لو دریا ملال کا
قدموں میں آ کے سر تو جھکانے سے اب رہی
ساری دعائیں آپ کے دامن میں ڈال دیں
تقدیر کا لکھا تو مٹانے سے اب رہی
مر جائیں گے اک روز اسی تشنگی میں ہم
دریا اٹھا کے دشت میں لانے سے اب رہی

سردار عمر ارشد، روالپنڈی

بے ساختہ قہقہہ ادا ہوا۔۔۔ افشاں کا چہرہ لال سرخ ہو رہا تھا
۔۔۔
۔ اچھا بیٹھو تو سہی لگا لینا شکایت، وہ ہنستے ہوے بولا تو وہ پھولا
ہوا چہرہ لیے بیٹھ گئی
۔ نعمان نے گاڑی ایس کریم پارلر کے سامنے روکی وہ اتر گیا
مگر افشاں ہنوز رخ پھیرے بیٹھی رہی اس کا موڈ ابھی بھی اف
تھا

۔اچھا اتر جاو اب ذیادہ ڈرامے نا کرو۔۔ نعمان نے شرارت سے کہا مگر وہ پھر بھی خاموش رہی

۔او کے فاین میں اکیلا ہی کھالیتا ہوں۔۔۔ اگر لوگوں کا موڈ نہی تو۔۔۔وہ کہہ کہ جانے لگا۔۔۔مگر پھر غصے سے رک کہ اسے گھورنے لگا افشاں نے ہاتھ میں پکڑی ساری کتابیں اس کہ سر پہ دے ماری

۔جنگلی بلی۔۔۔وہ بالوں پہ ہاتھ مارتے ہوئے بولا

۔تم میرے بغیر ہضم کر لو گے۔۔۔اس نے اس کہ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا تو وہ رک کہ اسے دیکھنے لگا

۔تم ہضم کرنے دو گی تب نا۔۔۔پتہ نہی اللہ تعالی نے بھی ایسے نمونے زمین پہ اتارنے کا کیوں ارادہ کیا تھا اور خاص طور پہ ہمارے گھر میں۔۔۔اس نے گھورتے ہوئے کہا

۔۔۔دونوں ساتھ اندر داخل ہوئے

۔افشاں نے اپنا پسندیدہ فلیور اڈر کیا نعمان کو بھی وہی کھانا پڑا

۔افشاں مینیو کارڈ پہ موجود ایس کریم کے دوسرے فلیور دیکھنے میں مگن ہو گی نعمان سیل فون پہ اپے میسج چیک کرنے لگا

۔ارے نعمان بھائی اپ۔۔۔۔کیا بات ہے۔۔۔۔اپنے قریب امتیاز کی اواز سن کے دونوں چونکے

۔ارے امتیاز او بیٹھو کیسے ہو۔۔۔نعمان نے اٹھ کہ اس سے مصافحہ کیا۔۔۔امتیاز کرسی کھینچ کہ بیٹھ گیا۔۔۔افشاں البتہ اسے نظر انداز کر گی اس کی امد اسے سخت ناگوار گزری

تھی۔۔۔امتیاز نے ایک نظر اس کی جانب ڈالی سفید یونیفارم میں وہ اس وقت کوئی سفید گلاب معلوم ہو رہی تھی۔۔۔وہ بے باکی سے اس کا جایزہ لینے لگا۔۔۔افشاں اس کی نظریں خود پہ محسوس کر کہ پہلو بدل کہ رہ گی اسے اپنے جسم میں نیزے کی طرح چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔۔۔محسوس تو نعمان بھی کر چکا تھا اس نے غصے سے اپنی مٹھی بند کی۔۔۔اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہی تھا

اور سناو خالہ کیسی ہیں۔۔۔نعمان نے اس کا دیہان افشاں کی طرف سے ہٹانا چاہا

۔بہت اچھی ہیں وہ بھی بہت یاد کرتی ہیں سب کو خاص طور پہ افشاں کو۔۔۔لگائیں گی کچھ دنوں تک چکر۔۔۔وہ دیکھ افشاں کی طرف رہا تھا مگر جواب نعمان کو دے رہا تھا افشاں سے وہاں بیٹھنا دوبر ہو گیا۔۔۔اسے امتیاز کا رنگ میں بھنگ ڈالنا سخت ناگوار گزرا تھا۔۔۔مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔۔۔

۔اس دوران بیرے نے ایس کریم سرو کر دی۔۔۔۔نعمان نے اپنی ایس کریم امتیاز کی طرف بڑھائی مگر اس نے منع کر دیا۔۔۔میں کھا چکا ہوں اپ لوگ کھائیں

۔اور سناو کیا مصروفیات ہیں تمہاری اج کل۔۔۔نعمان کسی بھی طرح اس کی نظریں افشاں کی طرف سے ہٹانا چاہتا تھا۔۔۔اس کا خون کھول رہا تھا

بس کچھ خاص نہی وہی اوارہ گردی۔۔۔وہ اپنی بات پہ خود ہی ہنس پڑا۔۔۔دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا

۔افشاں سے ایس کریم کھانا مشکل ہو گیا۔۔وہ ایس کریم بیچ
میں ہی چھوڑ کہ اٹھ کھڑی ہوئی
۔نعمان بھی فورا اٹھ گیا۔۔اس نے بیرے کو اشارے سے
بلایا۔۔اچھا ہم چلتے ہیں کافی دیر ہو رہی ہے۔۔
.بیرا ایا تو وہ اسے بل پہ کر کہ وہاں سے نکل ایا افشاں پہلے سے
جا چکی تھی
۔پیچھے بیٹھے امتیاز نے ایک نفرت بھری نگاہ دروازے سے
نکلتے نعمان پہ ڈالی
۔سالا گھمنڈی۔۔بہن سے بھی دو ہاتھ اگے ہے کمینہ
۔۔امتیاز نے نہایت ہی گھٹیا پن سے سوچا
۔کرلو بچو جتنے نخرے کرنے ہیں۔۔ایک دن تم سب کو
اپنے قدموں میں نا جھکایا تو کہنا۔۔ایک زہریلی سوچ نے
اس کے دماغ میں پناہ لی

☆ ☆ ☆

بیٹا اپ نے ایڈمیشن کے بارے میں کیا سوچا کس میں لینا ہے
،وہ مصروف سے انداز میں کھانا کھا رہی تھی جب بڑے
ماموں کی اواز پہ چونکی وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف
دیکھ رہے تھے ہنی تھوڑی گڑبڑا گئی اس بارے میں اس نے
ابھی تک کوئی فیصلہ نہی کیا تھا۔۔اس نے ایک نظر مام کی
جانب دیکھا وہ بھی کھانے سے ہاتھ روکے اس کی طرف
متوجہ تھیں انہیں بھی اس کے جواب کا انتظار تھا
۔میں میتھ میں بی ایس سی کرنا چاہتی ہوں۔۔۔میتھ اس کا
پسندیدہ مضمون تھا۔۔وہ ارام سے اسمیں کر سکتی تھی

۔۔۔پڑھائی کا اب اس کا ارادہ نہی تھا مگر جانتی تھی کہ مام کا
دل ٹوٹ جایے گا انہیں کی امیدیں تھیں اس سے۔۔۔اور
وہ اگر ان کو پورا نہی کر سکتی تھی تو توڑنا بھی نہی چاہتی تھی
۔۔اور ماموں بھی کتنے پیار اور اس سے پوچھ رہے تھے
انہیں منع کرنا اسے مناسب نا لگا
.اوکے اپکو جو اچھا لگے وہ کریں۔۔۔میں نے ایک کالج میں
اپ کے ایڈمیشن کہ لیے بات کی ہے اپ اپنے سارے
ڈاکومنٹس مجھے دے دیجیے گا میں جمع کروادوں گا اور اگر کسی
چیز کی ضرورت پڑی تو وہ بھی ہم بنوالیں گے۔۔۔وہ اس کا
جواب سننے کے بعد بولے تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا
۔۔اس نے ایک نظر مام کی جانب دیکھا۔۔وہ بھی مطمئن
سی دوبارہ کھانا کھانے لگ گیئں تھیں
کھانے کہ بعد وہ اپنی کافی لے کہ لاونج کے داخلی دروازے
کے اگے بنی سیڑھیوں پہ ان بیٹھی۔۔۔کتنے دن ہو گیے تھے
اس نے کسی سے بات چیت نہی کی تھی۔۔۔یہاں اکہ اس کا
اپنے تمام فرینڈز سے رابطہ نہی ہوا تھا۔۔اج جولیا صبح سے
ہی بہت یاد ا رہی تھی اسے وہ اس کی بیسٹ فرینڈ تھی
۔۔۔کتنی ناراض ہو گی نا وہ مجھ سے وہ دل ہی دل میں خود سے
مخاطب ہوئی۔۔۔اس کے پاس فون بھی نہی تھا۔۔۔اور
نیٹ کا بھی یہاں بہت مسلہ تھا۔۔۔
۔اج رات کو پی ٹی سی ایل سے فون کروں گی۔۔اس نے
فیصلہ کیا۔۔کافی ختم ہو چکی تھی اس نے کپ اپنے داہنے
رکھدیا

۔اچانک اس کی نظر اپنے سے کچھ فاصلے پہ رکھے میٹھو کے پینجرے پہ پڑی۔۔۔یہ طوطا نویان افندی کا تھا۔۔۔اس کی جان تھی اس طوطے میں وہ اکثر اس سے باتیں کرتا تھا اور میٹھو آگے سے جواب بھی دیتا تھا۔۔۔ہنی کو یہ طوطا ایک انکھ نہی باتا تھا۔۔۔نویان افندی کی طرح ہی نخریلا اور گمنڈی تھا۔۔۔اس کے علاوہ کم ہی کسی سے مخاطب ہوتا تھا ۔نویان افندی کے ساتھ ساتھ اسے یہ طوطا بھی برا لگتا تھا ۔۔۔وہ کبھی اس کے قریب نہی گئی تھی۔۔۔بلکہ اس کی طرف دیکھتی بھی نہی تھی۔۔۔مگر اج وہ اسے بے ساختہ دیکھنے لگی وہ بہت بہت چپ چپ اور اداس تھا۔۔۔جب سے نویان افندی گیا تھا اس نے کسی سے بات تک نہی کی تھی نا ہی کچھ کھایا پیا تھا۔۔۔بس ایسے ہی اداس اور گم سم بیٹھا رہتا سارا دن۔

۔میٹھو سنو۔۔۔۔وہ بے ساختہ ہی نا جانے کس خیال کے تحت اسے پکار بیٹھی۔۔۔اس نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر دوبارہ سے منہ پھیر لیا۔۔۔ہنی نے حیرانگی سے اسے دیکھا

لو بلا میرا کیا قصور اگر تمہارا چہیتا چلا گیا تو۔۔۔

۔بدتمیز نا ہو تو۔۔۔اخر کو ہو کس کے اسی پہ جاو گے نا

۔۔۔وہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئی۔۔۔کافی کا مگ وہیں پڑا رہا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حُسن کی کیا اوقات ہے سجنا
عشق مکمل ذات ہے سجنا
تیری اک مسکان سویرا
ورنہ کالی رات ہے سجنا
میٹھا میٹھا درد محبت
بے چینی سوغات ہے سجنا
موت بھی آ جائے تو خُوش ہُوں
ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہے سجنا
روشن روشن حرف ہیں تُجھ سے
تجھ سے جگمگ بات ہے سجنا
تُو رُوحِ احساس ہے ساجن
تُو جانِ جذبات ہے سجنا
جس میں مل کر جُھومیں بھیگیں
بس وہ ہی برسات ہے

حیدر علی خان راولپنڈی

وہ لان میں بیٹھی مالی بابا کو پودوں کو پانی دیتا دیکھ رہی تھی۔گود میں کیمرہ رکھا تھا جس میں اس اور جولیا کی تصویریں تھیں ۔۔۔چہرے پر عجیب سی اداسی اور ویرانیت چھائی تھی ۔۔۔کتنے دن ہو گیے تھے اس نے جولیا کی اواز نہی سنی تھی ۔۔۔کل کتنی دفعہ وہ اسے کال کرتی رہی تھی مگر وہ کال پک

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہی نہی کر رہی تھی۔۔۔اس نے گھٹنے اوپر کر رکھے تھے وجہ

گھاس کا گیلا ہونا تھا اس نے گیٹ کی طرف دیکھا

۔وہ کوئی عورت تھی جو چوکیدار سے جھگڑ رہی تھی۔۔۔وہ

اندر انا چاہ رہی تھی مگر چوکیدار اسے انے نہی دے رہا تھا

۔۔۔شکل سے وہ کوئی پاگل محسوس ہو رہی تھی۔۔۔میلے کچیلے

کپڑوں میں وہ کھلے بالوں کے ساتھ کوئی مانگنے والی لگ رہی

تھی۔۔۔مگر وہ اندر کیوں انا چاہ رہی تھی اسے جو چاہیے تھا وہ

باہر بھی کھڑے ہو کہ لے سکتی تھی۔۔۔چوکیدار اب اسے

دھکے دے کہ باہر نکال رہا تھا مگر وہ مسلسل ہاتھ جوڑ کہ اس

کی منتیں کر رہی تھی

۔چوکیدار نے اسے ایک زوردار دھکا دیا وہ منہ کہ بل گری

تھی شاید چوٹ بھی ائی تھی۔۔۔اس ذیادہ ہنی سے دیکھا نا گیا

وہ بھاگتی ہوئی گیٹ تک ائی کیمرہ وہیں نیچے گیلی گھاس پر گر گیا

تھا۔۔۔وہ ننگے پاوں بھاگتی ہوئی ائی تھی۔۔چوکیدار اب گیٹ

بند کر چکا تھا

۔یہ اپ کیا کر رہے ہیں۔۔اپ نے دھکا کیوں دیا انہیں

۔۔۔وہ گر گیی ہیں اور شاید چوٹ بھی لگی ہے۔۔۔دروازہ

کھولیں مجھے دیکھنا ہے ان کو پلیز۔۔۔۔اس نے چوکیدار سے

درخواست کی۔۔۔دل میں ایک عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی

نا جانے ان کو کہاں کہاں چوٹ ائی ہو گی

۔ارے گڑیا اپ اندر جاو۔۔۔اس عورت کا گھر میں داخل

ہونا منع ہے۔۔۔اس کی عادت ہے ہر روز دھکے دے کر

نکالنے کہ باوجود بھی یہ واپس اجاتی ہے اور گھنٹوں باہر بیٹھی

رہتی ہے۔۔۔اپ اس کے بارے میں پریشان نا

ہوں...چوکیدار نے نفرت بھرے لہجے میں کہا

۔اپ دروازہ کھولو۔۔۔وہ اس کی بات کو مکمل نظر انداز

کرتے ہوئے بولی۔۔۔اس کی بات یوںبھی سرے سے ہی

فراموش کر دیا

۔مگر گڑیا میں دروازہ کیسے کھول سکتا ہوں اور اپ کو پتا یہ

عورت کون ہے اس نے۔۔۔وہ کچھ کہنے ہی والا مگر وہ اس کی

بات کاٹ کہ غصے سے بولی

۔جو کہا ہے وہ کرو کھولو دروازہ۔۔۔س کے سختی سے کہنے پر

چوکیدار نے گیٹ کھول دیا وہ اسے ہاتھ سے پیچھے کر کہ فورا

باہر نکلی۔۔۔مگر وہ عورت اسے کہیں دکھائی نا دی دور دور

تک سڑک بلکل سنسان تھی۔۔۔اس نے باہر نکل کہ بھی

ادھر ادھر دیکھا مگر وہاں کوئی ذی روح موجود نہی تھی

۔۔۔اسے چوکیدار پہ غصہ ایا اگر وہ فضول کی بحث نا کرتا اور

جلدی دروازہ کھول دیتا تو شاید وہ اس کے انے سے پہلے ہی

چلی نا گیی ہوتی۔۔۔اسے چوکیدار پہ شدید غصہ ایا۔۔۔مگر

اب کیا ہو سکتا تھا وہ تو جا چکی تھی۔۔۔وہ چپ چاپ اندر اگیی

اور اتے ہوئے ایک کٹیلی نگاہ چوکیدار پہ ڈالی وہ فوراً سر جھکا گیا

☆ ☆ ☆

.وہ خیمے کی بیرونی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا سوچوں میں گم

تھا ہر طرف ہو کا عالم تھا اس پہاڑی علاقے میں ابادی کا دور

دور تک نام و نشان نہی تھا جھاڑیوں اور نوکیلے پتھروں کی

بہتات تھی یہاں۔۔۔چاند بھی کسی نئی نویلی دلہن کی طرح

شر ما کہ بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا تھا جہاں سے کبھی کبھی
وہ جھانک کے اسے دیکھ لیتا وہ جب کچھ دیر اسے ٹکٹی باندھ کہ
دیکھتا تو وہ پھر شر ما کہ واپس چھپ جاتا اس کی یہ انکھ مچولی کب
سے جاری تھی۔۔۔جب چاند بادلوں کی اوٹ میں چلا جاتا تو
ایک دم سے اندھیرا چھا جاتا۔۔۔اسے اج بائیس دن ہو
گیے تھے گھر سے ایے ہوے اور ادھر سے اتے ہی اسے
یہاں دور اس غیر اباد اور سنسان پہاڑی علاقے میں بھیج دیا گیا
تھا۔۔۔ایسا کئی بار ہوا تھا اور اسے کبھی پریشانی کا سامنا نہی کرنا
پڑا تھا۔۔۔مگر اس دفعہ سب الٹ ہو رہا تھا اس کا دل ایک پل
کے لیے بھی نہیں لگ رہا تھا۔۔۔پچھلے پندرہ دن سے اس
کی کسی سے بات نہی ہو پی تھی۔۔۔یہاں سیل فون کے
استعمال کی اجازت نہی تھی اور سیگنلز پرابلم بھی حد سے ذیادہ
تھا وہ یہاں اتے وقت اپنا فون وہیں چھوڑ ایا تھا۔۔۔ایک بے
چینی سی مسلسل اس کے اندر تھی۔۔۔ایک عجیب سا ڈر
کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔۔۔اگر وہ یہاں سے زندہ واپس نا گیا تو
۔۔۔ہر وقت وہ موت کے بہت نزدیک رہتا تھا کبھی بھی کچھ
بھی ہو سکتا تھا موت کی بے رحمی کبھی بھی اسے دبوچ سکتی
تھی۔۔۔وہ کیا چاہتا تھا اسے خود بھی سمجھ نہی ارہا تھا۔۔۔مگر وہ
ابھی مرنا نہی چاہتا تھا جینا چاہتا تھا۔۔۔

۔ساری دنیا سے ناراض ہوئے۔۔۔سوچوں میں
گم۔۔۔۔چہرے پر درد ہے یا کچھ اور مجے یہ تو سمجھ نہی
ارہی۔۔۔کچھ تو بات ہے۔۔۔شاہ زر اہستگی سے اس کے
ساتھ بیٹھتے ہوئے بولا۔۔۔مگر وہ کچھ نا بولا چپ چاپ دور
اندھیرے میں نظریں ٹکایے بیٹھا رہا

۔کیپٹن سب ٹھیک تو ہے نا۔۔۔شاہ زر نے اس کا کاندھا ہلایا

۔ایک منٹ ایک منٹ کہیں تمہیں پیار تو نہی ہو گیا نا

۔۔۔نویان افندی نے ایک نگاہ اس پہ ڈالی

۔یار میں نے پوچھا نہی بتایا کہ تمہیں پیار نہی ہوا۔۔وہ
گڑبڑاتے ہوئے بولا

۔شاہ ایک بات بتاو۔۔۔وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا

۔۔۔خیمے سے زرا فاصلے پر اگ کا ایک چھوٹا سا الاو روشن تھا
جس کی وجہ سے ارد گرد روشنی پھیلی ہوئی تھی شاہ زر نے اس
انکھوں میں دیکھا وہاں ایک دہشت تھی جنون تھا۔۔۔اس
کی انکھوں میں اس قدر گہرائی تھی کہ شاہ زر کو اس سے
عجیب سا خوف محسوس ہوا ان انکھوں میں بھی ویسی اگ
بھڑک رہی تھی جیسی باہر تھی۔۔۔اور اس کا سینک بھی اس
اگ سے ذیادہ تھا۔۔۔جلا کر بسم کر دینے والی۔۔۔

۔نویان افندی نے منہ دوسری طرف پھیر لیا

۔کیا ہوا ہے کیپٹن۔۔۔شاہ زر کو اب تھوڑی تشویش ہوئی

۔۔۔نویان افندی کی یہ حالت اج سے پہلے اس نے کبھی نہیں
دیکھی تھی۔۔۔

۔کچھ نہی۔۔۔وہ مختصر سا جواب دے کہ اندر چلا گیا شاہ زر
حیران پریشان بیٹھا اس کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔۔۔عجیب
سا بہیویر تھا اس کا۔۔۔یوں جیسے وہ سب سے خفا ہو حتیٰ کہ
خود سے بھی۔۔۔مگر ایسا تھا کیوں۔۔۔یہ بات اسے پریشانی

میں ڈال رہی تھی جب سے وہ واپس ایا تھا عجیب سا ہو گیا تھا گھنٹوں چپ چاپ ایک ہی جگہ بیٹھا رہتا سب سے بات چیت کرنا تو اس نے چھوڑ ہی دیا تھا۔۔۔ایک سستی سی ہر وقت اس پر چھائی رہتی۔۔۔

۔شاہ زر کافی دیر بیٹھا اس کے بارے میں سوچتا رہا مگر اس الجھن کا کوئی سرا ہاتھ نا لگا تو وہ سر جھٹک کہ اندر چلا گیا

☆ ☆ ☆

وہ کالج سے تھکی ہاری گھر لوٹی تھی۔۔۔اتے ہی لاونج میں پڑے صوفے پر ڈھ سی گئی گرمی کے باعث برا حال ہو رہا تھا پاکستان میں تو گرمی کا موسم ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا اور اوپر سے کالج جانے کی نئی مصیبت سر پہ ڈال لی تھی اس کا موڈ بلکل بھی نہیں تھا مگر اب صاف صاف منع بھی نہی کر سکتی تھی۔۔۔اسے کالج جاتے تقریباً دو ہفتے ہونے والے تھے

یہ لو پانی پیو۔۔۔انہوں نے اسے پکار کہ کہا تو ہنی نے بازو انکھوں سے پرے ہٹایا اور گلاس تھام لیا ایک ہی سانس میں وہ سارا پانی پی گئی۔۔۔وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔۔۔ہنی نے خالی گلاس سامنے رکھے میز پر رکھدیا اور ٹیک لگالی ۔۔۔انہوں نے ہاتھ سے اس کے ماتھے پر اے بالوں کو پیچھے ہٹایا

۔تھک گئی ہو۔۔۔وہ پیار سے اس کی طرف دیکھتے ہوے پوچھنے لگیں تو ہنی نے اثبات میں سر ہلا دیا تھکن اس کے چہرے پہ واضح تھی۔۔۔سر میں درد بھی ہے۔۔وہ ان کے کاندھے سے ٹیک لگاتے ہوے بولی

۔اچھا چلو کوئی بات نہی تم جا کہ فریش ہوا و میں کھانا لگاتی ہوں اور پھر سر بھی دبا دوں گی ٹھیک ہے۔۔۔انہوں نے اٹھتے ہوے کہا تو وہ سر ہلاتی ہوئی اٹھ گئی

۔انہوں نے کھانا ٹیبل پہ لگایا ہی تھا کہ بھیا اگیے وہ ان کو دیکھ کہ مسکرائیں۔۔اور سلام کیا۔۔وہ اہستگی سے جواب دیتے ہوئے کرسی پہ بیٹھ گیے انہوں نے فوراً پانی کا گلاس بھر کہ ان کی طرف بڑھایا۔۔بڑے بھیا نے گلاس تھام کر ہونٹوں سے لگا لیا

,کیا بنایا بھیی اج۔۔۔بہت بھوک لگی ہے۔۔۔وہ ہاتھ ملتے ہوے بولے تو وہ مسکرائیں

.یہ تو کھاتے وقت ہی پتہ چلے گا۔۔ویسے بس یہ سمجھ لیں کہ کچھ اسپیشل ہے۔۔۔اور اپ کو پسند بھی اے گا۔۔۔ان کی بات پہ بڑے بھیا نے مصنوعی سسپنس میں مبتلا ہونے کا تاثر دیا

۔ویسے تمہارے ہاتھ میں ٹیسٹ تو ہے۔۔۔انہوں نے تعریف کی

تو پھر مانتے ہیں نا۔۔۔وہ سلاد کو دو پلیٹوں میں منتقل کرتے ہوے شرارت سے گویا ہوئیں

۔ویسے اس میں تمہارا نہی بی جان کا ہاتھ ہے انہوں نے سب زبردستی سکھایا تھا تمہیں۔۔یاد ہے نا کچن میں جانے سے کیسے جان جاتی تھی تمہاری۔۔اگر وہ زبردستی نا کرتی تو تم اج بلکل

نکی جاتی۔۔۔اس لیے سارا کریڈٹ ان کو جاتا۔۔بڑے بھیا بنا سوچے بول گیے مگر ان کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔۔۔وہ ساکت نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں

.اپ اس بارے میں بات مت کیا کریں پلیز۔۔۔وہ سفاکانہ لہجے میں بولیں تو انہوں نے ایک تقسف بھری نگاہ ان پہ ڈالی ۔۔۔وہ اب دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہو گییں تھیں

تم بھول کیوں نہیں جاتی وہ پرانی باتیں۔۔کیوں یاد کر کر کہ اپنا خون جلاتی ہو۔۔۔انہوں نے دکھ بھرے لہجے سے کہا وہ ان کا درد محسوس کر رہے تھے

بیس سال بہت لمبا عرصہ ہوتا۔۔۔کسی کے لیے بہت اسانی سے گزر جاتا مگر کسی کا ایک ایک لمحہ عزاب بن جاتا ۔۔۔اس کے لیے گزارنا بہت مشکل ہو جاتا۔۔۔مگر پھر بھی میں نے گزارا۔۔۔ہر تکلیف سہی ہے۔۔۔خود کو اتنی تکلیف دینے والوں کو میں اتنی اسانی سے معاف نہی کر سکتی ۔۔۔۔۔ان کی انکھوں میں چنگاریاں بھڑک رہی تھیں ۔۔۔لہجہ کسی بھی قسم کے جزبات سے عاری تھا وہ بے ساختہ انہیں دیکھتے رہے

وہ ماں ہیں تمہاری۔۔کچھ تو سوچ سمجھ کہ بولو۔۔۔بڑے بھیا کو ان کی بات بری لگی تھی

۔اس ماں نے میری زندگی تباہ کر دی۔۔۔اپنے سگوں کو راضی کرنے کے لیے مجھے ہی قربان کر دیا بنا یہ سوچے کہ میں بھی ان کی بیٹی ہوں۔۔۔مگر نہی ان کی انکھوں پر تب تو پٹی بندھی تھی۔۔۔پھر بعد میں کیوں پچھتاوا ہوا انہیں۔۔۔ وہ انکھوں میں نفرت لیے بولیں

.بڑے بھیا اس سے پہلے کہ کچھ بولتے ان کی نظر سیڑھیوں پہ پڑی۔۔۔وہ ساکت سے اس طرف دیکھتے رہے۔۔۔ان کو خاموش پا کر وہ ان کے تعاقب میں دیکھنے لگیں۔۔۔وہاں کھڑی ہنی کو دیکھ کہ ان کا چہرہ فق ہوا نا جانے وہ کب سے کھڑی تھی اور اس نے کیا کیا سنا تھا اور کیا مطلب اخذ کیا تھا ان سب سے۔۔۔اس کے چہرے سے اس کی اندرونی کفیت کا اندازہ لگانا مشکل تھا

☆ ☆ ☆

مجھ کو مجھ میں جگہ نہیں ملتی
وہ ہے موجود اس قدر مجھ
میں!!.........
اویس رضا....

جس کا ملنا قسمت میں نہ ہوں
ان سے محبت کمال کی ہوتی ہے
مہران مانی
پنجاب سمندری

اطمینان

سلمان بشیر (بہاولنگر)

03015853349

''مولوی صاحب !دل کی بات پوچھیں تو آپ سے شادی کے بعد میں نے خواہشوں کا گلا ہی گھونٹا ہے، شادی کر کے آئی تھی تو کئی امیدیں تھیں جو ہر گزرتے سال کے ساتھ دم توڑتی گئیں، اچھے گھر اور لباس کی خواہش کس کو نہیں ہوتی۔ پر کرائے کے مکان میں زندگی کٹ گئی اور لباس کے نام پر خیرات کے کپڑوں میں تن ڈھانپا''

مولوی صاحب نے جو اپنی بیگم سے سوال کیا کہ آج کچھ ایسی دل کہ بات بتاؤ جو پہلے کبھی نہ کی ہو۔ پھر بیگم کے ایسے جواب پہ وہ تھوڑے خفا ہوئے اور کافی دیر بیگم کے چہرے کو دیکھتے رہے۔ پھر چارپائی سے اٹھ کے بولے

''مانا کہ میں نے دنیا کی دولت نا کمائی ہو، پر جو میرے اللہ نے مجھے عزت دی ہے وہی میرے لیے کسی خزانے سے کم نہیں''

'' مولوی صاحب ! کیا کرنا ایسی عزت کا جس سے نا پیٹ بھرے نا تن ڈھکے ، بس اب تو عادت ہو گئی ہے اسی طرح من مار کے جینے کی،''بیگم کسی صورت ان سے متفق نہ ہوئی

''اللہ پاک نے رزق دینے کا وعدہ کیا ہے اور وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا، اور یہ جو ہاتھ پاؤں دیے ہیں انکا صحیح استعمال کرنے سے ساری بنیادی ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں۔ اس سب کے بعد اگر کسی چیز کی انسان کو ضرورت ہے تو وہ ہے سکوں اور اطمینان۔ اور سکوں اور اطمینان بس اس ذات کی عبات میں محیط ہے۔ ایک دن تم بھی یہ بات سمجھ جاؤ گی''

عصر کی اذان ہوئی اور مولوی صاحب مسجد کی طرف چل دیے۔ کافی دیر گزر گئی مولوی صاحب گھر واپس نہ لوٹے۔ بیگم پریشان ہوئی محلے کے بچوں سے پوچھ گچھ کی پر کہیں سے کوئی خبر نہ آئی۔ قریب آدھی رات تک انتظار کے بعد مولوی صاحب کی لاش کو انکے گھر پہنچا دیا گیا۔ سڑک پہ کسی گاڑی کی ٹکر لگی، چند اجنبی لوگوں نے انھیں اسپتال پہنچایا لیکن وہ جانبر نہ ہو پائے۔

مولوی صاحب کی بیگم بیوہ ہوئی تو انکے کئی ایسے جاننے والے نکل آئے جن کے پاس بے حساب دولت تھی، کیونکہ مولوی

صاحب کے کردار اور صداقت کا پہلے ہی بول بولا تھا، اسی لیے انکی بیوہ پہ لوگوں کو بڑا رحم آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مولوی صاحب کی بیوہ کرائے کے مکان سے نکل کے اپنے ذاتی گھر کی مالکن بن گئیں۔ کئی صاحب مال لوگوں نے انکا مہینہ باندھ دیا۔ اب انکے پاس گھر بھی تھا اور اچھا لباس بھی۔ زندگی چند ہی دنوں میں سکوں میں آگئی پر ایسا سکون تھا کہ پانچ وقت کی نمازی خاتون کی نمازیں قضا ہونے لگیں۔ مال و دولت کی خوشی تو تھی پر دل کا اطمینان دور دور تک میسر نہ تھا۔ جہاں عبادت کم پڑ جائے تو نحوست اسکی جگہ لے لیتی ہے اور اس کا اثر زندگی پہ نمایاں ہوتا ہے۔ ایک عرصہ بیتا تو مولوی صاحب کی بیوہ کو ان کی کہی وہ بات یاد آئی

"اطمینان اگر دولت میں ہوتا تو سکون کبھی سجدوں میں میسر نہ ہوتا"

داستانِ دل میں تحریر بھیجنے کا طریقہ

ہمارا ایڈریس ہے۔

5/79 L: ندیم عباس ڈھکو، چک نمبر

تحصیل و ضلع ساہیوال 5/78 L ڈاکخانہ.

ہمارا نمبر ہے: 03225494228

abbasnadeem283@gmail.com

ماں" کے بارے میں لکھوں یہ ہے کہاں اوقات میری"

بڑی مشکل سے قلم مگر آج اٹھایا میں نے

ہم کو تحفہ زمیں پر جو ملا ماں کی صورت

تحفہ انمول ہے میرے رب سے جو پایا میں نے

اس کے آگے جو بھی سر کو جھکا یارب

اس کے قدموں میں ہی تو جنت کو پایا میں نے

گردش ایام سے گھبرائے جو بھی بیٹھی ہوں

اس کے لفظوں سے پھر نیا حوصلہ پایا میں نے

جب کبھی حوصلے ٹوٹے میں پریشاں ہوئی

اس کی آغوش میں ہی جا کے سکوں پایا میں نے

اس کا احسان کہ کبھی ہاتھ جو تھاما میرا

تھام کے ہاتھ اس کے قدم پہلا اٹھایا میں نے

جب کبھی خواب میں گھبرا کر میں سہم کر جاگی

اس کی بانہوں میں پھر خود کو چھپایا میں نے

شکر ہے رب کا مجھ جو ملی ہے عزت

اس کی دعاؤں کا ثمر آج یہ پایا میں نے

اے خدا میں رہوں جب تک میری ماں کو سلامت رکھنا

مزا جینے کا تو اسی کے ساتھ ہی پایا میں نے

(نزہت جبیں ضیاء)

قربانی کا بکرہ

علی رضا

احمد اور عامر ہم جماعت تھے۔ ان دونوں کے درمیان گہری دوستی تھی۔ دونوں ایک ساتھ پڑھتے اور کھیلتے تھے۔ دونوں سکول میں ہمیشہ فرسٹ آتے۔ احمد ہر شام عامر کے گھر جاتا اور وہ دونوں مل کر پڑھتے۔ آج جب احمد پڑھنے کے لیے اپنے دوست عامر کے گھر جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ عامر کے گھر ایک خوبصورت بکرا تھا۔ عامر اپنے دوست احمد کو بتاتا ہے کہ یہ بکرا اس کے ابو قربانی کے لیے لائے ہیں۔ احمد کو جانوروں سے بہت پیار تھا۔ احمد کو بکرا دیکھتے ہی خواہش پیدا ہو گئی کہ کیوں نا ہم بھی اس عید پر قربانی کریں۔ احمد جب واپس گھر گیا۔ تو اپنی امی سے کہا کہ آج عامر کے ابو بھی بکرا لے آئے ہیں۔ ابو سے کہیے کہ آپ بھی قربانی کے لیے بکرا لائیں۔ اتنے میں احمد کے ابو بھی آ گئے۔ احمد کے ابو نے کہا کیا بات چل رہی ہے۔ احمد نے کہا ابو جان آپ قربانی کا بکرا کب لائیں گے۔ میرے دوست عامر کا بکرا کا بھی آ گیا ہے۔ احمد کے والد (گہری سانس لیتے ہوئے) بیٹا تم تو جانتے ہی ہو کہ عامر کا باپ کاروبار کرتا ہے وہ کر سکتے ہیں لیکن ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ بکرا خرید سکیں۔ احمد کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھا احمد کمرے میں چلا گیا۔ احمد کا باپ سوچ میں گم تھا کہ بکرا کیسے خریدا جائے۔ احمد کے باپ کی معمولی سی تنخواہ ملتی تھی جس سے بمشکل بچوں کا پیٹ پالتا۔ احمد کی والدہ نے بھی احمد کو بہت سمجھایا لیکن احمد کسی کی بھی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ احمد کے ابو نے کہا کہ کل ہم قربانی کے لیے بکرا لائیں گے۔ احمد اب صبح کا انتظار کرنے لگا۔ صبح ہوئی تو احمد کے ابو نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہم کل جائیں گے۔ کل جب آئی تو احمد کا باپ منڈی گیا تو بکروں قیمتیں تو آسمانوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ بکرا خریدنا باپ کے بس کا کام نہیں تھا۔ باپ پریشانی کی حالت میں گھر واپس آ گیا اور اپنے بیٹے سے کہا کہ اگلی بار ہم ضرور بکرے کی قربانی کریں گے۔ احمد کا باپ کل کام پر گیا۔ مالک نے احمد کے والد کو بلایا۔ مالک نے احمد کے والد کو کچھ رقم انعام کے طور پر دی۔ پوچھنے پر مالک نے بتایا کہ آپ ہمیشہ محنت، لگن اور ہمت کے ساتھ کام کرتے ہیں اس لیے یہ چھوٹا سا تحفہ قبول فرمائیں۔ احمد کے ابو یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور مالک لے گلے لگایا۔ اب احمد کا باپ

بہت خوش تھا کیوں کہ ان کے پاس اتنی رقم ہو گئی تھی کہ وہ قربانی کا بکرا خرید سکے۔ احمد کے ابو کام پر واپسی کے بعد منڈی چلے گئے وہاں سے قربانی کے لیے ایک خوبصورت بکرا خریدا اور گھر چل دیے۔ احمد گھر میں اداس بیٹھا تھا۔ آج تو احمد پڑھنے کے لیے عامر کے گھر بھی نہیں گیا تھا۔ احمد کے والد نے دروازہ کھولا اور گھر داخل ہوا۔ احمد صحن کے ایک کونے کی طرف بیٹھا تھا۔ جب اس نے اپنے باپ کے ساتھ ایک خوبصورت بکرا دیکھا۔ تو خوشی کی انتہا نہ رہی احمد بھاگا بھاگا اپنے ابو کہ پاس گیا ابا جان کیا یہ ہمارا بکرا ہے۔ ابو جان نے جواب دیا جی بیٹا یہ ہمارا بکرا ہی ہے۔ اتنے میں احمد کی والدہ بھی کمرے سے باہر آئیں۔ احمد کی والدہ کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ہم بھی اس مرتبہ قربانی کریں گے۔ احمد کی والدہ نے پوچھا کہ اتنے پیسے کہاں سے آئے۔ باپ نے سارا واقعہ بتایا کہ یہ پیسے اس کے مالک نے دیے ہیں۔ احمد خوشی سے اپنے ابو کے گلے ملا۔ آج احمد کا گھرانہ بہت خوش تھا کیوں ان کے گھر پہلی قربانی تھی۔ غربت اتنی تھی کہ وہ قربانی جانور نہیں خرید سکتے تھے۔ احمد کی والدہ نے اپنے رب کا شکر ادا کیا۔

نیندوں سے اب جھگڑا کروں تو کیا۔ جے ڈی

خوابوں نے جو میری زندگی حسین بنا رکھی ہے

محمد جواد خان (حویلیاں)

ہم اہل جنوں تم اہل ستم یہ میل ہمارا کیونکر ہو۔۔۔؟

آنکھوں میں ہمارے سنگریزے اور خواب تمھارے پتھر کے

آئینے کی طرح شفاف ہیں ہم شیشے کہ شہر میں رہتے ہیں

تم لوگ بھی پتھر جیسے ہو، جذبات تمھارے پتھر کے

ہم دل میں محبت رکھتے ہیں، احساس ہمارے نازک ہیں

لہجے بھی تمھارے پتھر کے، الفاظ تمھارے پتھر ہیں

ہیں گلیاں ہماری شیشوں کی، دیوار میں آئینے ہیں

تم پاؤں کہاں رکھ پاؤ گے، ہیں پاؤں تمھارے پتھر کے

تم ہم سے دور ہی اچھے ہو، تم ہاتھ ہمارا مت تھامو

ہم نازک شیشے کی مانند اور ہاتھ تمھارے پتھر کے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اس کی آنکھیں کبھی سوئی کبھی روئی جیسے

میری نیندوں کی تھکن آنکھ میں اس کے اتری

میری پلکوں پہ جو بے خوابی کا موتی ٹھہرا

میری پلکوں کی چمک آنکھ میں اس کے اتری

میری سوچوں میں، میری بات میں اس کا گماں

میری ہر سوچ خیالات میں اس کے اتری

اس کا احساس میری نس نس میں سمایا ایسے

میرے ہاتھوں کی نمی ہاتھ میں اس کے اتری

میرے لہجے میں جو لفظ ہیں سارے اس کے

میری تخلیق، تخیلات میں اس کے اتری۔

☆ ☆(نزہت جبیں ضیاء)☆ ☆

محبت ابر کی صورت

نوریہ مدثر

"زین! تمہیں پتا ہے سوتیلی ماں کتنا ظلم کرتی ہے؟ توبہ توبہ اللہ بچائے"

"یاد رکھو وہ تم سے کبھی پیار نہیں کرے گی"

"دیکھنا تمہارے بابا بھی اس کے پیچھے تمہیں بھول جائیں گے"

گیارہ سالہ زین کے ذہن میں اپنے کزنز کے کہے گئے الفاظ کی بازگشت جاری تھی... وہ سات سال کا تھا جب اس کی ماما اس کا ساتھ چھوڑ کے دوسرے جہاں کی سدھار گئی تھی... اب اس کے بابا دوسری شادی کر رہے تھے اور اس کا معصوم ذہن اپنے کزنز کے دکھائے گئے رخ کو دیکھ رہا تھا... اس کے لئے کچھ بھی سمجھنا اور قبول کرنا مشکل تھا..

☆ ☆ ☆

"زین بیٹا! آؤ ناشتہ کرلو.. میں نے آپ کے پسند کے آلو کے پراٹھے بنائے ہیں... جلدی آؤ آپ.."

میں نے مسلسل تیسری بار زین کو ناشتے کے لئے بلایا

"مجھے بھوک نہیں ہے.. میں سکول کی کینٹین سے کچھ کھا لوں گا..."

زین نے روکھے لہجے سے کہا اور جلدی سے اپنا بیگ کندھے پہ ڈالے سکول وین کا ہارن سن کے باہر نکل گیا..

"ارے پر سنو تو.. آپ کے پسند کے پراٹھے...."

"کوئی فائدہ نہیں پکارنے کا... جانے والے کو آواز پہ پلٹنا ہوتا تو وہ جاتا ہی کیوں...؟"

خضر نے کھانے کی میز پہ آتے ہوئے کہا..

"میں نے تم سے شادی کی کیونکہ مجھے لگا تھا کہ تم ہی زین کو سچا ماں کا پیار دے سکتی ہو... پر مجھے کیا خبر تھی کہ زین تم سے اس قدر کھنچا رہے گا.. مجھے سب نظر آتا ہے.. اس کی بدتمیزی، جان بوجھ کر تمہیں تنگ کرنا، روکھا پن... سچ پوچھو تو میں شرمندہ ہوں تم سے.."

خضر افسردگی سے کہنے لگے..

"نہیں خضر! وہ ابھی بچہ ہے نا.. سب سمجھ جائے گا.. میری محبت کی مہک پہچان کر مجھے ماں کہے گا... مجھے یقین ہے ابھی

ممتا پہ... چلیں اب آپ ناشتہ کر لیں میں آپ کے کپڑے پریس کر دوں"

"آخر آپ خود کو سمجھتی کیا ہیں؟ پتا نہیں آپ کو کون سا جادو آتا ہے جو ہر اک کو اپنی مٹھی میں کر لیتی ہیں.. پہلے بابا پہ اپنا جادو کیا اور وہ آپ سے شادی کر کے ہمارے گھر لے آئے.. اب آج آپ نے میرے سکول آ کے پتا نہیں ایسا کیا پھونکا کہ میرے سب دوست اور ٹیچرز آپ کی تعریف کرنے لگے.. کہ

"زین! آپ کی مما بہت نائس ہیں"

"آنٹی کتنی سویٹ ہیں نا بالکل میری مما جیسی"

"تم تو لکی ہو جو تمہاری سٹیپ مام تم سے اتنا پیار کرتی ہیں"

آج زین کے سکول میں پیرنٹس ٹیچر میٹنگ تھی اور خضر کام کے سلسلے میں دوسرے شہر گئے تھے اس لئے زین کے ساتھ مجھے سکول جانا پڑا ورنہ تو زین خضر کو ہی ساتھ لے کر جاتا... اور اب گھر آ کے وہ اپنے دوستوں اور ٹیچر کی باتیں چڑتے ہوئے سنا رہا تھا...

".. یہ آنٹی اتنی سویٹ لگی ہیں تو جاؤ اپنے گھر لے جاؤ انہیں... بڑے آئے.."

زین پیر پٹختا اپنے کمرے میں چلا گیا..

زین کی درشتی بھرا لہجہ میرے دل کو کاٹ رہا تھا..

"یا اللہ تو جانتا ہے کہ میرے دل میں زین کے لئے کتنا پیار ہے.. تو دلوں کو پھیرنے والا ہے تو میرے بچے کے دل کو میری طرف پھیر دے... بے شک تو اپنے بندوں سے ایک ماں سے بھی ستر گنا زیادہ پیار کرتا ہے... تو اس ماں کی التجا سن لے..."

میں دل کی گہرائیوں سے یہی دعا کئے جا رہی تھی...

☆ ☆ ☆

اگلے دن زین سکول وین کا ہارن سن کر بھی اپنے کمرے سے باہر نہیں آیا... مجھے لگا شاید وہ کل کی بات سے مجھ سے ناراض ہے.. میں اس کے کمرے میں گئی تو دیکھا وہ بخار میں پھنک رہا تھا.. میری تو جان ہی نکل گئی اسے دیکھ کے.

"زین! زین بیٹا! ک کیا ہوا آپ کو؟ آپ کی طبیعت اتنی خراب کیسے ہو گئی؟ اُفف خضر بھی گھر پہ نہیں.. مم میں ابھی ڈاکٹر کو بلاتی ہوں... آپ ہمت رکھو بیٹا.. آپ کی مما ہے آپ کے پاس"

میں زین کے ماتھے پہ گیلی پٹیاں رکھتی جا رہی تھی.. ڈاکٹر کو فون کئے خاصی دیر ہو گئی تھی. پر ڈاکٹر کا کچھ پتا نہیں تھا... میں خود ہی قریبی کلینک سے ڈاکٹر کو بلانے نکل پڑی.. بھاگ دوڑ میں مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ میں ننگے پاؤں دوڑ رہی ہوں... ڈاکٹر نے زین کا چیک اپ کر کے اسے دوا دی تو زرا اس کی آنکھیں کھلیں..

"مسز خضر آپ نے بچے کے ماتھے پہ بروقت ٹھنڈی پٹیاں رکھ کے کافی حد تک اس کا ٹمپریچر کم کیا ہے... اپنے بچے کے لئے ننگے پاؤں دھوپ میں چلنا تو ماں کا ہی خاصہ ہے.. اور لٹل مین تم دوا اور خوراک ٹائم پہ لینا اوکے..."

ڈاکٹر کے جانے کے بعد زین نے میرے مٹی زدہ زخمی پیروں کو دیکھا تو رونے لگا...

"کیا ہوا بیٹا! کہیں درد ہو رہا ہے کیا؟ مم میں..."

اس کو روتا دیکھ کے میرا دل بند ہو رہا تھا..

"میں نے بہت برا سلوک کیا.. مجھے معاف کر دو ماں..."

زین کے منہ سے یہ الفاظ سن کے میرا ضبط بھی ٹوٹ گیا...

"دیکھا میں نے کہا تھا نا آپ کے پاس کوئی جادو ہے... مجھ پہ بھی اپنا جادو کر دیا نا.."

میری گود میں سر رکھے میرا بیٹا کہہ رہا تھا... اور میں دل ہی دل میں اس ذات باری کی شکر گزار تھی جس نے میری ممتا میری محبت کو ابر کی صورت پھیلا دیا تھا....

☆ ☆ ☆

ختم شد

خود اپنا آپ گنوا کے جنھیں سکون نہ ملا
وہ تیرگی کے نہیں روشنی کے مارے ہیں
ایم شفیع تنہا امرہ خورد (گجرات)

☆ ☆ ☆

وہی اک شخص رہتا ہے عالم وجد مجھ میں محو۔۔
ادھر رقص، ادھر رقص، یہاں عکس، وہاں
ارمان ملک

ہماری نیندوں میں کیسے عذاب اترے ہیں
تمھاری ذات سے وابستہ خواب اترے ہیں
میرے وجود میں صدیوں کی پیاس بستی ہے
ہر ایک قدم پر میرے، سراب اترے ہیں
میرے قلم میں تمھاری ہی خوشبو بستی ہے
تمھارے نام سب ہی انتساب اترے ہیں
تمھارے جور و ستم کا کوئی حساب نہیں
ہمارے واسطے سب احتساب اترے ہیں
ہماری ذات سے تم کو محبتیں ہی ملیں
اگرچہ ہم پہ تمھارے عتاب اترے ہیں۔

☆ ☆ ☆

تمام عمر حساب و کتاب میں گزری
خوشی، غمی، گناہ و ثواب میں گزری
تمھارے لیے شجر سایہ دار ٹھہرے ہم
مگر ہماری بہت ہی عذاب میں گزری
گو زندگی تھی چھوٹی، مگر تھی جس قدر بھی
الجھتے ہوئے دلِ خانہ خراب میں گزری
شکستہ پا کھڑی ہوں، نظر میں کچھ بھی نہیں
تمام عمر تلاشِ سراب میں گزری۔

☆ ☆ نزہت جبیں ☆ ☆

آزادی اور ہم

ردا فاطمہ

آزادی کی بات کرتے وقت ضبط کے مرحلے سے جب گزرنا پڑتا ہے تو میری آنکھوں میں سرخ ڈورے رقص کرتے ہیں ... دل آہ و بقا کرتا ہے... زبان سسکیاں بھرتی ہے...
پورے وجود میں بے چینی خون کی جگہ رگوں میں سرایت کر جاتی ہے... تاریخ کے اوراق آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں پھر سوال دماغ میں ابھرتا ہے کیا آزادی اسلام کے اصولوں پے عمل کرنے، اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کے لیے حاصل نہیں کی تھی... کیا اس آزادی کے عوض دھرتی لہو رنگ نہیں ہوئی تھی... آسمان نہیں رویا تھا...
عصمتیں نہیں چھینی گئی تھیں... جسم ٹکڑوں کی صورت میں کاٹے نہیں گئے تھے؟ میرا قلم لڑکھڑا رہا ہے... آنسو باوجود کوشش کے آنکھوں کی باڑ پھلانگ چکے ہیں... پھر میں ماضی سے حال میں آجاتی ہوں... تو دل دکھ سے پھٹنے لگتا ہے...
تب عصمت کی چادر کو کھینچنے والے کافر تھے... اور آج مسلم ہی مسلمان سے محفوظ نہیں ہے... ان قوموں کو آزادی کے دن خوش ہونے کا حق ہوتا ہے جن قوموں کے بچے بھوک کی چادر اوڑھ کے نہیں سوتے... وہ قومیں آزادی کے نعرے لگاتی ہوئی اچھی لگتی ہیں جو اپنے عہد کو پورا کریں... سال کا یہ ایک دن ہی آزادی کا نہیں ہے... پورا سال آزادی کا ہے...
بے شرمی کی آزادی نہیں بلکہ اسلام کے اصولوں پے عمل کرنے کی آزادی... عصمتوں کو مٹی میں ملانے کی آزادی نہیں بلکہ عزت دینے کی آزادی... قتل و غارت گری کی آزادی نہیں بلکہ جان کے محفوظ ہونے کی آزادی، میں کیا کیا لکھوں کس کس چیز کی آزادی درکار ہے... میرا وطن تو آج بھی لٹیروں کے قبضے میں ہے... ہمیں روشن سوچ کی نہیں روشن ضمیر کی ضرورت ہے... باب العلم مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قول ہے
"معاشرے کفر کے ماحول میں تو زندہ رہ سکتے ہیں لیکن ظلم کے ماحول میں نہیں"
ظلم کا نمونہ فرعون تھا مٹ گیا، دہشت کا نشان نمرود تھا غرق ہو گیا، جہالت کا پیکر ابو جہل تھا قصہ پارینہ بن گیا.. اور آج کا مسلمان ہے جو جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں اوندھے منہ پڑا ہے...

ترقی تعلیم کی نہیں ہوئی بے حیائی کی ہو گئی... آزادی کا یہ دن محض جشن منانے کے لیے رہ گیا... سبز ہلالی پرچم کی جگہ ملک کو ایسے پاش پاش کیا کے سب کے اپنے جھنڈے بن گ ئے... اس پاک پرچم کو صرف آج کے دن جگہ جگہ لگایا جاتا ہے... تو پھر اسکی قدر ایسے کی جاتی ہے کے اگلے دن گلی کوچوں کی زینت بنی جھنڈیاں پاؤں تلے روند دی جاتی ہیں....
اس ملک کے معصوم سپوت ہیں اور ذہن ان کے بے حیائی کا مرقع... آزادی کو سمجھیں... اسکی اہمیت معلوم کرنی ہے تو کسی بے قصور حوالات میں بند اس انسان سے پوچھیں جس کو خود نہیں پتا کے آزادی کی نوید کب سنائی جائے گی اسے...
اس مقبوض سے پوچھیں جس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی ماں، بہن اور بیٹی کو مرتے دیکھا ہو... اس سے پوچھیں جس نے دل خراش چیخیں سنی ہوں.... پھر فیصلہ کریں کے آپ آزادی کا حق ادا کر رہے ہیں؟ کیا آپ اس لہو کو فراموش کر رہے ہیں جو اس آزاد azad ملک کی جڑوں میں ہے؟ یاد رکھیں جی لوگ دوسروں کے مذہب کی پیروی کرتے ہیں... اور اپنی اصلیت سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں وہ زمین بوس ہو جاتے ہیں.. انہی کے لیے اقبال نے فرمایا ہے

~اپنی ہی مٹی پہ چلنے کا سلیقہ سیکھو
سنگ مرمر پہ چلو گے تو پھسل جاؤ گے

وقت ہے سنبھل جانے کا.... اٹھ جانے کا... آنکھیں اور دل کھول کے بہت سچائی سے اپنا محاسبہ کرنے کا.... اور سب سے پہلے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیجیے... یہ ملک ہمارا ہے ہمیں اسکو بیچنا نہیں ہے... لوٹنا نہیں ہے... اس کی آبیاری کرنی ہے... اسکی عزت کو پامال ہونے سے بچانا ہے... یہی پیغام ہے اس دن کا...

~ہم تو مٹ جایں گے اے عرض وطن
تم کو رہنا ہے قیامت کی سحر ہونے تک

اللہ پاک میرے وطن پہ رحمت کی چادر فرمائے... اس میں رہنے والوں کو آزادی کی حقیقت سے روشناس کرائے....
آمین...

(ختم شد)

نفرتیں کرنے کا وہ شوقین ہے
میں بنا چاہت نبھانے کے لیے
بلال شیخ

یہ پور پور اذیت میں ڈالتے ہوئے تم
یہ سانس سانس محبت پکارتا ہوا میں
میثم علی آغا

کبھی وہ رنگ تو دیکھو جو تم کو دیکھ کر میری آنکھوں میں اتر آتے ہیں.....
وہ رنگ تتلی کے خوش رنگوں کو بھی مات دیتے ہیں.....!!

بنتِ قاسم

توکل اور خدمت

حماد ظفر ہادی، گوجرہ

دو ایسے واقعات جنہوں نے ایک شخص کو بدل بدل کی روپ دیے حاجی صاحب اپنے گودام کی طرف جا رہے تھے چھوٹی چھوٹی سنت مطابق داڑھی ہاتھ میں تسبیح زبان پے "اللہ" "اللہ" کی صدا "سبحان اللہ"، چلتے چلتے جب وہ گودام پہنچے جہاں کم از کم 500 مزدور کام کرتے تھے حاجی صاحب کا کباڑ کا بہت وسیع کاروبار تھا، جب وہ گودام کے گیٹ پے پہنچے تو وہاں ایک کتا اپنی ٹانگیں گھسیٹ کر اندر جانے کی کوشش کر رہا تھا اسکی ٹانگیں ٹوٹی ہوئی تھی،

اسکا جسم زخموں اور لہو سے لت پت تھا، منہ پے بھی خون لگا تھا شاید اس کے جبڑے بھی ٹوٹ چکے تھے، حاجی صاحب نے سوچا ڈاکٹر کو فون کر کے کتے کا علاج کروایا جائے، انہوں فون جیب سے نکالا اور ڈاکٹر کو فون لگنے سے پہلے ہی فون جیب میں رکھ لیا وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ "اللہ" پاک اسکو رزق کیسے دیتا ہے "اللہ" کا ہر جاندار سے رزق دینے کا وعدہ ہے، یہ ہی سوچ کر انہوں نے کتے کو وہیں رہنے دیا اور خود آفس میں جا کر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر بعد جا کر کتے کو دیکھ آتے مگر سارا دن لگا بھوکا لیٹا رہا مگر اسکے رزق کا کوئی انتظام نہ ہوا،

حاجی صاحب کے تمام ملازم چھٹی کر کے جا چکے تھے، مگر حاجی صاحب کتے کی نگرانی پے بیٹھے تھے یہ دیکھنے کہ کتے کو رزق کہاں سے ملتا ہے، سرمئی شام کے اندھیرے ہولی ہولی چھائے جا رہے تھے، حاجی صاحب کتے کی ٹینشن میں تھے اتنے میں ایک دوسرا کتا منہ میں گوشت کا ایک ٹکرا لیئے اس زخمی کتے کے پاس آیا اور اس کے منہ میں ڈال دیا مگر کتے کے جبڑے ٹوٹنے کی وجہ سے کتا اس گوشت کو کھا نہ سکا، تو دوسرے کتے نے گوشت کے ٹکڑے کو منہ میں لے کر چبایا اور چبا کر دوسرے کتے کو کھلایا، پھر جا کر کسی پاس کے حوض سے اپنی دم گیلی کر لایا اور اس پانی سے زخمی کتے نے پیاس بجھائی، حاجی صاحب یہ سب دیکھ کر مسکرائے اور رب پے توکل اور اس کے رازق ہونے پے یقین پختہ ہو گیا، اسی طرح کچھ دن ہوتا رہا اور حاجی صاحب روز دیکھتے ایک کتا کیسے دوسرے کی خدمت کرتا رہا، حاجی صاحب نے سوچا کہ جو رب اس کتے کو رزق دے سکتا ہے مجھے نہیں دے گا کیا؟؟

اسی سوچ کے ساتھ حاجی صاحب نے گودام بند کر دیا اور گھر کو چھوڑ کر جنگل کی راہ لی اور وہاں جا کر رب رب کرنے لگے، دن رات عبادت کی چلے کیئے تو رب نے انہیں ولی کی طاقت عطا فرمائی، لوگ دور دور سے ان کے پاس آتے اور مرادیں پاتے ہر طرف انکا چرچا ہونے لگا جو رب کے ہو جاتے ہیں پھر رب انکا ہو جاتا ہے، حاجی صاحب نے توکل پے یقین کیا سب کاروبار، گھر چھوڑ کے جنگل میں ڈیرے ڈالے تو رب نے شہروں کے مجبور لوگ ان کے پاس بھیجے لوگ مریض لاتے شفا

ایک دن حاجی صاحب اپنے مریدوں میں بیٹھے دین کی باتیں کر رہے تھے، کسی نے سوال کیا کہ آپکو فقیری کیسے ملی، تو حاجی صاحب نے دونوں کتوں کی داستان سنا دی اور فرمایا ہمیں بھی توکل پے ایمان رکھنا چاہیے کہ رب ہر ذی روح کو رزق ضرور دیتا ہے،

تو وہاں بیٹھا ایک نوجوان کان سی ہینڈ فری لگائے پینٹ شرٹ میں، بالوں کا ہنی سنگھ سٹائل لیئے کھڑا ہو کر بولا بابا جی آپ نے ایک کتے سے تو توکل سیکھا مگر دوسرے کتے سے خدمت نہیں سیکھی جو ایک مجبور لاچار کی مدد دن رات کر تا رہا، آپ نے خود کا رزق رب کے زمے لگا دیا مگر جن کو رب آپ کے وسیلے سے رزق دیتا تھا، 500 مزدوروں کے گھر چلتے آپکے گودام میں کام کرنے سے چلتے تھے،،

اگر آپ نے خدمت سیکھی ہوتی تو آج شاید ایک ہزار گھر اور آباد ہوتے،، اپنا نہیں دوسروں کا سوچنا چاہیے تھا،

اتنا کہ کر نوجوان تو چلا گیا مگر فقیر سائیں نے بھی فقیری چھوڑ دی اور پھر حاجی صاحب بن گے اور گودام کھول لیئے اور خدمت خلق میں مصروف ہو گئے

ختم شد

ماں کو جان سے پیاری لڑکی
بابا کی راج دلاری لڑکی
ڈوبتے دل اور کانپتے ہاتھوں
ماں نے آپ سنواری لڑکی
عرب کے لوگو کیسے تم نے
پیدا ہوتے ہی ماری لڑکی
ورثہ مانگا تو پھر تم سے
ختم ہے رشتہ داری لڑکی
ہاتھ نہ ائی تو پھر وہ بولا
وہ تو تھی بازاری لڑکی
مرد کی آخر خواہش جو پوچھی
بولا ایک کنواری لڑکی
دنیا تیرے بازیچے پر
آخر بازی ہاری لڑکی
کوشش کرے تو ہو سکتی ہے
سو لڑکوں پے بھاری لڑکی
حماد ظفر ہادی، گوجرہ

زندگی کے رنگ

ببرک کارمل جمالی

"میرے محبوب ویسے تو جب بھی کوئی کہانی لکھنے لگتا ہوں، مجھے محسوس ہوتا ہے میں تم کو خط لکھنے لگ گیا ہوں۔۔لوگ کبھی کوؤں کو قاصد بناتے تھے،اور کبھی کبوتروں کے پیروں میں پیغام لپیٹ کر بھیج دیتے تھے۔پرانے وقت اب گزر گئے ،اب نیا زمانہ اور نئے انداز آگئے سوشل میڈیا نے ان سب کاموں کو بہت آسان کیا کہ منٹوں میں لکھا پل بھر میں پہنچ گیا

وہ لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں جو کسی چٹھی رساں کے قدموں کے سراغ لیتے ہیں۔ مگر جب۔۔کسی کو خط ڈالنا ممکن نہ ہو تو اس وقت صرف ہوائیں ہی رہ جاتی ہیں جن کے پلو میں کوئی پیغام باندھ دیں وہ فٹافٹ پہنچ جاتا تھا،میری ہر کہانی میرا ایک خط بن گیا ہے۔۔"جس میں آپ کا ذکر کسی نہ کسی طرح ہونے لگتا تھا

"مجھے یاد ہے جب آپ نے پہلے نے مجھے پہلا میسیج فیس بک پہ لکھا تھا اور سخت تنقید کیا تھا اس پل کو ایک سال بیت گیا ایک بیگانہ سا پن تھا اور میں سوچنے لگا تھا کہ اس بیگانہ پن کا کیا جواب دو مگر پھر سوچا تم تو بیگانے نہیں" وہ دن عید کا دن تھا جس دن آپ سے بات ہوئی تھی دل بہت اداس تھا مگر ہنس ہنس کے آپ سے بول رہا تھا سات منٹ کی بات ایسے تھی جیسے سات سال سے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہوں اس پل سے پہلے آپ نے کئی مرتبہ مجھ سے بولنے کی کوشش کی تھی مگر میں عید کے دن کو یادگار دن بنانا چاہتا تھا اس دن میرے دل کی دہلیز کو تمہارے قدموں نے چھوا۔۔میں نے تمہاری آواز سنی تو مجھے محسوس ہوا،،جس ہوا میں تمہاری سانس ملی ہے اس میں ایک مہک آنے لگی ہے

ایک دن تم دل میں آئے ، تمہارے ہاتھ نے ایس ایس لکھنا شروع۔۔۔کب سے لکھنا شروع کیا تھا کچھ یاد نہیں ہے ، مجھے زندگی میں تمہارا پہلا ایس ایم ایس ایسے ملا جیسے میں آپ کو جانتا ہی نہیں ہوں اس پل مجھے ایسے لگا جیسے میرے انتظار میں تمہاری ایک ہی سطر نے رنگ بھر دیئے اور یہ سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے

پھر کبھی ہم ایک دوسرے سے پیغام رسائی میں لگ گئے کبھی ناراضگی کبھی محبت کی باتیں اور کبھی سات سات دن غائب رہنا آپ کا اس دن میں بہت سوچ رہا تھا آخر اس کو ہو کیا گیا ہے نہ ایس ایم ایس نا کال فون بند اور اور خیالات کی دنیا جہاں بے رنگ زندگی چل رہا تھا اس روز پتا چلا کہ آپ کی ٹانگ ٹوٹ گئی مگر مجھے پتا نہ چلا جب آپ نے بتانا بھی گوارہ نہ کیا پندرہ دن بعد آپ کا ایس ایم ایس آیا آپ کا رونگ نمبر تھا میرے پاس۔اسلیئے رابطہ نہ کرسکا وہ باتوں سے غمگین لگ رہا تھا

میرے محبوب میں آج تمہیں آخری خط لکھ رہا ہوں کیونکہ
[illegible]

شادی میں انکاری ہے۔ تو ہم نے بھی اس روز سے آپ کو تنگ کرنا چھوڑ دیا اس کے بعد کبھی آپ کے دل میں جگہ کبھی نفرت بس پھر ایک سلسلہ ٹوٹنے لگ گیا میں اس کا ہر ایس ایس ایم ایسے محسوس کرتا تھا جیسے زبردستی لکھ رہے ہو۔ آج بھی وہ ٹماٹر کی چٹنی کو نہ بھلا سکا اور وہ رائیٹ لیفٹ والی باتیں جو خوشی اور غم میں ساتھ دیتی تھی ان کو بھلانے کیلئے بہت کوشش کی مگر بھول نہ سکا اب تو پل پل دل اداس رہتا ہے آپ کے بغیر۔۔۔ کیا واقعی پتھروں کے زمانے آگئے مگر آپ کا دل پتھر بن گیا ہے۔ ارے میں وہ بات کیوں بھول گیا جس کا نام ہم نے کال ٹائم رکھا تھا اس وقت خوب بولتے تھے مگر آہستہ آہستہ۔۔۔ تاکہ کوئی سنے نا۔ حتاکہ کبھی کبھی آپ جب میرے فون کو اگنور کرتے تھے میں سمجھتا آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔۔۔ آپ کے بارے میں کبھی کبھی سوچتا کہ میں آپ کو خوامخواہ تنگ کر رہا ہوں اس روز جب آپ کا فون آپکی امی نے اٹھایا تو میں یہ سمجھا کہ اب آپ کو گھر میں مار پڑھے گی مگر پھر آپ نے رابطہ کاٹ دیا۔ میں سمجھا آپ سے رابطہ ہمیشہ کیلیئے کٹ گیا مگر دو دن بعد پھر آپ کا ایس ایم ایس آیا بچ گیا ورنہ امی مارتی اس دن کے بعد میں نے کال کرنے سے توبہ کر دیا۔ اور ایس ایم ایس پر گزارہ کرتا تو جواب دیر سے آتا تھا ہر روز آپ کا ایس ایم ایس میرے لیئے ایک نئی صبح کا آغاز ہوتا تھا۔ اگر میری زندگی میں وہ نئی روشن صبح آئی تو میں تمہیں اپنے پیار کا سنہری خط لکھوں گا یہ آخری خط لکھتے ہوئے دل اداس اور آنکھیں غمگین ہے سوچتا ہوں کیسے آپ کو بھلا دو مگر شکر ہے آپ نے خود مجھے بھولانے میں پل بھی ضائع نہیں کی مجھے پتا ہے آپ نے مجبوری میں مجھے بھلا دیا چلو اب اگلے جہاں میں ملیں گے اب آپ کو نئی زندگی کے نئے پل مبارک ہو ارے یاد کرنا میری یاد آئے جب تو دو گھونٹ پانی کے پی لینا اور اپنے آنسوں کو روک لینا۔

☆ ☆ ☆

اندھیری رات تھی چھائی
اجالا بن کے تم آئے
غم ِفرقت کے بادل تھے
میری تقدیر پر چھایے
اجالا بن کے تم آئے
زمانہ تھا بنا دشمن
میری قسمت میں لکھے تھے غم
شب ظلمات تھی چھائی
اجالا بن کے تم آئے
فہمیدہ غوری از قلم۔ کراچی

J.D تمہارے بعد شہر پے چھا گیا بادل غم والم کا
اور تم پوچھتے ہو کہ اے شہر نا تو ان تجھے ہوا کیا ہے۔۔۔؟
محمد جواد خان

آزادی اور قربانی

محمد جواد خان

0307-5124125

ماہ اگست وستمبر عہد وپیماں کا موسم۔۔۔ہر طرف ہریالی و سبزہ زار کا موسم۔۔۔یہ وہ موسم ہے جو اس لمحہ کی یاد کرواتا ہے جب وقت کے سورج نے اپنی سنہری کرنوں سے اس نیلے آسمان کے نیچے ہماری مقدس دھرتی پر لفظ "آزادی" لکھا تھا۔اور جسے اس دھرتی کے باسیوں نے اپنے سینوں میں پروتے ہوئے اپنی سانسوں میں ایسا سمویا کہ ہر طرف ان کے خون کی ہولی کھیلی گئی،ان کے بے سروپاہ لاشوں کو بے گوروکفن سڑکوں پر گھسیٹا گیا،کہیں پر عزت وعصمت کو پامال کیا گیا تو کہیں سرعام انسانیت کو روندا گیا،کہیں خون سے لت لاشے اور کہیں بے گوروکفن جنازے،کہیں یتیم وبے سہارا مخلوق،اور کہیں شفاف فلک کے سائے میں پلتے بچے،کہیں عورتوں کی لٹی عصمتیں اور کہیں بچوں کا بھوک وپیاس سے تڑپایا گیا،کہیں چوروں کی عیاشیاں اور کہیں مظلوموں کی سسکیاں،کہیں اپنوں کی تلاش میں تڑپتے انسان اور کہیں اپنوں کی زندگی کے متالاشی لوگ،کہیں زندگی کی امید اور کہیں زندگی اپنی امیدوں کو توڑتے ہوئے،کہیں جوانوں کا جوش اور کہیں ان کے لاشے،عرضیکہ ہر طرف موت ہی موت تھی۔۔۔مگر سلام پیش کیا جائے ان ہستیوں کو جو خود قربانیوں کی مثالیں تو بن گئے مگر ہم کو آزادی کا لفظ لگا کر "پاکستان" جیسا عظیم ملک پاک دے گئے۔

قید میں آیا تو حاصل مجھ کو آزادی ہوئی
دل کے لُٹ جانے سے میرے گھر کی آبادی ہوئی

قوموں اور ملکوں کی تاریخ میں کچھ دن ایسے ہوتے ہیں جو عام ایام کے برعکس بڑی قربانی مانگتے ہیں،یہ دن فرزندانِ وطن سے حفاظت وطن کے لئے تن من دھن کی قربانی کا تقاضا کرتے ہیں،ماؤں سے ان کے جگر گوشے اور بوڑھے والدین سے ان کی زندگی کا آخری سہارا قربان کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔تب جا کر قربانی کی عظیم داستانیں رقم ہوتی ہیں،سروں پر کفن باندھ کر سرفروشان وطن رزمگاہ حق وباطل کا رخ کرتے ہیں،آزادی کو اپنی جان ومال پر ترجیح دے کر دیوانہ وار لڑتے ہیں،کچھ جام شہادت نوش کر کے امر ہو جاتے ہیں اور کچھ غازی بن کر سرخرو ہوتے ہیں،تب جا کر کہیں وطن اپنی آزادی،وقار اور علیحدہ تشخص برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

عقابوں کے تسلط پر فضائیں فخر کرتی ہیں
خودی کے رازدانوں پر دعائیں فخر کرتی ہیں
بطن سے جن کے بیٹے پیدا ہوں محمود عالم سے
وہ دھرتی سر اُٹھاتی ہے وہ مائیں فخر کرتی ہیں

پاکستان کی تاریخ میں کچھ تلخ اوراق بھی شامل ہیں جو کچھ تو آزادی کی جیالوں نے اور کچھ وطن کے پاسبانوں نے اپنے

خون کی لالی سے لکھ کر ان کو ہمیشہ کے لیے امر کر دیا ہے۔
ان ہی اوراق میں لفظِ آزادی موجود ہے جس کو پاکستان میں آج صرف محض ایک لفظ سمجھا جارہا ہے حالانکہ آزدی۔۔۔ صرف الفاظ تک محدود رہنے والی چیز کا نام نہیں اور نہ ہی ایسا لقمہ کہ جو تیار کر کے ہمارے سامنے رکھ دیا گیا بلکہ اس کی بنیادیں قربانیوں سے بنائی گئی ہیں، کہیں اعضاءِ انسانی سے مصالہ اور کہیں خون و آنسوؤں سے ان بنیادوں کو تر کیا گیا تو تب جا کر آزادی ملی۔۔۔اور آزادی کو مستحکم رکھنے کے لیے نہ جانے کتنی ماؤں کے شیر دل جوانوں نے اپنی زندگیوں کو نچھاور کیا تب جا کر آزادی کی پر فضا ماحول میں ہمیں سانس لینے کا موقع ملا۔۔۔

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

14 اگست 1947 کا وہ دن جب ایک پودا لگایا گیا تھا کہ جس کی سرسبز فضاؤں سے ہم دلوں کو تسکین دیں گئے، جس کے ٹھنڈی چھاؤں میں ہم سکون کی نیند سویا کریں گئے اچانک اسی درخت کی شاخیں کاٹنے کے لیے 6 ستمبر 1965 کو ہمارا ازلی و ابدی دشمن اپنے پورے زورِ بازو سے ہم پر حملہ آور اس نیت سے ہوتا ہے کہ نہ رہے گا درخت اور نہ ملے گی ان کو آزادی۔۔۔۔

آگ لگانے جو آئے تھے آشیانے کو وہ شعلے اپنے لہو سے بجھا دیئے تم نے

6 ستمبر 1965 کی وہ تاریک رات پورے پاکستان کی عوام کے لیے مشکلات و مصائب کی رات بن کر ثابت ہوئی مگر دوسری جانب یہ رات اس بات سے انجان تھی کہ میرا سامنا ایک ایسی قوم سے ہونے والا ہے جو جسمِ واحد کی مانند فولادی دیوار بن جائیں گئے اور میری ہیبت و تباہی کا ایسا منہ توڑ جواب دیں گئے کہ رہتی دنیا تک ایسی مثال بن جائے گی کہ کوئی بھی رات کا پہرا ایسا نہ آئے گا جس پہر کسی بھی ملک کی چادر و چار دیواری کی حدوں کو توڑنے کی ہمت ہو گی۔۔۔

دشمن کی نگاہوں کو ہم اُٹھنے سے پہلے جُھکا دیں
کمزور جو ہم کو سمجھے اُسے آمن کی راہ دیکھا دیں

6 ستمبر 1965 کا دن ہماری قوم اور عسکری تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ثابت ہوا، ہماری بہادر افواجِ پاکستان کی پشت پر پوری قوم یکجان ہو کر دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار ایسے بن گئی کہ دنیا نے ہماری قوم کے ناقابل تسخیر جذبے اور مسلح افواج کی شاندار کامیابیوں اور معرکوں کو تسلیم کرتے ہوئے ہمارے شیر دل جوانوں اور شاہین صفت ہوا بازوں کے جذبہ جہاد اور ایمانی قوت کو بھرپور خراج تحسین پیش کیا۔

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئینِ گلستان میں
ہمیں بھی یاد رکھنا چمن میں جب بہار آئے

6 ستمبر 1965 کو وہ ہمارا دشمن جس نے دوستی کا نقاب اوڑھ کر اپنی جارحیت سے پاکستان کو تر نوالہ سمجھ کر اپنی فوج کو حکم

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

دیا کہ اپنے ساتھ ایک نئی وردی بھی رکھ لیں تاکہ مال روڈ پر جب سلامی لی جائے تو اس وقت نئی وردی میں ملبوس ہوں، لیکن وہ اس بات سے انجان تھے کہ حق و صداقت کی اس جنگ کی فتح کا وعدہ اللہ کا تھا، رب تعالیٰ نے مومنوں کی اس فوج کو بے پناہ طاقت اس قدر عطا کی کہ انھوں نے اپنے سے کئی گناہ زیادہ لشکر پر غلبہ پاتے ہوئے ان کے مکروہ خواب شرمندہ تعبیر کر دیئے۔ صف شکنوں کی کاری ضرب اور دہشت سے دشمنوں کے پاؤں میدان جنگ میں ایسے اکھڑے کہ وہ تتر بتر ہو کر رہ گئے اور اپنے ہی ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

شہیدانِ وطن کے حوصلے تھے دید کے قابل
وہاں پر شکر کرتے تھے، جہاں پر صبر مشکل تھا

6 ستمبر 1965 کی جنگ میں جدھر اقوام پاکستان اور افواجِ پاکستان کے اندر جذبہ وولولہ دیکھنے کو ملتا ہے ادھر ہی قدم قدم پر معجزات کے تذکرے ملتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ عجلت گھوڑے پر سوار ہو کر پاکستان کے جہاد میں شامل ہونے کے لیے تشریف لا رہے تھے، جنگ بدر کہ شہدا محاذوں پر پہنچ چکے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ذوالفقار کو فضاؤں میں بلند دیکھا گیا، ایک محاذ کے بھارتی قیدی کا بیان تھا کہ سفید پیراہن والی پاکستانی فوج بھارتیوں کو تہس نہس کر رہی تھی، ان کی تلواروں سے شعلے نکل رہے تھے، دوسرے محاذ کے قیدی کا بیان تھا کہ سرخ ٹوپیوں اور چھوٹے قد والے پاکستانی فوجیوں نے بھارتی سینا کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ بھارتی توپچی نے کہا گولے پھینکنا بے کار تھا۔ ایک سفید ریش بوڑھا میرے گولے کیچ کر کے پرے پھینک دیتا تھا۔ بھارتی ہوا بازوں کا بیان تھا کہ جب وہ گولے پھینکتے تھے تو سفید ریش بوڑھا انہیں ہاتھوں میں پکڑ کر زمین پر یوں رکھ دیتے کہ وہ پھٹتے نہ تھے۔

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے

6 ستمبر 1965 کا دن ہماری دھرتی ماں کے لیے ایسا دن تھا کہ جس دن نے تمام قوم کے اندر جذبہ ایمانی کی روح پھونک دی اور حوصلے ایسے بلند کر دیئے کہ ہر نفس شہادت کا متلاشی بن کر ارضِ پاک کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے زرہ پوش ہو گیا۔۔۔ اجناس وزر کے ڈھیر لگا دیئے اور اپنے آرمی چیف کی ایک آواز پر یک جان ہو کر لبیک بول کھڑے ہوئے، جوان ہی نہیں گھر میں بیٹھی عورتوں نے اپنے زیورات تک پاک فوج کی مدد کے لیے اتار کر یہ رقم تاریخ کے اورق میں ثبت کر دی کہ جب ضرورت پڑی تو ہم اپنی جانیں بھی دیں گے مگر اے ارضِ پاک تیری طرف اُٹھنے والی ناپاک نظر کا منہ توڑ جواب دیں گے۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

6 ستمبر 1965 کی جنگ میں ہر ایک نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ایک فقیر جو کہ گلی محلوں میں گھر گھر جا کر اپنے لیے نان نفقہ کا بندوبست کیا کرتا تھا اس نے ان دنوں روٹی نہیں پیسوں کا

مطالبہ کرنا شروع کر دیا جس پر عوام کا شدید ردِ عمل بھی اس کو دیکھنے میں ملا مگر وہ بدستور روپے مانگنے میں لگا رہتا اور شام کو ساری جمع شدہ پونجی ریلیف فنڈ میں جمع کروا کر خود ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتا اور اپنے جھولے سے خشک روٹی کا ٹکڑا نکالتا اور پانی میں بھگو بھگو کر کھاتا جب اس کا یہ منظر ایک صحافی نے دیکھا تو اس نے پوچھا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو تو وہ فقیر بڑی دیدہ دلیری سے بولا: " آج ان پیسوں کی ضرورت میرے ملک کی فوج کو ہے، اگر میرا ملک سلامت رہا تو مجھے بھی رزق ملتا رہے گا اور میں کبھی بھوکا نہیں مر سکتا۔

اے جذبہ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کے لیے دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے

6 ستمبر 1965 کی جنگ میں ہم مسئلہ کشمیر کے حل کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتے، پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات میں بگاڑ اور علاقے میں کشیدگی کا واحد سبب کشمیر ہے جس کی بدولت دونوں ممالک میں کئی جنگیں لڑی جا چکی ہیں، اور جب تک مسئلہ کشمیر کو عوام کی امنگوں کے مطابق حل نہیں کیا جاتا تب تک دونوں ممالک میں یہ کشیدگی بدستور برقرار رہے گی۔ تنازعہ کشمیر کا آبرومندانہ حل پاکستان کی سلامتی اور استحکام وبقاء کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کشیدگی کو حل کرنے کے لیے کب۔۔۔؟؟؟ کون۔۔۔؟؟؟ کیسے۔۔۔؟؟؟ کہاں۔۔۔؟؟؟ کوئی سنجیدہ ہو گا۔۔۔؟؟؟

اے دنیا کے منصفو۔۔!!! سلامتی کے ضامنو
کشمیر کی جلتی وادی میں بہتے لہو کا شور سنو

14 اگست 1947 اور 6 ستمبر 1965 ملکی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اور دونوں ایسے واقعات ہیں کہ جن کو کسی بھی صورت فراموش نہیں کیا جا سکتا جن واقعات نے پوری مملکتِ خداداد پاکستان کو ایک پلیٹ فارم پر اکھٹا کر دیا، جس عوام میں نہ کوئی تفرقہ دیکھنے کو ملا اور نہ ہی کوئی رنجش، جن کی نہ تو کوئی سیاسی پارٹی تھی اور نہ ہی کوئی مذہبی۔۔۔ صرف ایک پارٹی دیکھی گئی جس کا کام دفاعِ پاکستان تھا، جس کا نام پاکستانی عوام تھا، جس کا مذہب و مسلک اسلام تھا، جس کی لگن و جستجو سلامتی تھی، جس کی امنگ آزادی کی پرسکون لہر تھی، جس کا جذبہ افواجِ پاکستان تھی۔

نقش توحید کا ہر دل میں بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

یہ وہ قوم تھی کہ باوجود بے سروسامانی کے ان کے حوصلے بلند تھے، ٹوٹی ہوئی جانیں تھی مگر صفیں مضبوط تھی، ہتھیاروں کی کمی تھی مگر جذبہ ایمانی تھا، اپنے لیڈر کی ایک آواز پر لبیک کرنے والی اس عوام نے دورِ پرفتن میں یہ لوگوں پر عیاں کر دیا کہ ملک کی بقاء کے لیے جانوں کے نظرانے دینے پڑے تو دریغ نہیں کریں گئے، ملک کی افواج کو خون کی ضرورت درپیش ہوئی تو پیچھے نہیں دیکھیں گئے۔ ان کے جذبے جوان ہو چکے تھے، ضمیر جاگ چکا تھا، اقوام عالم مسلمانوں کے اس ایثار و جذبے کو دیکھ کر حیران تھے، ہر طرف، ہر کوئی، ہر

نفس پاکستان کی بقاء میں مگن تھا، جس سے جو ہو پا رہا تھا وہ کر رہا تھا، الغرض پورے ملک میں ایک ہی لہر چھا گئی تھی، سب دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے، ایک مٹھی میں بند یہ ہی نوعِ انسانی کا قافلہ اپنے راستے میں آنے والے ہر طوفان سے نمٹنے کے لیے چاک و چوبند تیار کھڑا تھا۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

آج پھر پاکستان کے اندرونی و بیرونی مسائل کے پیشِ نظر پھر اسی اتحاد کی ضرورت ہے جس میں صرف پاکستان کی بقاء کے لیے عمل درآمد کیا جائے، ہمارے حکمران تو بڑی آسانی سے سٹیج پر آکر سہانے خوابوں کے سہارے دے دیتے ہیں مگر اپنی دولت و توجہات کو بیرونِ ملک کے لیے وقف کر رکھتے ہیں۔ 69 سال گزر گئے کوئی مخلص لیڈر ہم کو نہ مل سکا، جو ملا اس کو ہماری سیاسی جماعتوں نے ہم سے جدا کر دیا۔۔۔

خدا کرے کہ مری ارضِ پاک پر اترے وہ فصلِ گل جسے

اندیشہء زوال نہ ہو

آج ہم کو نئے نئے فتنوں میں ڈال کر ہمیں بیڑیاں لگائی جا رہی ہیں، ہماری ترقی کی راہوں میں رکاوٹیں ڈالی جا رہی ہیں، ہماری سوچوں کو مقدوم کیا جا رہا ہے، ہمارے ہاتھ، پاؤں مسائل کی نظر کر کے باندھے جا رہے ہیں کیونکہ جان چکی ہے یہ دنیا کہ پاکستان ہی وہ واحد ملک ہے جو کچھ بھی کر گزرنے کی ہمت رکھتا ہے، جس کی عوام صلاحیتوں سے اس قدر بھرپور ہے کہ وہ کسی بھی مسئلے کا حل نکال سکتے ہیں، وہ کسی بھی قسم کے خطرات کا مقابلہ کر سکتے ہیں، اسی لیے ہمیں کبھی دہشت گردی میں الجھایا جاتا ہے تو کبھی دین کے تفرقوں میں، کبھی آبی جارحیت کی جاتی ہے تو کبھی نہتی عوام پر گولہ باری، کبھی ہم پر میزائل پھینکے جاتے ہیں تو کبھی ہمارے قیدیوں پر بھوکے کتے چھوڑے جاتے ہیں، کبھی ہم کو فلموں ڈراموں میں مشغول رکھا جاتا ہے تو کبھی گستاخانہ خاکوں کی تشہیر سے ہمارے دینی جذبات کو مجروح کیا جاتا ہے۔ الغرض ہم کو فتنوں میں ڈالے رکھنے کا عزم ہمارے دشمنان کا ہے ایسے ہی لوگوں کے عزائم کی طرف شاعرِ مشرق علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے ہماری توجہ دلانے کی کوشش کی تھی کہ: وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا

روحِ محمدی ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

آج ہماری مرکز سے دوری ہماری تباہی کا سبب بنی ہوئی ہے، آج ہمارے پاس سب کچھ ہونے کے باوجود بھی کچھ نہیں بچا، آج ہم زمانے میں رسوا ہو رہے ہیں، آج ہم سے ہمدردی کرنے والا کوئی نہیں ہے، کوئی ہماری بات پر دھیان دینے والا نہیں ہے، آج ہم ہر در پر جا کر بھیگ مانگ لیتے ہیں مگر مرکز سے رشتہ نہیں جوڑتے، آج سر سجدے میں رکھنے کو ہم دشوار سمجھ بیٹھے ہیں اور اغیار کے طور طریقے کو اپنی منزل سمجھ بیٹھے ہیں، آج ہمارے ساتھ چلنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا، آج ہمارے ملک میں کاروبار کرنے کے لیے کوئی رضا مند نہیں ہوتا، آج دنیا ہم پر ہنس رہی ہے ہم کو استعمال کر رہی ہے، جس کا جدھر سے دل کرتا ہے گھس آتا ہے، جس

کی جتنی ہمت لگتی ہے ہمیں تباہ کرنے میں لگا ہے۔ یہ سب ہماری مرکز سے دوری کا نتیجہ ہے، آج ہم نے اپنے دین کو چھوڑ دیا ہے، دین کو مسجد وملا تک محدود جب سے ہم نے کیا تو نہ ہم گھر کے رہے نہ باہر کے علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ ہماری اسی کیفیت کو کچھ یوں بیان کر گئے:

فکرِ عرب کو دے کر فرنگی تخیلات اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین لو آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو

میں پورے دعویٰ کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ جس دن اس پاکستانی عوام کو ایک مخلص لیڈر مل جائے گا اس دن پاکستان ترقی کی راہوں پر کامزن ہو گا، دنیا اس کی محتاج ہو گی، آج ہم لوگوں کے دروازوں پر جا کر قرض اور نوکری کی درخواست کرتے ہیں، ایک دن ایسا آئے گا اقوام عالم ہمارے دروازوں پر دستک دے رہے ہونگے، ہم وہ ہونگے کہ جن کی درسگاہیں آباد ہوں گئے، جن کے حوصلے اور جذبے پھر سے جوان ہوں گئے، ہم وہ ہوں گئے کہ ہماری ہر بات کو تسلیم کیا جائے گا، ہم وہ ہونگے کہ ہماری سوچ اقوام عالم کے لیے ہو نگی، ہم وہ ہونگے کہ کوئی بھی اسلامی ممالک کی طرف بری نظر سے نہیں دیکھ پائے گا، ہم وہ ہونگے کہ ہمارا سکہ زمانے میں چلتا ہو گا، ہم وہ ہونگے کہ ہم پر بھارت اگرچہ کہ کتنی ہی آبی جارحیت کرے گا مگر ہمارے ڈیم اس کی آبی جارحیت کا منہ توڑ جواب دیں گئے، ہم وہ ہونگے کہ ہمارے ملک میں ہر کوئی اپنے آپ کو محفوظ جانے گا اور کھل کر کاروبار کو فروغ دے گا، ہم وہ ہونگے کہ چٹانوں کو اپنے پاؤں کی جنبش سے ریزہ ریزہ کر دیں گئے۔

ناداں تھے ہم جو کھو دیا سب کچھ ہم نے وہ دشت، وہ در دوہ سنگم بھری محفلیں

چھوڑے جو قانون و اصول و ضوابط ہم نے سبھی آئے ناداں سمجھ کر پڑھانے ہمیں

سیکھ لیا ہے ہنر پلٹنے و جھپٹنے کا اب ہم نے اب جو پلٹیں گئے تو زمانے دیکھیں گئے ہمیں

گرے آشیانوں کے تنکوں کو اکھٹا کر لیا ہم نے J.D اب ہواؤں سے کہنا سنبھل جا، نہ چھیڑنا ہمیں

☆ ☆ ☆

ختم شد

جبر کے سائے سے نسلوں کو بچاؤ تو سہی
ظلم مٹ جائے گا، آواز اٹھاؤ تو سہی
پھول ہی پھول ملیں گے یہ مرا وعدہ ہے
کانٹے راہ سے اوروں کے ہٹاؤ تو سہی
کوچہ جاناں نہ سہی حلقہ زنداں ہی سہی
جشن گل اہل وطن آج مناؤ تو سہی
(سردار ظفر اقبال سعودی عرب نیو کیمپ)

خوشبوؤں کا راہی

زویا ممتاز

سیاہ اندھیری رات میں، تیز برستی بارش میں، دیوانہ وار بھاگتے ہوئے اسے اپنے سے چند قدم دوری محسوس ہوئی تھی..

یہ سیاہی، بجلی کی کڑکڑاہٹ اس پہ درختوں کی سائیں سائیں.... اسے لیکن ان سے نہی اپنے سے چند قدم دو "محشر" کا خوف تھا

بھاگتے بھاگتے وہ مین روڈ پہ آ گیا تھا.. سٹریٹ لائٹس کی روشنی میں اس کا سایہ درختوں کے سائے میں سے ملتا اور پھر ان سے آگے نکلتا جا رہا تھا.... دفعتاً اس کے بھاگتے قدم رکے تھے.. سیدھے کھڑے ہونے کی بجائے وہ رکوع کی حالت میں ساکت ہوا تھا اس کی نظریں سامنے کی طرف تھیں.

☆ ☆ ☆

کمرہ اوندھا ہوا پڑا تھا، بیڈ شیٹ آدھی اوپر آدھی قالین پہ تھی.. سامنے ہی قالین کے اوپر ایش ٹرے کی ساری راکھ گری تھی ادھ بجھے سگریٹ، لڑھکتے ہوئے اوندھے سیدھے پڑے چند گلاس،

ان سے تھوڑے فاصلے پہ پڑی بوتل کا ڈھکن کچھ کھلا رہ گیا تھا جس میں پتلی لکیر کی صورت نکلتا مائع قالین پہ نقش و نگار بنا رہا تھا.

صرف تاش تھے جو ایک جگہ پڑے ہونے کی بجائے سارے کمرے میں بکھرے تھے.. ہارون کی جس وقت آنکھ کھلی وہ تینوں اب تک سو رہے تھے. لڑکھڑاتے قدموں سے اس نے اٹھنے کی کوشش کی...

☆ ☆ ☆

الماری کے قریب پہنچ کر اس نے رک کے ایک بار پھر مڑ کے دیکھا.

کمرے میں کوئی نہیں تھا.

احتیاط سے الماری کا لاک کھول کے اس نے اندر سے باکس نکالا.

یہ ایک سرخ مخملی باکس تھا.

باکس کھول کے چند سیکنڈ وہ ساکت ہوا تھا، اس کی پہلی نظر ان دو چوڑیوں پہ پڑی تھی جو وہ کئی بار اپنی ماں کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا.

کانپتے ہاتھوں سے اس نے وہ دو چوڑیاں اٹھائی، اس کی ماں نے پتہ نہی کن مشکلوں سے کمیٹیاں ڈال ڈال کے یہ زیور بنوایا تھا..

اس نے وہ چوڑیاں واپس رکھ دیں،

چند لمحے وہ وہیں ٹھہر گیا، گہری سانس لیتے ہوئے اس نے وہ باکس واپس رکھ دیا، کمرے کے دروازے تک پہنچ کے اس کے ذہن میں کل کا واقعہ کلک ہوا...

فہد کا استہزاء اڑاتا انداز، یہ.... یہ بچہ ہے، گھر سے زیور چرانا اس کے بس کا روگ نہیں ہے بھائی، وہ تمسخر سے کہہ رہا تھا یہ ممی پاپا کی باتوں پہ ناک کی سیدھ میں چلنے والا پیس ہے،

فہد نے پاس کھڑے ہاشم کے ہاتھ پہ ہاتھ مار کے لطف لیا...

ہارون کا چہرہ سرخ ہوا،

ہوں کیا کہتے ہو؟؟ اسد نے پر سوچ انداز میں ہارون کی طرف دیکھا

میں کرلوں گا، ہارون نے اٹل لہجے میں کہا تھا...

فہد اور ہاشم کا ہاتھ پہ ہاتھ مارنا.... وہ ایک جھٹکے سے مڑا تھا الماری سے باکس اور باکس سے دو چوڑیاں نکالتے ہوئے اس نے اپنی ماں کا سراپا نظر انداز کیا تھا..

☆ ☆ ☆

اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ ہارون کا کنڈی کھولتا ہاتھ وہیں رکا تھا،

سامنے ہی ابا ٹھہرے تھے. کام سے جا رہا ہوں آ جاؤں گا کچھ دیر میں..

وہ جواب نہیں دینا چاہتا تھا لیکن خود پہ جبر کر کے اس نے جواب دیا.

اس وقت کون سا کام ہے انہوں نے رات کے ساڑھے بارہ بجاتی گھڑی کی طرف دیکھ کے پوچھا تھا

کہہ تو رہا ہوں ایک کام پڑ گیا ہے آ جاؤں گا کچھ دیر میں، پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں آپ تو... بے حد بدتمیزی سے اس نے بلند آواز میں جواب دیا تھا..

اندر جا کے سو جاؤ کام صبح کر لینا، اس کی بدتمیزی اور لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے نرم لہجے میں ہی کہا تھا..

آپ کو سونا ہے آپ سوئیں مجھے باہر جانا ہے اور میں جا رہا ہوں، آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اپنے کام سے کام رکھیں آ جاتے ہیں تفتیش کرنے.. انتہائی گستاخ لہجے میں کہہ کے وہ پھاٹک اتنی زور سے بند کر گیا تھا کہ اس کی آواز سے سامنے کھڑے ابا چیخ گئے تھے.

☆ ☆ ☆

وہ آنلائن تھی... ہارون کے لبوں سے سیٹی نکلی پچھلے چند گھنٹوں سے وہ آف لائن تھی.. ہارون کے ملنے کے اصرار پہ وہ اس سے ناراض ہو کے اب کئی گھنٹوں سے آفلائن تھی.. ہارون کی بے چینی عیاں تھی.. کئی ماہ کی مسلسل محنت

سے تو وہ اس سے فری ہوئی تھی اور اب کئی وعدوں قسموں کے بعد وہ اس کے دام میں آئی تھی.. بس کچھ بھی ہو اسے ملنے کے لئے راضی کرنا تھا ایک بار وہ اس سے ملنے پہ تیار ہو جاتی پھر اسے اسد کے حوالے کرنا تھا، وہ جانتا تھا اس طرح چڑیا پھانس کے اسد کے حوالے کرنے کا کتنا فائدہ تھا، فہد اور ہاشم اس کے بعد کبھی اسے دیکھ کے اس کا مذاق نہی اڑا سکیں گے..

اس کا میسج آ گیا تھا، ریپلائی کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پہ مشہور گانے کے بول تھے وہ جھوم رہا تھا..

☆ ☆ ☆

بڑے دل سے تیار ہو کے وہ اس ہوٹل آیا تھا، وہ صرف چند گھڑیوں کے لئے مانی تھی، لیکن وہ ایک بار آ جاتی بس آگے کا کام اس کا تھا،

اور اب ہوٹل کے ہال میں ریزرو ڈ ٹیبل پہ اس کا انتظار کرتے ہوئے اس نے چالیسویں بار داخلی راہ دیکھی، اکتالیسویں بار تکنے کی نوبت نہی آئی تھی وہ سامنے ہی تھی، سر سے لے کر پیروں تک خود کو ڈھانپے ہوئے... ہارون بظاہر مسکرا کے اٹھا تھا لیکن اس کا دل چاہ رہا تھا جس تمسخر سے فہد اور ہاشم اس پہ ہنستے رہے تھے آج وہ اس پہ ہنسے... ابھی کچھ دیر بعد جب وہ یہاں سے جائے گی تو خود کو چاہے لاکھ ڈھانپ لیتی مگر اس کا سارا سراپا عیاں ہی رہتا..

ہارون کے حد درجہ اصرار پہ بھی اس نے آئسکریم نہی کھائی تھی.. چند منٹ بیٹھ کے ہی وہ جانے کا کہنے لگی.. وہ بے حد کنفیوز تھی

ہارون پلیز تم نہیں سمجھ سکتے میں کس قدر مشکل سے آئی ہوں تم نے مجھے ایک نظر دیکھنا تھا اب دیکھ لیا ہے نہ تو مجھے جانے دو، اس نے کانپتی آواز میں کہا تھا.

او کے او کے ریلیکس یار. اتنا پریشان کیوں ہو رہی ہو، یقین کرو میرا مان رکھ لیا تم نے، میں اس وقت خود کو دنیا کا سب سے مالدار سمجھ رہا ہوں، تمہاری محبت ہی میرا سب کچھ ہے، تمہیں اندازہ بھی نہیں تم نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی مجھ پہ اعتبار کر کے...

ہارون نے لفظوں سے کھیلا تھا..

تھینک یو ہارون اس کی پلکیں نم ہوئیں تھی محبت کا مان بڑھ گیا تھا..

آؤ میں تمہیں چھوڑ دوں.. داخلی دروازے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے وہ رکا ایک منٹ.. ادھر سیڑھیوں کی طرف جاؤ جلدی.. ہارون نے کچھ گھبرا کے سرگوشی کی.

دو منٹ بعد وہ اس کے سامنے چہرے پہ بے تحاشا پریشانی لئے کھڑا تھا... کیا ہوا؟ اس کی آواز کسی کنوئیں سے نکلی تھی،

کچھ.... کچھ نہیں بس وہ تمہارا کزن ہے نہ حیدر، وہ اپنے کسی دوست کے ساتھ آیا ہوا ہے اب ہم پیچھے بھی نہیں جا سکتے لیکن مجھے لگتا ہے اس کے دوست کو یہاں سٹے کرنا ہے میں نے اس کے پاس سامان دیکھا ہے.. ہو سکتا ہے وہ اس طرف

آ جائیں. اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں تھی.. لیکن تم ڈرو نہیں یہ چابی میں اپنے دوست سے لے آیا ہوں وہ یہاں ریسیپشنسٹ ہے.. سامنے والا روم کھول کے اس نے اسے دیکھا تم یہاں بیٹھ جائو میں باہر ہوں جب وہ چلے جائیں گے میں بلالوں گا... ڈرو نہیں کچھ نہی ہو گا... مرے مرے قدموں سے اس نے کمرے کا دروازہ پار کیا تھا..

دروازے سے باہر کھڑے ہارون نے خود کو داد دی، اس نے اتنی اچھی ایکٹنگ کی کہ اسے متبادل راستے کا خیال ہی نہیں آیا... اسد کے آنے پہ ابھی ٹائم تھا.. چند منٹ باہر کھڑے رہنے کے بعد وہ روم میں آیا وہ جو سمٹ کے بیٹھی تھی اسے دیکھ کے کچھ اور سمٹ گئی تھی.

کچھ چاہیے تمہیں ؟ڈر تو نہی لگ رہا، اس نے نفی میں سر ہلایا.

چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ بند کیا تھا.. وہ سمٹی سی لڑکی ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی تھی.

مجھے جانا ہے، میں ایک سائیڈ سے گزر جائوں گی انہیں پتہ نہیں چلے گا..

دروازہ کھولو ہارون.. وہ اب دروازے کی ناب گھما رہی تھی..

اتنی بھی کیا جلدی ہے جاناں! چلی جانا... وہ گنگنا یا تھا..

ہارون پلیز... دروازہ کھولو.. گھٹی گھٹی آواز پہ ہارون نے موندی ہوئیں آنکھیں کھولیں.

اس کی آنکھوں سے آنسو ابل رہے تھے.. ہارون دروازہ کھولو.. وہ وحشت زدہ ہو رہی تھی.. بیٹھ جائو تمہیں ایسے تو بھیجنے کے لئے تو نہیں بلایا نہ ہی تم ایسے ہی آئی ہو بند کرو یہ رونے کا ڈرامہ..

ابھی تو میرے دوست آئیں گے کچھ دیر بس،

پھر تم چلی جانا،

ہم نے بھی عمر بھر تھوڑی رکھنا ہے تمہیں. وہ پتھر ہوئی تھی اس کے بدلے لہجے اور باتوں پہ... دوست... اس کا حلق خشک ہوا..

مجھے جانے دو تمہیں اللہ کا واسطہ ہارون وہ ایک دم دونوں ہاتھ اس کے آگے باندھے زار زار رونا شروع ہو گئی تھی.

میں زندہ در گور ہو جائوں گی، مجھے اتنی بڑی سزا نہ دو محبت کی... پانچ منٹ وہ ایسے ہی اسے واسطے دیتی رہی تھی رو رو کے چلا چلا کے... وہ سگریٹ کے کش لگا تا جیت کے نشے میں تھا

مجھے لگتا ہے تمہاری ماں نیک اور پارسا ہو گی تمہیں اپنی ماں کا واسطہ اس کی تربیت کی لاج رکھ لو...

دو منٹ چپ ہو کے وہ ایک دم گڑ گڑائی تھی.. ہارون کا کش لگا تا ہاتھ نیچے ہوا تھا..

تم آج مجھ پہ رحم کر لو... اللہ تم پہ محشر میں رحم کر لے گا اللہ کا وعدہ ہے... اللہ سے سودہ کر لو دونوں ہاتھ باندھے وہ اس سے رحم مانگ رہی تھی.

اسے اپنی ماں کی نمازیں یاد آئی..

اگلے چند منٹوں میں وہ اسے ٹیکسی روک کے اس میں بٹھا آیا تھا.

اسد ہاشم فہد کی باتوں کے جواب میں اس کے پاس گہری چپ تھی..

ابے میں نے کہا تھا نہ یہ اور لڑکی... بچوں کا کام نہی ہے باس...

فہد نے کہا تھا یا ہاشم نے اسے پرواہ نہیں تھی.

☆ ☆ ☆

اگلے دو دن گھر میں اپنے کمرے میں بند گزارنے کے بعد وہ آج اسد کی بار بار کالز پہ آیا تھا..

چھوٹے سے کمرے میں گول میز کے گرد بیٹھے، اس کا جی متلایا تھا.. اس نے اپنا دل میز کی وسط میں رکھی چیزوں میں لگانا چاہا..

اسد اور اس کے دوست تاش پہ بازی لگائے ہوئے تھے..

ہاشم ایک طرف بیٹھا بھری ہوئی سگریٹس پھونک رہا تھا اسے دیکھ کے ایک سگریٹ اس کی طرف بڑھائی..

اس کے دائیں طرف فہد موبائل پہ کچھ دیکھنے میں بری طرح مصروف تھا اس کے ایک ہاتھ میں گلاس جس میں برف کی چند کیوبز تیر رہی تھیں.. ہارون نے سگریٹ کا کش لگایا چند کش لگا کے اسے سکون محسوس ہوا اس نے آنکھیں بند کیں، ایک کش لگانا چاہا، اس کے کانوں میں دو دن سے گڈمڈ ہوتی آوازیں آئیں تھیں اللہ تم پہ رحم کرے گا.. محشر میں..

ہارون کو لگا تھا وقت محشر آ گیا ہے..

جلتی سگریٹ اس نے سامنے پھینکی ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کے وہ بھاگا تھا اپنی پوری قوت سے، ساری توانائی لگائے... گرجتے بادل برستی بارش اندھیرا سائیں سائیں کرتی تیز ہوا میں اسے لگا محشر بس چند قدم ہی کے فاصلے پہ ہے اس کے پیچھے دوڑتی... تیز بھاگتے وہ اب مین روڈ پہ آ گیا تھا.. بارش کے قطروں میں بھاگتے قدموں کی آواز مدغم ہو رہی تھی سڑک پہ پڑتا سایہ لمبا پڑتا جا رہا تھا

بھاگتے بھاگتے اس کے قدم رکے تھے.. وہ پور پور بھیگ چکا تھا سیدھا کھڑے ہونے کی بجائے حالت رکوع میں کھڑے اس نے گہرے سانس لئے..

رحم اللہ... اس نے سامنے کھڑی "مسجد" کی طرف آس سے دیکھا. محشر میں بس یہی بچا سکتی تھی،

گرتے پڑتے وہ مسجد کے دروازے کی طرف بڑھا تھا..

اسے لگا کسی مہربان نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا

☆ ☆ ☆

اپنا خیال رکھنا، کھانا وقت پہ کھا لینا امی دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ اوپر کئے ہدایات دے رہی تھیں.. اس کی نظر امی کے خالی ہاتھوں پہ پڑی پچھلے چند دنوں کی طرح اس وقت بھی اسے شدید ملال ہوا تھا.. اس نے سامنے اپنے بہن بھائیوں کو دیکھا وہ سب ہی اس کے جانے پہ افسردہ تھے..

پچھلے چند دنوں میں سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا.. ہارون ایک دم بدل گیا تھا ابا کو اندازہ تھا کہ اسے کوئی چوٹ لگی لیکن وہ اس بات پہ خوش تھے کہ وہ چوٹ اس کے لئے مرہم ثابت ہوئی تھی ناسور نہیں. یہ ابا کی ہی ہدایات تھیں جن پہ باقی افراد نے

بھی خوش دلی سے اس کے بدلے روپے کو قبول کیا کوئی طعنہ نہیں دیا تھا

اور اب ملک کے معروف مدرسہ میں جہاں دینی تعلیم کے ساتھ اعلیٰ دنیوی تعلیم کا بھی احسن انتظام تھا انہیں یقین تھا اگلی بار ملنے پہ ایک بدلا ہوا ہارون ہو گا اور ان کا یہ یقین بے جا نہیں تھا...

اسے بھیجنے میں حافظ یسین صاحب کی صحبت تھی۔ اس دن مسجد میں وہاں تلاوت کرتے صاحب نے جیسے اس کی نفسیات جانچ لی تھی.. اگلے آنے والے دنوں مین انہوں نے اس کے تمام اشکال دور کر کے اس کی راہ درست کر دی تھی،

.سچ کہتے ہیں نیک لوگوں کی صحبت سے ہی نیکی کی توفیق ملتی ہے گھر سے نکلتے ہارون نے سوچا تھا اس نے جاتے سمے شعوری کوشش سے برے لوگوں کی صحبت کا نہ سوچا تھا ان کی یاد بھی بہت تکلیف دہ تھی. کانٹے دار پر خار.. جبکہ وہ تو اب خوشبوؤں کا راہی تھا..

☆ ☆ ☆ختم شد☆ ☆

افسانچہ (گناہ اور سچ)

ایک دفعہ ایک عالم سے کسی شخص نے پوچھا جناب میں بھی اللہ کے فضل سے مسلمان ہوں آپ کے پاس ایک سوال لے کر آیا ہوں جو عرصے سے مجھے پریشان کر رہا تھا, آجکل کے دور میں گناہوں کی اتنی اقسام ہیں کے ہر گناہ دوسرے سے بڑا لگتا ہے, ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کسطرح ہر گناہ کی درجہ بندی کر کے انصاف کے تقاضے پورے کرتا ہے ; وہ بزرگ کچھ دیر اس شخص کو دیکھتے رہے پھر بولے, میں تمیں قرآن کی آیت بتاتا ہوں گھر جا کر اسے پڑھنا, پھر کل آ کر مجھے بتانا کے تمہیں جواب ملا یا نہیں. بزرگ نے اسے آیت بتائی, اور وہ شخص چلا گیا. اگلے دن وہ شخص آیا اور کہنے لگا, جناب میں مطمئن کیونکر ہوتا میں نے تو آپکی بتائی گی آیت کے علاوہ پوری سورت کا مطالہ کیا مگر اس حوالے مجھے کوئی رہنمائی نہ مل سکی. بزرگ بولے ایسی بات ہے تو سنو "اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے مزاق کرتے ہیں, اللہ بھی ان سے مزاق کرتا ہے اور انہیں انکی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھاتا ہے". دراصل تمہارے اندر کے شیطان نے تمہیں قرآن پڑھنے تو کیا کھولنے بھی نہ دیا اگر کل تم یہ آیت پڑھ لیتے تو آج میرے پاس نہ آتے, یہ کہہ کر بزرگ اپنی جھونپڑی کے اندر چلے گئے.

ختم شُد

مر گئی جینا

نایاب ملک

گاؤں کے اس پار ایک پرانے بوہڑ کے درخت کے پاس ایک کچے مکان میں وہ اکیلی اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی تھی۔ بچپن سے ہی شرارتی اور نٹ کھٹ تھی۔ ماں باپ اسے جینا کے نام سے پکارتے تھے۔ سہیلیوں میں بھی اس کا اپنا مقام تھا۔ اگرچہ اس نے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی مگر کس سے کس لہجے میں بات کرنی ہے، اس کا فن اسے بخوبی تھا۔ اگر وہ دوستوں کی دوست تھی تو دشمنوں کی دشمن۔ ماں باپ اسے اکثر سمجھانے کے ایسے پنگے نہ لیتی پھرے مگر وہ نہ مانی۔ لڑکی ذات تھی۔ اسی لئے ماں باپ کے لئے پریشانی کا باعث تھی۔ جینا کا باپ قریب کے شہر میں ایک بڑے آدمی کے گھر ملازم تھا۔ اس کی ماں بھی انہی کے گھر ملازمہ تھی۔ بچپن سے ہی جینا کا وہاں آنا جانا تھا۔ بڑے صاحب کا ایک بیٹا تھا جس کا نام صلاح الدین تھا۔ دیکھنے میں اس سے کہیں زیادہ حسین اور گورا چٹا۔ بھلا کچے مکانوں میں رہنے والے بھی حسین ہوا کرتے ہیں۔ وہ اکثر جینا کو کالو کہہ کر پکارتا۔ پہلے پہل تو نادان کچھ سمجھ نہ سکی مگر جب سکھیوں میں جا کر اس کی باتیں بتاتی تو دل ہی دل میں ایک زچ بیٹھ گئی۔

"ارے پاگل اوہ تیرے رنگ کا مذاق اڑاتا ہے" سکھیوں کے کہنے پر مزید دکھی ہو جاتی اور یوں اس نے اپنی سکھیوں کے سامنے تذکرہ کرنا بھی کر دیا۔ وقت بدلتا چلا گیا۔ عمر بڑھتی گئی اور جینا کا قد بھی بڑھ گیا۔ ماں کے گزر جانے کے بعد بڑے صاحب کو نئی ملازمہ کی ضرورت پڑی تو باپ نے جینا کو وہاں کام کرنے پر لگا دیا۔ وہ بخوشی تیار ہو گئی۔ آخر اتنے بڑے گھر میں چلنے پھرنے کو تو ملتا۔ صبح سے شام تک کبھی کچن میں تو کبھی ڈرائنگ روم کی صفائی کرتے ہوئے دیکھی جاتی۔ وقت کے بیتنے سے اس کی چال ڈھال میں بھی تبدیلی آ گئی۔ لمبی سی چٹیا کمر پر لٹکائے بنا دوپٹے کے یہاں وہاں پھرتی رہتی۔ رنگ اگرچہ سانولے تھے مگر نین نقش قابل ستائش تھے۔ دیکھنے والا دوبارہ دیکھنے پر مجبور ضرور ہوتا۔ دوسری طرف صلاح الدین بھی جوانی کی دہلیز عبور کرنے لگا تھا۔ بچپن سے ہی جینا کو کالو کہہ کر پکارنے کی وجہ سے جینا اس سے کھچی کھچی رہتی تھی۔ اس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ کرتی تھی۔ اور اس کو بھی شوق نہیں تھا اس کو بلانے کا۔ بھلا ایک خوبرو جوان

اس کو بلا کر اپنی توہین تو نہیں کروا سکتا۔ بد تمیزی کے ساتھ اسے پکارتا اور اپنا کام کرواتا۔ وہ بھی خاموشی کے ساتھ اس کا کام رفو چکر ہو جاتی۔

"یار تیری نوکرانی تو تجھے گھاس بھی نہیں ڈالتی۔ ورنہ اکثر نوکرانیاں تو اپنے مالکوں پر فریفتہ ہو جاتی ہیں" ایک دن جب صلاح الدین کے سارے دوست اکٹھے ہوئے تو ان میں سے ایک نے کہا تھا

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے کالو کو اپنے سر تھوپنے کا" سپاٹ لہجے میں جواب دیا

"لیکن یار کالو تو ہے مگر چیز بڑی مست ہے" دوسرے نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کچن کی طرف دیکھا جہاں جینا سب سے بے خبر ان کے لئے جوس بنا رہی تھی

"میرے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔۔ سمجھے تم" طنزیہ انداز میں گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔ ابھی اس نے یہ کہا ہی تھا کہ جینا جوس کو سرو کرنے آئی اور ٹیبل پر ٹرے رکھنے کے بعد واپس پلٹی

"ارے یہاں تو بیٹھو۔۔۔۔" ایک دوست نے کہا

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے، ہنہ" سخت لہجے میں کہا اور واپس پلٹ گئی

"تیری نوکرانی تو بڑی ہی زبان کی کڑوی ہے" ایک نے کہا

"اسی لئے کہا تھا نہ لگا اس کو منہ۔۔۔۔" صلاح الدین نے کہا

"کڑیلا چاہے کتنا ہی کڑوا ہو، ہوتا بڑا ہی ٹیسٹی ہے۔" ان میں سے ایک کی نیت میں فتور آ گیا

"تو کھالے اس کریلے کو جا کر" صلاح الدین اس کی باتوں کا مطلب سمجھ چکا تھا

"میں تو کھا ہی لوں گا، مگر اس سے پہلے ایک شرط لگ جائے" اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا

"کیسی شرط؟" صلاح الدین نے پوچھا

"یہ لڑکی تجھ پر فریفتہ ہو جائے گی، اگر تو اس کو گھاس ڈالے تو"

"ایسا خوابوں میں بھی نہیں ہو سکتا" اس نے نفی میں گردن ہلادی

"ایسا ہی ہو گا۔۔"

"اگر نہ ہوا تو؟؟؟؟؟؟؟"

"اگر وہ لڑکی تجھ پر فریفتہ ہو گئی تو ایک رات میں بتاؤں گا اس کے ساتھ اور اگر بقول تیرے وہ تجھ سے سو میل کے فاصلے پر ہی رہتی ہے، تو جو تو چاہے وہی ہو گا"

"ٹھیک ہے" صلاح الدین نے جھٹ شرط مان لی

اس دن کے بعد صلاح الدین کا انداز بدل گیا۔ وہ بہانے بہانے سے جینا کے قریب آنے لگا۔ کبھی جان بوجھ کر اس کے ساتھ ٹکراتا تو کبھی اپنے ہاتھوں کو اس کے ساتھ مس کرتا۔ شروع میں تو جینا کو غصہ آتا مگر آہستہ آہستہ وہ پگھلنے لگی۔ آخر ایک لڑکی کو صرف مرد کی توجہ ہی تو چاہیے ہوتی ہے، ایک عورت ہر چیز کا مقابلہ کر سکتی ہے مگر توجہ کا نہیں،

محبت کا نہیں۔ صلاح الدین کی توجہ اور بناوٹی محبت بھی اس کے دل میں اترنے لگی۔ اس کا انداز بدلنے لگا۔ ہر وقت جلی کٹی سنانے والی اس سے محبت کے ڈورا لجھانے لگی

"میرا ہاتھ چھوڑو" اس نے آنکھیں جھکاتے ہوئے کہا تھا

"ہاتھ چھوٹ جائے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے" آنکھوں میں رومانوی انداز غالب تھا

"اور اگر پکڑے جائیں تو اس سے زیادہ۔۔" جھٹکے سے اپنے ہاتھ چھڑا کر وہ وہاں سے بھاگ گئی، نہ جانے کیوں اس بار اس کی یہ ادا اس کے دل میں اتر گئی، وہ سچ میں اس سے دل لگی کرنے لگا۔ خاموشی سے اس کے پاس آیا اور پھر وہی اپنا دل چھوڑ گیا مگر شرط تو آخر شرط تھی۔ طے شدہ دن کو وہ جینا کو ایک بیوٹی پارلر کے کر گیا۔ جینا اس ند کافی خوش تھی۔ دن بھر سیر سپاٹے کرنے کے بعد وہ اسے ایک سنسان سڑک پر لے گیا۔ اور اچانک بریک لگا دی

"یہ تم نے بریک کیوں لگائی؟" جینا نے پوچھا

"لگتا ہے کار خراب ہو گئی۔ تم رکو میں دیکھتا ہوں۔۔" یہ کہہ کر وہ اترا۔ جینا اندر بیٹھے انتظار کرتی رہی۔ وقت گزرتا گیا مگر وہ نہ آیا۔ پھر اچانک صلاح الدین کا ایک دوست ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ اس کو دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے

"تم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ چیخی تھی

"ہاں میں۔۔" جینا اٹھنے لگی تو اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا

"جاتی کہاں ہے؟ ابھی تو ساری رات پڑی ہے۔" اس کی باتوں سے گھن آرہی تھی۔ آنسو بہاتے ہوئے اس نے منت سماجت کی مگر وہ نہ رکا۔

"صلاح الدین۔۔۔۔۔۔۔۔۔" "" وہ چیخی چلاتی رہی مگر وہ نہ آیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کہیں غائب ہی ہو گیا۔

رات گزر گئی اور وہ اسی کار میں صلاح الدین کے انتظار میں رہی کہ کب وہ آئے گا اور اس کو اس جانور کے شکنجے سے آزاد کروائے گا۔ مگر وہ نہ آیا اور ساری رات وہ جانور اپنی حوس پوری کرتا رہا۔ کانوں میں ماں باپ کی آواز گونجتی رہی

"جینا! دھیاں ماں باپ دا غرور ہوندی اے۔۔۔ ساڈا غرور خاک نے نہ ملائیں" آج وہ غرور خاک میں مل گیا۔ صبح کی کرنوں کے طلوع ہونے پر اس نے اپنی جینز پہنی اور بعد ازاں شرٹ پہنتے ہوئے آخری بار اس کے جسم پر ہاتھ پھرا اور لبوں کی چاشنی کو اپنے حلق میں اتارتے ہوئے کار سے باہر نکلا۔ اپنی شرٹ کے بٹن بند کئے اور ایک سائیڈ میں چلا گیا۔ جبکہ وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں بے جان بت کی طرح پڑی رہی

"کہا تھا ناں کڑیلا چاہے کتنا ہی کڑوا ہو۔ مزہ ضرور آتا ہے۔ مجھے تو بہت آیا، کبھی تو بھی ٹرائے کر،" وہ کسی کو کہہ رہا تھا۔ کانوں میں آواز مدھم سے گونجی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش کی تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ صلاح الدین سے بات کر رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب آ گیا۔ اپنے آپ کو سمیٹ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی

"تم ٹھیک تو ہو ناں ؟؟؟؟"صلاح الدین جیسے ہی اس کے پاس آیا تو اس کے ماتھے پر سرخ نشانات کو دیکھ کر فکر مندی کے ساتھ پوچھا

"نہیں ہوں ٹھیک، سمجھے تم۔۔۔ میں کبھی معاف نہیں کروں گی تمہیں صلاح الدین۔۔ کبھی نہیں۔"وہ چیختے ہوئے پیچھے ہٹی

"جینا یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔"اس کے لہجے میں واقعی درد تھا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔

"مر گئی جینا۔۔۔ سمجھے تم۔۔۔ مر گئی جینا۔۔۔ مار دیا تم نے اس جینا کو"اس کے ہاتھوں کو بری طرح جھٹکتے ہوئے وہ کھڑی ہوئی اور ایک طرف کو چل دی۔ آنکھوں میں شرمندگی اور ندامت کا پردہ تھا تبھی سامنے سے آتے ہوئے تیز رفتار ٹرک کو نہ دیکھ سکی اور لفظوں کا مان رہ گیا۔ جینا اصل میں مر گئی

"جینا۔۔۔۔۔۔۔!!!"وہ بری طرح چلایا تھا مگر وہ اس کی آواز کو نہ سن کی۔ اس ایک واقعے نے اس کے ذہن میں ایسا نقش کیا کہ صلاح الدین پھر کبھی اپنے آپ سے نظریں نہ ملا سکا۔ خود کو ایک کمرے میں بند کر لیا۔ کانوں میں ایک ہی آواز گونجتی رہتی

"مر گئی جینا۔۔۔ سمجھے تم۔۔۔ مر گئی جینا۔۔۔ مار دیا تم نے اس جینا کو"وہ ایک ذہنی مریض بن گیا۔ اور گھٹ گھٹ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا

ختم شد

انتظار

دھوپ چھاؤں سا انداز لئے
ایک سلونی شام سی لڑکی
سپنے اپنے رہن کیے
خوشگمانی کا لبادہ اوڑھے
انتظار کا پیراہن لپیٹے ہوئے
تھی مجسم راہ یار مگر
وقت کا دریا بہتا گیا
اُمید کا جگنو بھی ماند پڑتا گیا
شاخوں پہ آ گیا سونا پن بھی
موسموں کی آنکھ مچولی
رُخ بدلتی گئی
مگر لوٹ کر نہ آ سکا
راہ بھولا ہے جو پردیسی
مہتاب آنکھوں کی خوشیاں لے کر
انتظار کا دامن تھما گیا تھا

تحفہ

کبریٰ نوید

اس کی شادی کو 3 سال ہو گے تھے آج... مگر وہ اس بار بھی پر امید تھی اسے اس ک میاں جی کی جانب سے کوئی خاطر خواہ تحفہ نہیں ملے گا... ہمیشہ کی طرح تازہ گلاب ایک ہزار روپے اور چند ڈایلاگ

بس.... وہ تاسف سے سوچ کہ رہ گئی....

☆ ☆ ☆

ریان سے اسکی شادی کو 3 سال ہوئے تھے صالح ریان کے ساتھ خوش تھی وہ مڈل کلاس فیملی کا ایک شریف لڑکا تھا... اپنی حیثیت کے مطابق صالح کو خوش بھی رکھتا... مسلہ اس وقت ہوا جب صالح کی دوستی ارم سے ہوئی جسکا شوہر ایک کامیاب بزنس مین تھا.. ارم کی زندگی کی بہاریں دیکھ کر اور ارم کے شوہر کی طرف سے دیے جانے والے قیمتی تحائف دیکھ کر جو وہ ہر اینیورسری پے ارم کو دیتا تھا... دیکھ کر صالح کی آنکھیں چندھیا جاتیں... بس تب سے اسے اپنے مجازی خدا کی جانب سے دیا جانے والا ہر تحفہ حقیر لگنے لگا..

☆ ☆ ☆

آج اسکی شادی کی سالگرہ تھی وہ کاموں سے فارغ ہو ک تیار ہوئی... ریان ک آنے مے ابھی کچھ وقت تھا اس نے سوچا ارم کو ہی دیکھ آے دو دن سے وہ نظر بھی نہیں آئی یہ سوچ ک وہ گلی دوسری گلی مے موجود ارم کے گھر چلی گئی **

"**

بکو اس بند کر ذلیل عورت زبان چلاتی ہے... زوردار تھپڑ ارم ک چہرے پر پڑا اور وہ زمین پے ڈھے گئی.. اور دروازے کی اوٹ سے چھپ کر یہ منظر دیکھتی صالح ک پیروں تلے زمین نکل گئی... شہزاد بھائی تو ہر لڑکی ک آئیڈیل ہوں گے. ارم کو کہے اسک اپنے الفاظ پے اسے افسوس ہوا.. اور ارم ک چہرے پے موجود اس وقت کی تلخ مسکراہٹ کا مطلب بھی وہ آج سمجھی تھی.. ارم فرش پر بیٹھی چپ چاپ رو رہی تھی.. صالح وہاں پے رکی نہیں..

☆ ☆ ☆

بھاڑ مے جائیں ایسے تحفے... عورت کو بہترین تحفہ عزت کہ علاوہ کچھ نہیں دیا جا سکتا.. اسکا ذہن پر سکوں تھا کیوں ک ریان اسکی دل و جان سے عزت کرتا تھا... وہ خوشی سے بھاگتے ہوئے کسی بچے کی طرح گھر جا رہی تھی کیوں ک آج اسے ریان کا دیا ہوا معمولی سا تحفہ بھی بہت پیار سے قبول کرنا تھا... کیوں ک بیش قیمت تحفہ تو وہ پہلے ہی پا چکی تھی.. ریان اور اسکی جانب سے دی جانے والی عزت کی شکل میں....

☆ ☆ ختم شد ☆ ☆

جنون سے اور عشق سے

عائشہ انصاری

ریل گاڑی خراماں خراماں اپنی منزل کی طرف گامزن ہے اور میں پاکستان کی وادیوں کو دیکھ دیکھ دلی سکون اور خوشی محسوس کر رہی ہوں_ ہم اگر آج ملک میں آزادی سے گھوم پھر سکتے ہیں تو یہ ملک کے محفظوں کی وجہ سے ،مجھے اپنے وطن کے جوانوں پر بے حد پیار آتا ہے اور دل کی تمام گہرایوں سے ان کے لئے خیر کی دعا نکلتی ہے_ اس کی فضا میں ایک عجیب سی خوشنما خالص مہک ،چار سو ہریالی آنکھوں کو خیر ان کر رہی ہے_ میں اس وقت بے حد سرشار ٹرین سے باہر دیکھنے میں مصروف تھی کہ ہوا سے اڑتا چپس کا پیکٹ میری کھڑکی سے ٹکرا کر پیچھے کہیں ڈیر لگے کوڑنے میں اپنی جگہ بنا کر گم ہو گیا_ میں ایک دم چونکی تو میرے چونکنے پر سامنے بیٹھا نو دس سال کا بچہ کھکھلا کر ہنس دیا_ بلاشبہ وہ خالی پیکٹ اس نے ہی پھینکا ہو گا،اس کے ساتھ بیٹھا سولہ سترہ سالہ نوجوان بھی مسکرا رہا تھا میرے ماتھے پر بل پڑ گئے ،مجھے انتہائی افسوس ہوا اسے ٹوکنے کی بجائے اس کو مزید شہ دے رہا تھا_ یہ کام پہلی بار نہیں بلکہ جب سے وہ تین افراد پچھلے سٹیشن سے ان کے سامنے آکر بیٹھے تھے تب سے یہ حرکتیں وقتاً فوقتاً ہو رہی تھی_ میں ابھی کچھ کہنے کا سوچ رہی تھی کہ حنا نے مجھے ٹوک دیا_

"مدیحہ جانے دو___ کوئی فائدہ نہیں ہو گا" میرے ہاتھ پر اس نے ہاتھ رکھ کر آہستگی سے کہا تھا_ ہم پنڈی سے لاہور جا رہے تھے_ وہ دونوں لڑکے اور ان کی امی (بیٹے کے ہی منہ سے سنا) کچھ نا کچھ کھاتے جا رہے تھے_ اور اب امی سو گئی چھوٹا لڑکا اپنے ہاتھ میں پکڑے جہاز سے کھیل لگا جب کہ بڑا لڑکا اپنا ٹچ والا موبائل فون پر ہمسائی ملک کے بیہودہ گانے سننے لگا آواز ہم تک بھی آ رہی تھی، گاہے بگاہے ہماری طرف دیکھ کر کچھ فقرے اچھال دیتا یہ بھی شرم نا لحاظ کہ ہم دونوں اس سے دو چار سال بڑی ہوں گی_ مجھے اس پہ شدید غصہ آ رہا تھا لیکن میں "چپ" تھی وجہ اس کو اور شہ مل جاتی کہ میں اریٹیٹ ہو رہی ہوں تو وہ اور تنگ کرتا الٹا مجھے سب کے سامنے ذلیل کرنے میں کوئی عار نہ سمجھتا (یہ میرا قیاس تھا)_ حنا موبائل پر اپنے منگتر سے بات کر رہی تھی اور میں اس کی حرکتوں پر مزید سلگتی کہ میری موبائل رنگ ٹون نے مجھے تو متوجہ کیا مگر سامنے بیٹھا لڑکا حیرت سے مجھے دیکھ کر موبائل فون کو دیکھا اور اس کی ہنسی چھوٹ گئی (جو شاید بے اختیار تھا) اس وقت وہ مجھے زہر لگا دل کیا اس کو اٹھا کر چلتی گاڑی سے باہر پھینک دوں ،(اڈیٹ) ہو سکتا ہے وہ میری پر سنلٹی کے حساب سے کوئی اور رنگ ٹون ایکسپٹ کر رہا ہو (جیسا کہ آج کل لڑکیوں کی ہوتی ہیں ،بھارتی گانا وغیرہ) میں نے یس کا بٹن پریس کیا تو" جنون سے اور عشق سے ملتی ہے آزادی___" رنگ ٹون کی آواز خاموش ہو گئی_ خالہ کا فون تھا میں حنا سے پروگرام ڈسکس کرنے لگی_

کچھ دیر بعد میں پاکستان کی سرسبز شاداب وادیوں کو دیکھنے میں مصروف تھی ___ کہ میرے پاؤں پر پانی کے چھینٹے پڑے میں نے چونک کر پاؤں اوپر کیے، امی بیگم بوتل کے پانی سے گلاس دھو رہی تھی _ (جب امی بیگم ایسے کام کریں گی تو بچے پیچھے کیوں رہیں) میں نے دل میں افسوس سے سوچا _

"میں نے منع بھی کیا تھا ٹرین سے نہیں جانا مگر تمہارے سر پر پاکستان کی وادیاں دیکھنے کا جنون تھا" حنا نے اپنا غصہ اس پر نکل دیا، اس نے بہت کہا ڈیئو پہ چلتے ہیں مگر ____ کہا نہ مجھے سرسبز وادیاں دیکھنی تھیں _ میں پھر سے اپنے من پسند مشغلہ میں مشغول ہو گئی کچھ دیر گزری کہ میرے کانوں نے وہ سنا جسے سن کر میرا بی پی ہائی ہو گیا ___ وہ خبیث، غدار کسی سے فون پر بات کر رہا تھا _

"نہیں یار ___ مجھے جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہے، مجھے اب اور نہیں رہنا اس دہشت گرد ملک میں ____ دیا ہی کیا ہے پاکستان نے، جب دیکھو آئے دن کوئی نا کوئی بری خبر سننے کو مل جاتی ہے کبھی بچوں کو اغوا، کبھی دھماکہ، اسکول، ہسپتال، روڈ تو چلو ٹھیک اب گھروں میں بھی موت کا ڈر لگا رہتا ___ مجھے اپنی زندگی بہت پیاری ہے، بس تم جلد میرے ویزے کا کچھ کرو، مجھے امریکا جانا ہے ____ آہ فل عیاشی کروں گا وہاں" اس کے الفاظ تھے کہ انگارے __ میری روح تک کو سلگا گئے _ وہ بلکل میرے سامنے تھا ہلکی آواز میں بات کرنے کے باوجود مجھے آواز آرہی تھی _ میں سوچ رہی تھی کہ

پاکستان کی نوجوان نسل (دشمن) ممالک بھاگ رہی ہے اور وطن کی بنیاد کھوکھلی ہوتی جا رہی ہے کسی اور سے کیا کہوں میرے اپنے خاندان کے اکثر نوجوان پردیس جا بسے ہیں اور باقی جانے کی کوشش میں _____ اس طرح اور بھی بہت سے گھرانوں کا یہ حال ہو گا _ کسی بھی ملک کی طاقت اور پائیدار و مظبوط بنیاد اس کی نوجوان نسل سے ہوتی ہے، دشمنان ملک پاکستان کی بنیادیں کھوکھلی کر رہے ہیں ان میں فحاشی اور بے حیائی پھیلا کر ان کے ذہنوں کو معذور اور مصروف کر رہے ہیں تا کہ یہ ترقی کی طرف نہ سوچ سکیں _ اپنا گھر اپنا ہی ہوتا ہے چاہے دو وقت کی روٹی ہی میسر ہو، کسی کے گھر جا کر پانی بھی پینا ہو تو ان کی مرضی درکار ہوتی ہے _ اپنے گھر میں ہم جب مرضی آزادی سے سوئے، جاگے، کھائے، پیئے _____

"اچھا ہے جائے یہ امریکا ____ اس جیسے غدار اور ملک پر تنقید کرنے والے اس قابل نہیں کہ وہ اس پاک وطن میں رہے، یہاں رہ کر بھی اس نے گانے سن کر جوانی برباد کرنی ہے __ باہر جائے گا تو پتہ چلے گا جب ان کے باتھ روم بھی دھونے پڑے گئے ___ ان جیسوں کو تب ہی قدر ہوتی ہے" وہ دل میں اسے کوس رہی تھی _ ایک خالی ریپر پھڑ پھڑاتا ہوا فضا میں گم ہو گیا _

"کیا تمھیں شرم نہیں آتی ____ اپنے گھر کو گندا کرتے ہو؟ __ ان کو جمع کر کے ایک شوپنگ بیگ میں ڈالتے جاؤں پھر ڈسٹ بن میں پھینک دینا، اب مت پھینکنا باہر بہت بری

بات ہے" مجھ سے اب رہا نا گیا بلا آخر غصہ دباتے ہوئے میں نے دانت پیس کر بول ہی دیا_

"ہی ہی ہی یہ تو میرا گھر نہیں ہے" بچہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنس دیا اور معصومیت سے بولا، میں سمجھ گئی اسے پاکستان کو گھر نا سمجھنے کی وجہ اس کی بے خبر سوئی امی ہے_ اس کا بھائی اسے دیکھ رہا تھا مگر چپ تھا_

"نہیں بیٹا___ پاکستان ہم سب کا گھر ہی ہے اور اس سے محبت کرنا، اس کو صاف رکھنا، اس کو برے وقت میں تنہا نہ چھوڑنا، اس کی خدمت کرنا، ہم پر فرض ہے___ اب دیکھو جہاں تم رہتے ہو اپنے اس گھر سے پیار کرتے ہو نا، اچھا لگتا ہے نا وہ گھر___ تو اسی طرح پاکستان ہم سب کا بہت بڑا گھر ہے اس سے بھی پیار کرنا ہو گا" وہ اسے نرمی سے سمجھا رہی تھی اسے سمجھ آئی یا نہیں مگر جوابا بے دہانی سے سر ہلا تا رہا تھا_ کچھ دیر بعد اس بچہ نے ریپر پھر باہر پھینکنے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میں نے فورا اس سے ریپر لے لیا اور اپنے ہینڈ بیگ کی جیب میں گسالیا_ بچہ حیرت سے دیکھنے لگا_ بچوں کو صرف بات بتا دینے سے سمجھ نہیں آجاتی ہم بڑوں کو عمل کر کہ دیکھانا ہو گا_

"کیا آپ ریپر اٹھانے والی ہو___؟" کب سے خاموش بیٹھا وہ بول ہی پڑا پھر قہقہا لگا کر ہنس دیا_ مجھے اس پہ بہت غصہ آیا مگر میں تحمل سے گویا ہوئی_

"ہاں___ تم یہ ہی سمجھ لو، مجھے ملک سے محبت جتانے اور بانٹنے میں شرم محسوس نہیں ہوتی، (تمہاری ناقص عقل میں باتیں کہاں آئے گی بھلا)_" آخر والا جملہ احتیاتا آہستگی سے بولا تھا، کچھ بعید نہیں اس جاہل سے_

"واہ بھئی واہ___ کیا جذبہ عشق ہے___ ہاہاہا" وہ طنزیہ بولا.

"مدیحہ کیا تمھیں نہیں لگ رہا تم بول کر اپنے الفاظ ضائع کرو گی__ دفع کرو اسے" حنا نے ٹھیک کہا تھا سو میں خاموشی سے اپنے ہینڈ بیگ سے چاکلیٹ نکال کر کھانے لگی_ میں نے دیکھا چھوٹا لڑکا ٹافی کھا کر خالی ریپر اپنی امی کہ ہینڈ بیگ میں ڈال رہا ہے، میں اور حنا ایک دوسرے کو دیکھ کر حیرت سے فتح سی مسکرا دیں_

چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے بڑے نقصان ہو جاتے ہیں (معمولی ریپر سمجھ کر زمین پر پھینک دینا اور پھر ان کا کوڑا کرکٹ کا ڈیر بن جانا، بڑا نقصان ہی ہوا نا) شائد اب وہ بچہ اگے یہ کام پھیلا کر اس کو لڑی بنانے میں میری مدد کرے_ ہم ملک کے لئے جو بھی اچھا کر سکتے ہوں چاہے وہ معمولی کام ہی کیوں نا ہو کر دینا چاہئے_ ٹرین کی وھسیل ہوئی تو وہ تینوں جلدی سے اپنا سامان اٹھانے لگے_ ان کا سٹیشن آگیا تھا_ میں نے کچھ سوچ کر اسے مخاطب کیا کیا پتہ اسے کچھ اچھا اثر پڑ جائے_

"سنو___! میری دعا ہے کہ تم اس ملک سے جلد از جلد امریکا چلے جاؤ___" میری بات پر وہ مسکرا کر "شکریہ" کہنے لگا_

"کیوں کہ تم جیسے غداروں کو اس ملک سے غائب ہو جانا چاہیے___ تم امریکا جاؤ اور وہاں رہو مگر میری ایک بات یاد رکھنا__ اپنے گھر سے چاہے لاکھ دور بھاگ نکلو لیکن

لوٹ کر تمہیں گھر ہی آنا ہو گا چاہے مر کر آو یا زندہ ____ تم کہتے ہو پاکستان نے تمہیں کیا دیا؟ میں تم سے پوچھتی ہوں کہ تم نے پاکستان کو کیا دیا ہے_ ؟؟؟ تم نے اتنے سال یہاں رہ کر احسان نہیں کیا بلکہ اس عظیم ملک نے تمہیں اتنے سال برداشت کیا ہے یہ تم پہ احسان ہے "میں نے دل میں آتی ہر بات کہہ دی اس کی امی مجھے کچھ کہنا چاہتی تھی (شاید برا بھلا) مگر میں نے ان کو موقع نا دیا_ وہ بڑبڑاتی اسے ساتھ لئے چلی گئی_ لیکن لڑکے کی شکل پر شرمندگی میں دیکھ چکی تھی_ حنا نے اس بار مجھے شاباش دی تھی_

ریل گاڑی پھر وسل دیتی ہوئی خراماں خراماں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی_ میں ٹرین سے باہر دیکھنے لگی جہاں سرسبز باغات تھے اور ہولے ہولے گنگنانے لگی_

"جنون سے اور عشق سے ملتی ہے آزادی ____

ایک غزل کسی اپنے کے نام...

سنا ہے پریشان رہتا ہے. اسے کہنا بے فکر ہم بھی نہیں.

سنا ہے وہ گم سم رہتا. اسے کہنا ہوش میں ہم بھی نہیں.

سنا ہے راتوں کو جاگا کرتا ہے اسے کہنا سوتے ہم بھی نہیں.

سنا ہے وہ چھپ چھپ کے روتا ہے. اسے کہنا ہنستے ہم بھی نہیں.

سنا ہے وہ مجھے یاد کرتا ہے اسے کہنا بھولے

عثمان انجم قبولہ شریف

کیوں اس خاموشی کو اپنے اندر

اتنا تم نے بسا لیا ہے

پت جھڑ جیسا ویران موسم

اپنی ذات پہ اوڑھا لیا ہے

دیکھو اس کے علاوہ بھی

بہت سے موسم آتے ہیں

زندگی کی نوید سناتے ہیں

چاہو تو تم ان میں سے کوئی

اپنی ذات کا حصہ کر لو

خزاں سے تم باہر نکلو

بہار سے اپنا دامن بھر لو

سب موسموں کو خود پہ چھانے دو

خوشی کی نوید سنانے دو

امرینہ مغل (وزیر آباد)

بدنصیب

پیا سحر

جلدی کرو مجھے جلدی پہنچنا ہے وہاں سارا انتظام مجھے کرنا ہے

"احمد نے کلائی پہ گھڑی باندھ کر ڈرائیور کو چلنے کے لئے کہا-

"بہتر سر" ڈرائیور یہ کہہ کر جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور گاڑی سٹارٹ کرلی- شہر کی چھوٹی بڑی سڑکوں سے گزرتے ہوئے احمد کھڑکی سے باہر بھاگتے ہوئے مناظر میں کھویا رہا اس کو جلد سے جلد شہر کے ایک مضافاتی علاقے میں پہنچنا تھا جہاں اس نے غریب خاندان کی لڑکیوں کی اجتماعی شادی کروانی تھی جہیز بھی وہ سب کو دے رہا تھا جہاں اسکے ہم عمر زندگی کی رنگینیوں میں کھوے تھے وہاں احمد اپنے کندھوں پہ ایک ایسے بھار کو اٹھا رہا تھا جس کو ٹھیک سے وہ ابھی اٹھانے کہ قابل بھی نہیں ہوا تھا اس کے پیش نظر تو ایک چہرہ تھا

☆ ☆ ☆

"میرا بابا کہتا ہے بیٹیاں بدنصیب ہوتی ہیں، تم ہی بتاؤ کیا میں بد نصیب ہوں؟ کیا میرے حصے میں خوشیاں نہیں، میرے ارمانوں کی کوئی منزل نہیں، میرے خواب کی کوئی تعبیر نہیں کیا میں بھی گاؤں کی غریب لڑکیوں کی طرح بابا کہ کندھوں کا بوجھ بن کر رہ جاؤں گی میرے بالوں میں بھی چاندی اتر آئے گی، بولو نا احمد تم تو باہر سے پڑھ کر ڈاکٹر بن کر آئے ہو تمہارے پاس تو اس مرض کا علاج ہو گا؟-

"کیا ہوا ماہی میں تم سے شادی کی بات کر رہا ہوں، تم کیا کہہ رہی ہو میری سمجھ میں نہیں آرہا"

احمد نے روتی بلکتی ماہی کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا "تم کس مرض کی بات کر رہی ہو؟-

اس کے سوال کرنے پہ ماہی نے اس کے ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹا کر ایک جگر پاش نگاہ ڈالی "غربت، غریبی جہیز، بابا کہتا ہے وہ لوگ بلکل صحیح تھے جو بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی دفن کر دیتے تھے کم سے کم وہ بیٹیوں کے پتھر کلیجے پر تو نہیں لئے پھرتے تھے" احمد کو اس وقت گاؤں کی وہ ان پڑھ ماہی کسی فلسفی سے کم نہیں لگ رہی تھی جسے وہ بچپن سے چاہتا آیا

تھا آج وہ دل میں یہ سوچ کر اس سے ملنے آیا تھا کہ وہ اس کے بابا سے اپنی اور اس کی شادی کی بات کرے گا لیکن ماہی کے حالات جان کر خاموش ہو رہا اس نے شام تک کے لئے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا شام کو وہ ابھی فریش ہو کر گھر سے باہر ہی نکلا تھا کہ مسجد میں ہوتے ہوئے اعلان کو سن کر اس کے قدم ٹھٹھک کر رک گئے گاؤں میں ایک ساتھ چار جنازے اٹھے تھے وہ جنازے احمد کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکال کر لے گئے ماہی کا بابا ریاض بہت ہی غریب اور چار بیٹیوں کا باپ تھا بیٹیاں اس کے دروازے پہ بیٹھی بوڑھی ہو رہی تھیں مگر جہیز کی لعنت کے بغیر کہیں رشتہ نا ہو پایا ریاض نے ایک دن اپنی بیٹیوں کو زہر دے دیا اور خود بھی خود کشی کر لی وہ دن اور آج کا دن احمد نے غریب لوگوں کی بیٹیوں کی شادی کروانی شروع کر دی تا کہ پھر کسی ماہی اور کسی ماہی کی بہنوں کو جہیز جیسی قبیح رسم کی بھینٹ نا چڑھنا پڑے کسی ریاض کو اپنی بیٹیوں کی زندگی کا خاتمہ اپنے ہاتھوں سے نا کرنا پڑے۔

☆ ☆ ختم شد ☆ ☆

روز خوشبو تری لاتے ہیں صبا کے جھونکے
اہلِ گلشن مری وحشت کو ہوا دیتے ہیں
تابش دہلوی

مقروض محبت (وسیم عباس)

یہ اکثر سوچتا تھا میں
کہ اس دنیا میں
میرا ہونا کتنا ضروری ہے
میرے ہونے، نا ہونے سے
کسی کو فرق پڑتا ہے.....؟
کسی کو یاد آتی ہے....؟
کوئی محسوس کرتا ہے
کہ ابھی جو تھا ہمارے ساتھ
نجانے کھو گیا کہاں
میری ساری یہ سوچیں
اچانک ہو گئیں منجمند
میرے سب ہی سوالوں کے
جواب مل گئے مجھ کو
ہاں اب میں نے یہ جانا ہے
میں تو مقروض محبت ہوں
میرے ساتھی، میرے راہی
محبتوں کے امیں ہیں سب
میرے دل کے مکیں ہیں سب
ادا کیسے کروں گا میں
چکاؤں گا بھلا کیسے
میں قرض یہ محبت کا
میں تو مقروض محبت ہوں...!!

اللہ اور بندے کا تعلق

شازیہ کریم

کتنا معصوم ہے ناں وہ.. کتنا پاک.. کتنا سچا.. کتنا خالص. اللہ پاک کا اور ہمارا رشتہ۔۔۔ ہمارے گمان سے بھی باہر ہم سے محبت کرنے والا.. ہم اسے فار گرانٹڈ کیوں لیتے ہیں... کیسے لے لیتے ہیں؟ ہم اتنے ظالم کیسے ہو جاتے ہیں.. بس ایک نفس کی خواہش نفس کے بے لگام گھوڑے کو منہ آور زور جذبوں کے ہاتھوں خود ہم اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں... اور ہم پلک جھپکتے میں اسے بھول جاتے ہیں.. وہ نہیں بھولتا.. وہ تکتا رہتا ہے.. نہ اسکی پلک کہ جھپکے... وہ اونگھ لیے بنا.. ایک لمحے کی بھی کوتاہی کیے بنا.. ہمیں وہ دیکھتا رہتا ہے.. متوجہ رہتا ہے.... اور ہم اس کے تکنے سے بے خبر.. اس سے بھی بے پرواہ رہتے ہیں لیکن وہ ایک لحظہ کو بھی ہم سے لاپروا نہیں ہوتا..

کہ... وہ نظر چھپ کے بھی ہمیں دیکھ رہی ہو جیسے....

ہم اپنے آپ میں اپنی میں اپنی انا میں گم رہتے ہیں اور ہم اپنے نفس میں اتنے مگن ہو جاتے ہیں.. کہ ہم کبھی عجیب عجیب طرح سے نفس پر ظلم کرتے ہیں... یہ کہنے کی بجائے اللہ تو پاک ہے.. میں ہی ظالم ہوں.. میں نے خود اپنے ساتھ زیادتی کی ظلم کیا بلکہ ہم بضد ہوئے جاتے ہیں.. نہیں.. اللہ میں نے تو سب ٹھیک کیا تھا مجھ سے ایسا کچھ بھی نہیں ہوا.. گویا ہم اڑ جاتے ہیں کہ ہم پاک ہیں اور نعوذ باللہ اسکی ادا میں ظلم.. اللہ نے ہم پر ظلم کیا اور اللہ تو پاک ہے اللہ پاک تو کسی کے ساتھ بھی ظلم نہیں کرتا..

اور جب بندے کے اندر سے اس کے ضمیر سے پکارا آتی ہے روشنی پھوٹتی ہے تو سب واضح ہو جاتا ہے کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح تو پھر رحم کی ادا کا انتظام کیا جاتا ہے.. کوئی ہمارے ہی نفس کا ظلم ہمیں اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے.. اور بے اختیار دل پکار اٹھتا ہے.. پاک ہے تُو.. کہاں ہے تُو..

پھر اسکی پاک ذات کی رحمت جوش میں آتی ہے صدا سن لی جاتی ہے اور پھر

بالآخر... اندھیروں کے اندر سے... روشنی پوٹتی ہے ایک نیا سفر شروع ہو جاتا ہے اللہ پاک ہے تُو... کہاں ہے تُو.. کی پکار سن لی جاتی ہے.. رجوع قبول ہوتا ہے...

میں نے بہت دیکھے مانگنے والے کوئی کچھ مانگتا ہے تو کوئی کچھ کوئی دنیا کی محبت تو کوئی اپنی لا حاصل خواہش تو کوئی اللہ اور اسکے کی محبت مانگتا ہے اللہ پاک خود فرماتا ہے اے بندے میں تجھے بن مانگے دنیا کی ہر چیز دونگا لیکن اپنی اور اپنے محبوب کی محبت صرف اور صرف مانگنے سے ہی دوں گا۔۔ سبحان اللہ ۔۔ اسلئے ہدایت اور اللہ کی محبت اور اسکے محبوب کی محبت ہر کسی کو نہیں مل جاتی جو جستجو کرتے ہیں طلب رکھتے ہیں انہیں ہی محبت ہدایت دی جاتی ہے

عجب ادائے محبت ہے پکارنے کا سامان بھی خود کیا.. دکھ کا الیکٹرک شوک لگا کوئی ہماری خواہش چھین کر یا کوئی پیارا ہم

سے لے کر ہماری توجہ ہماری پکار کی ہی منتظر رہتا ہے وہ ہمارا پیارا رب... ہماری پکار کا منتظر وہی ہمیں پکارنے کی توفیق بھی دیتا ہے...

ایک جگہ اللہ پاک فرماتا ہے

(ادعونی استجب لکم)

"تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار سنوں گا"

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا

"جو لوگ میری عبادت سے خود سر ہوتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں"

پھر پکار سن لی... "ایمان والوں" کو "اسی طرح" بچا لیا جاتا ہے.. جب وہ اندھیرے میں پکارتے ہیں... اندھیرا بظاہر مشکل ہے... مگر در حقیقت آسانی کا سامان.. ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے.. "ایمان والوں کے لیئے..."

والی ربک فارغب... والی ربک فارغب..!

مانگیے، پھر مانگیے، پھر مانگیئے

میں نے اکثر کو کہتے سنا ہماری دعا قبول نہیں ہوتی پلیز آپ دعا کیجیے گا نعوذ باللہ یہ کیسا ممکن وہ تو انہوں بھی دیتا جو اسے نہیں مانتے یا اس سے نہیں مانگتے پھر یہ کیسے ممکن جو اسے پکارے اس سے مانگے وہ خالی ہاتھ لوٹا دے۔۔ وہ تو نا مانگنے سے ناراض ہوتا ہے اسے تو مانگنے والے ہاتھ بہت پسند ہیں

انسان کس قدر عاجز ہے کہ ہر لمحہ اور صبح و شام جس چیز کا ضرورت مند ہے، اسے بھی وجود میں نہیں لا سکتا، نہ وہ چاول اور گیہوں کا ایک دانہ تک پیدا نہیں کر سکتا ہے، نہ اپنے لیے پانی کا کوئی قطرہ وجود میں لا سکتا ہے، نہ وہ ہوا اور آکسیجن کی تخلیق کر سکتا ہے، جس کے بغیر چند منٹ بھی اس کی زندگی باقی نہیں رہ سکتی! اور خدا کس قدر قادر اور عظیم ہے! جس نے اتنی بڑی کائنات ہمارے لیے بچھائی ہے اور ہر لمحہ لاکھوں پھل پھول ہیں جن کو وہ پیدا کرتا ہے، پھر وہ مہربان اور رحم دل بھی کس قدر ہے کہ اس نے سورج کا ایسا چراغ جلا رکھا ہے جس کی روشنی ہر آنگن میں پہنچتی ہے اور جس کے حکم سے گھٹائیں رحمت بہ اماں ہو کر ہر کھیت کی پیاس بجھاتی ہیں، یہ آنگن کسی مسلمان کا ہو یا کسی کافر کا اور یہ کھیت اللہ کے فرماں برادروں کے ہوں یا نافرمانوں کے!

جو خدا اس قدر قادر مطلق ہے، جس کے خزانہ قدرت میں نعمتوں کی کوئی کمی نہیں، پھر جو اتنا سخی اور داتا ہے کہ دنیا میں اچھے برُے کا فرق کیے بغیر سب کو دیتا ہے، خوب دیتا ہے او ر دامن بھر بھر دیتا ہے، اس سے بڑھ کر کون اس لائق ہو سکتا ہے کہ عاجز و کمزور اور ضرورت و حاجت مندی کا پتلا انسان اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور اپنی ضرورتوں کے کشکول اس کے سامنے کھولے، کہ اللہ! اپنے ایک فقیر بے نوا اور گدائے بے آسرا پر نگاہ کرم فرما اور اپنی جود و سخا اور داد و دہش کے دربار سے اس کے عاجز ہاتھوں کو واپس نہ کر اسی ادائے بندگی کا نام "دعا" ہے۔

دعا کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اہلِ ایمان سے فرمایا ہے کہ وہ اللہ سے مانگیں او ر اس سے دعا کریں، (غافر:65,14) اللہ تعالیٰ نے یہ بھی

فرمایا کہ تم مجھ سے مانگو تو میں تمہاری دعا قبول کروں گا ﴿ادعونی استجب لکم﴾ (غافر:60)۔ اپنے نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ ان کے پہلو بستر سے الگ ہوتے ہیں اور خوف و طمع کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔ (السجدۃ:16) ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے اس کے فضل کے طلب گار رہو۔ ﴿واسألوا اللہ من فضلہ﴾۔ (النساء:32) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو عبدیت اور بندگی کا نمونہ تھے، دعا کرنے کی خوب ترغیب دی ہے، آپ نے فرمایا کہ دعا در اصل عبادت ہے: "الدعاء ھو العبادۃ"۔ (ترمذی عن نعمان بن بشیر)۔ ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کو عبادت کی روح اور اس کا مغز قرار دیا ہے۔ (ترمذی:3371) مخلوق کا مزاج یہ ہے کہ اس سے کچھ مانگو تو ناگواری ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو دعا سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں۔ (ترمذی عن ابی ہریرۃ) اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا، اللہ اس پر غصہ ہوتے ہیں۔ (ترمذی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مصیبتیں آچکی ہیں، دعا ان میں بھی نافع ہے اور جو آنے والی ہیں دعا ان سے بھی بچاتی ہے، اس لیے اللہ کے بندو! تم پر دعا کا اہتمام ضروری ہے۔ (مشکوۃ:2234) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل گیا، اس کے لیے رحمت کے دروازے وا ہو گئے اور انسان اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگتا ہے، اس میں عافیت سے بہتر کچھ اور نہیں۔ (مشکوۃ:2239)

عام طور پر لوگ مصیبت کے وقت ہی دعا کرتے ہیں، یہ بندہ کی خود غرضی کی بات ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو چاہتا ہو کہ مشکل وقتوں میں اس کی دعا قبول کی جائے اسے چاہیے کہ بہتر وقت میں خوب دعا کیا کرے۔ (ترمذی عن ابی ہریرہ) دعا چوں کہ خود عبادت ہے، اس لیے وہ کبھی رائیگاں نہیں جاتی، آپ نے فرمایا، یا تو اس کی دعا اسی طرح قبول کر لی جاتی ہے، یا آخرت کے اجر کی صورت میں محفوظ ہو جاتی ہے، یا اسی مطلوب کے بقدر مصیبت اس سے دور کر دی جاتی ہے۔ (مشکوۃ عن ابی سعید خدری:2259) چناں چہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پروردگار بہت حیا والے اور کریم ہیں، جب بندہ ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس سے حیا کرتے ہیں کہ اس کے ہاتھوں کو خالی واپس کر دیں۔ (مشکوۃ:2244) البتہ دعاء کے معاملہ میں عجلت اور بے صبری نہیں ہونی چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر انسان گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے، بشرطے کہ جلد بازی سے کام نہ لے۔ دریافت کیا گیا کہ جلد بازی سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوں کہے میں نے بہت دعا کی، لیکن لگتا ہے میری دعا قبول نہیں ہوئی، چناں چہ ناامید ہو کر دعا کرنا چھوڑ دے۔ (مشکوۃ

عن ابی ہریرۃ:2327)اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خوش حالی اور کشادگی کا انتظار بھی افضل ترین عبادت ہے، وافضل العبادۃ انتظار الفرج (مشکوٰۃ:2237) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو دیکھیے تو صبح سے شام تک دعاؤں کا معمول ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح دعا کرو کہ دل میں یقین ہو کہ اللہ اسے ضرور ہی قبول فرمائیں گے، "فاسئلوہ وانتم مؤمنون بالا جابۃ"۔(مجمع الزوائد:10/148) کیوں کہ جب تک دعا کے قبول ہونے کا یقین نہ ہو وہ کیفیت وانابت پیدا نہیں ہو سکتی، جو دعا کے لیے مطلوب ہے، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ دعا کے وقت قلب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو دل غافل اور لاپروا ہو اور زبان پر دعا کے کلمات ہوں، تو یہ دعا مقبول نہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ غافل اور بے توجہ دل کی دعا قبول نہیں فرماتے ہیں۔(مشکوٰۃ:2241)خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ دعا کرنے والے پر فروتنی کی کیفیت ہونی چاہیے ﴿ادعوا ربکم تضرعا وخفیہ﴾.(الاعراف:55) قلب کے ساتھ ساتھ جسمانی اعتبار سے بھی دعا کرنے والے کو بندگی اور عجز و نیاز کا مظہر ہونا چاہیے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو ہتھیلیوں کی طرف سے، نہ کہ پشت کی جانب سے۔یعنی ہتھیلیاں پھیلا کر رکھو، نہ کہ پشت اور پھر اپنی ہتھیلیوں کو اپنے چہرہ پر پھیر لو۔ (مشکوٰۃ عن ابن عباس:2243)حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ مونڈھوں کے مقابل یا ان کے قریب ہوں۔(ابوداؤد عن عکرمہ) گویا ایک بھکاری ہے جس نے اپنا ہاتھ پھیلایا ہوا ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولِ مبارک بھی یہی تھا۔

(مشکوٰۃ:2254)حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہاتھ سینوں کے مقابل ہونا چاہیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔ (مشکوٰۃ:2257)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے کلمات کے بارے میں بھی آداب بتائے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنی چاہیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، پھر دعا کرنی چاہیے ۔(مجمع الزوائد:10/155)حضرت فضالہ بن عبید سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب آئے، نماز پڑھی، پھر دعا کرنے لگے !اے اللہ! مجھے معاف فرما، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نماز پڑھنے والے !تم نے جلد بازی کی، جب نماز پڑھو تو بیٹھو، پھر اللہ کی حمد کرو، پھر مجھ پر درود بھیجو، اس کے بعد دعا کرو، چناں چہ اس نے اسی طرح دعا کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا کرو قبول کی جائے گی، سل تعطہ (مجمع الزوائد:10/156)دعا کرتے ہوئے آواز پست اور آہستہ ہونی چاہیے، کیوں کہ خود اللہ تعالیٰ نے دعا کے آداب میں یہ بات فرمائی ہے کہ دعا میں آواز پست ہونی چاہیے۔(

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ 5.L/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

اعراف:55) کیوں کہ پست آواز میں ریا اور دکھاوے کا اندیشہ کم ہے، آدمی اپنی ضرورت کے مطابق دعا کر سکتا ہے، اس سے رقت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، آج کل اجتماعی طور پر دعا کا رواج بڑھ گیا ہے، اس میں بعض اوقات دعا "رسم دعا" بن جاتی ہے، رقت اور خشیت کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی اور چوں کہ ہر شخص کی ضرورتیں الگ الگ ہوتی ہیں اس لیے انسان اپنی ضرورت کے مطابق خدا سے سوال نہیں کر پاتا، دعا کے آداب میں یہ بھی ہے کہ دعا خواہ کسی کے لیے کرنی ہو دعا کا آغاز اپنی ذات سے کرے (مجمع الزوائد:152/10، باب دعاء المرء لنفسہ) کیوں کہ اس سے عجز اور اللہ کے سامنے احتیاج کا اظہار ہوتا ہے اور دراصل یہی کیفیت دعا کرنے والے میں مطلوب ہے۔

کچھ خاص اوقات ہیں جن میں دعا مقبول ہوتی ہے، رات کے آخری اور تہائی حصہ میں یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جائے۔ (مسند احمد عن ابن مسعود) جہاد میں صفوں کے آراستہ ہونے کے وقت، بارش ہونے کے وقت، نماز کی اقامت کے وقت۔ (ترمذی عن ابی ہریرہ) اس کے علاوہ فرض نمازوں کے بعد، شب قدر اور بعض خاص راتیں دعا کی قبولیت کے خاص مواقع ہیں، اسی طرح کچھ لوگ ہیں، جن کی دعاؤں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر مقبول قرار دیا ہے، ان ہی میں مظلوم ہے، گو وہ اپنے اعمال کے اعتبار سے بُرا ہی کیوں نہ ہو، روزہ دار تا آنکہ افطار کر لے اور مسافر تا آنکہ واپس آ جائے۔ (مجمع الزائد:152/10)

امام عادل کی دعا اور باپ کی دعا اپنی اولاد کے حق میں مقبول ہے۔ (مشکوۃ عن ابی ہریرۃ:2229,2248) کسی شخص کی غیر موجود مسلمان بھائی کے بارے میں دعا بھی مقبول ہوتی ہے اور متعدد روایتوں میں اس کا ذکر ہے۔ (ترمذی عن عبداللہ بن عمر) حاجی کی دعا گھر واپسی تک اور مجاہد کی دعا جہاد سے فارغ ہونے تک بھی مستجاب دعاؤں میں ہے۔ (مشکوۃ:2260)

جیسے ان لوگوں کی دعا مقبول ہوتی ہے اور اس میں شامل ہونے کی کوشش کرنی چاہیے، ویسے ہی ان کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اولاد اور مال پر بددعا نہ کرو، کہ کہیں وہ وقت دعا کی مقبولیت کا ہو اور یہی دعا عنداللہ مقبول ہو جائے۔ (مسلم عن جابر)

بعض لوگ خود اپنے لیے دعا کا اہتمام نہیں کرتے اور لوگوں سے خواہش کرتے ہیں کہ میرے لیے دعا کیجیے۔ یہ صحیح نہیں ، اپنے لیے خود بھی دعا کرنی چاہیے۔ کیوں کہ انسان خود اپنے لیے جس رقت اور سوز کے ساتھ دعا کر سکتا ہے، ظاہر ہے کہ کوئی اور نہیں کر سکتا، کیوں کہ انسان کی اپنی دعا میں اس کا غم خونِ جگر کی طرح شامل ہوتا ہے اور اللہ کے یہاں اسی جذبہ دروں کی قدر و قیمت ہے، لیکن اگر کسی سے دعا کی درخواست کی جائے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی

اور فرمایا اے میرے چھوٹے بھائی! مجھے بھی اپنی دعا میں شریک رکھنا اور بھول نہ جانا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کلمہ ہے کہ اگر اس کے بجائے پوری دنیا بھی حاصل ہو جاتی تو اس سے بڑھ کر خوشی نہ ہوتی۔ (ترمذی عن عمر رضی اللہ عنہ) بعض لوگوں کو خیال ہوتا ہے کہ جو اہم چیز ہو اس کی دعا کی جائے، معمولی چیز کیا اللہ سے مانگی جائے، یہ نا سمجھی کی بات ہے، اصل میں انسان چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی تمام ضرورتوں میں اللہ ہی کا محتاج ہے، اس لیے ہر چھوٹی، بڑی ضرورت خدا ہی سے مانگنی چاہیے، نہ کہ کسی اور سے، کیوں کہ جیسے اللہ قادر مطلق ہے، ویسے ہی انسان محتاج مطلق، چناں چہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ضرورت اللہ ہی سے مانگنی چاہیے، یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ ہی سے مانگے او رایک روایت میں ہے کہ نمک کے لیے بھی اللہ ہی سے طلب گار ہو۔ (ترمذی عن انس رضی اللہ عنہ) اور کیوں نہ ہو کہ انسان ان میں سے کسی چیز کا خالق نہیں، وہ محض اللہ کی تخلیق سے نفع اٹھاتا ہے، اس لیے قطرہ قطرہ اور ذرہ ذرہ میں خدا کا محتاج ہے

ذالحج کا مہنیہ ہے، نیکیوں کا موسم بہار خدا کی رحمتوں او رعنائیتوں کا مہینہ، عفوودرگزر اور دوزخ سے نجات کا مہینہ، محرومیوں کے علاج اور بگڑی بنانے کا مہینہ، وہ مہینہ جس میں خود خدا بندے کے طرف متوجہ ہوتا ہے اور کمال شفقت کے ساتھ عاجز اور گناہ گار بندوں سے دریافت کرتا ہے کہ: ہے کوئی مغفرت کا طلب گار کہ میں اسے معاف کردوں؟ کوئی ہے روزی کا خواست گار کہ اسے روزی عطا فرماؤں؟ اور وہ جگہ جہاں سب اس کے مہمان ہوتے ہیں اگر ہم اس جگہ پر دل سے رقت وعاجزی سے دعا کریں تو ہمارے قدموں کے نیچے سے وہ زمین ہی بدل جائے کہ وہ ایسی جگہ ہے کہ جہاں اگر ہم سب مل پاکستان کی حالت کی اسکی حفاظت کی دعا کرے تو یہ ممکن ہی کہ ہم خالی ہاتھ وہاں سے لوٹے اور وہ خود پوچھتا ہے کہ کوئی ہے کسی مصیبت اور ضرورت سے دوچار کہ اس کی حاجات پوری کردوں؟

ضرورت اخلاص اور یقین کی ہے شدت جذبات کی ہے لیکن وہاں جا کر بھی میں نے بہت سے ایسے لوگ دیکھیں معازرت کے ساتھ جو صرف اکثر اپنا وقت سیلفی اور پکز میں مشغول ہوتے پلیز وہاں جا کر ان لمحات کی قدر کیجئے اور پھر جہاں داتا کی اس آواز پر بھی فقرا اپنی ضرورت کا ہاتھ نہیں پھیلائیں گے اور زبان سوال اس کے سامنے نہیں کھولیں گے کہ جس کے خزانہ قدرت میں سب کچھ ہے، جو دے کر خوش ہوتا ہے اور نہ مانگنے والوں سے ناخوش؟؟ شاعر حقیقت شناس نے کیا خوب کہا ہے

مانگیے، پھر مانگیے، پھر مانگیے
مانگ میں شرمندگی اچھی نہیں

☆ ☆ ختم شد☆ ☆

بلا عنوان

کراچی کا موسم دن میں بھلے جھلسا دینے والا ہو لیکن شام سہانی ہو جاتی ہے_ وہ بھی ایک سہانی شام تھی سارے دن کی گرمی شام کی پر کیف ہوا سے مغلوب ہو چکی تھی
میں اور میرا شوہر لان میں بیٹھے شام کی چائے پی رہے تھے ہمارے بچے سکول کا کام ختم کر کے ضد کرنے لگے کہ خالہ کے گھر جانا ہے میں نے اور ان کے پاپا نے بہتیرا سمجھایا کہ ویک اینڈ پہ چلیں گے لیکن بچے کہاں ماننے والے تھے لہذا ان کی بات ماننی پڑی_ بچے خوشی سے کھل اٹھے میرے شوہر نے گاڑی نکالی اور ہم گلشن اقبال کیلئے روانہ ہو گئے اگر ٹریفک جام نہ ہو تو ناظم آباد سے گلشن اقبال کا سفر بیس منٹ کی مسافت پر ہے ویسے تو ہم براستہ لیاقت آباد آتے جاتے ہیں حسن اسکوائر سے ہوتے یونیورسٹی روڈ پر سفر کرتے این ای ڈی سٹاف کالونی پہنچ جاتے ہیں مگر اس بار میرے شوہر نے ناظم آباد سات نمبر، میٹرک بورڈ آفس، فائیو سٹار راؤنڈ اباؤٹ سے عائشہ منزل والا راستہ اختیار کیا کیوں کہ روڈ کشادہ ہونے کی وجہ سے ٹریفک جام نہیں ہوتا_ گاڑی عائشہ منزل سے

مسکان

ہوتی ہوئی گلشن چورنگی کے سگنل کے ساتھ سروس روڈ پر میرے میاں صاحب گاڑی پارک کر کے بچوں کیلئے آئسکریم لینے چلے گئے چند لمحوں بعد مختلف اشیاء بیچنے والوں نے دھاوا بول دیا جو سگنل پر کھڑے ہوتے ہیں_ ایک بچہ ہاتھ میں گجرے لیے میرے پاس آیا" باجی تازہ بیلے کے پھول کا گجرا ہے لے لیں" اس کی عمر سات آٹھ سال ہو گی اس کی وضع قطع سے غربت جھلک رہی تھی" کتنے کا ایک ہے بیٹا"؟ میں نے گجرا ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا" سو روپے کا ایک ہے باجی" اس نے جلدی سے کہا، میں نے ایک گجرا لے کر اسے پانچ سو کا نوٹ دیا اس نے کہا" میرے پاس کھلے پیسے نہیں ہیں" "میرے پاس بھی کھلے نہیں تھے چند روپوں کے علاوہ میں نے اسے گجرا واپس کر دیا اس کی آنکھوں میں امید کی چمک دم توڑ گئی شام کو گھر کچھ پیسے لے جانے کا ارمان ادھورا رہ گیا اس کے معصوم چہرے پر تشنہ آرزوؤں نے جال سا بن دیا، وہ بے دلی اور مایوسی کے ساتھ واپس مڑا میں نے اسے آواز دی "سنو بیٹا" وہ رک کر پیچھے مڑ کر دیکھا "یہ تم سے

گجرا نہیں لے سکی یہ چند روپے کھلے ہیں یہ رکھ لو" میں نے روپوں والا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا_ اس نے کہا" باجی میں محنت کرکے پیسے گھر لے جاتا ہوں پر مانگتا نہیں، میں نے سنا ہے مانگنے سے اللہ ناراض ہوتا ہے" یہ کہہ کر نم آنکھیں لیے وہ چلا گیا اور میں پتھر کا بت بنی رہ گئی

☆ ☆ ☆ ☆ختم شُد☆ ☆ ☆

سمجھوتہ (مانو بلی)

رات کا سماں تھا۔ آسمان پر تارے جگمگا رہے تھے۔ کہیں کہیں بادل کے سفید ٹکڑے اس کے حسن کو چار چاند لگا رہے تھے۔ میں اپنا سر اُس کے کندھوں پر رکھے نہر کے کنارے چلتی جا رہی تھی۔ نہر کے پانی میں اس کا چاند کا عکس ایسا گماں دے رہا تھا جیسے زمین نے اپنا چاند خود منتخب کر لیا ہو۔ ہر طرف چاندنی ہی چاندنی تھی۔ کوئی غم کوئی ملال ہمارے درمیان نہیں تھا۔ اس رات کے لئے ہم نے برسوں انتظار کیا تھا۔ اور آج وہ رات آئی جب ہم دونوں ایک دوسرے کو اپنا کہہ سکتے تھے۔ ایک دوسرے کی بانہوں میں کھو کر ایک دوسرے کو محسوس کر سکتے تھے۔

"کاش یہ رات کبھی ختم نہ ہو اور اس کنارے کا کبھی اختتام نہ ہو اور ہم یونہی چلتے رہیں" اس نے رومانوی انداز میں کہا

"کاش ایسا ہو سکتا، لیکن یہ تو تم بھی جانتے ہو ایسا ممکن نہیں" حسرت کے ساتھ جواب دیا۔ اس نے ایک نظر میری طرف دوڑائی اور پھر دوبارہ آگے کی سمت دیکھنے لگا

"راستہ کتنا کٹھن تھا ناں، کتنے پتھر بکھرے تھے، کتنے کانٹے تھے۔۔" ماضی کی یادوں نے مستقبل کی راہوں کو آلودہ کرنے کی کوشش کی

" صحیح کہا! لیکن وہ ہمارا ماضی تھا۔ اس کو یاد کرنے سے اب کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ ہمیں آگے دیکھنا ہو گا۔ سانسیں جانے کتنی باقی ہیں۔ بس اپنی آخری سانسوں کو ایک دوسرے کے نام کرنا ہو گا"

زندگی بھی کتنی عجیب ہے۔ سالوں بعد ملا تو دیا مگر اُس وقت جب موت بھی منہ کھولے کھڑی ہے" اس کے لہجے میں افسوس تھا

"موت تو آنی ہے۔ کیا پتا اگر ہم جوانی میں ہی مل جاتے تو موت ہمیں تبھی آ دبوچتی۔۔" اپنا ڈر بتایا

"ہم ایک دوسرے سے دور صحیح مگر ایک دوسرے کو دیکھ تو سکتے تھے۔ بات تو کر سکتے تھے۔۔" مزید کہا

"کیا تمہیں زندگی سے کوئی گلہ نہیں؟" اس نے ایک لمحے کے لئے رک کر پوچھا تھا

"گلہ؟ شاید میں تو گلہ کا مطلب تک بھول چکی ہوں۔ مجھے زندگی سے کوئی گلہ نہیں"

"لیکن مجھے ہے۔۔" اس نے کہا

"شاید اسی لئے ہم پہلے نہ مل سکے"

''مطلب؟''اس کے ماتھے پر کچھ شکن نمودار ہوئے

''زندگی ہمیشہ انہی کا ساتھ دیتی ہے جو اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ تم نے ہمیشہ زندگی کے خلاف بغض اپنے دل میں رکھا، شاید اسی لئے ہم پہلے نہ مل سکے۔ شاید اسی لئے زندگی نے ہمیں جدا رکھا۔۔''اس کو دلیل دیتے ہوئے کہا۔ ایک پل کے لئے وہ گہری سوچ میں ڈاب گیا۔ اور پھر سوچتے ہوئے کہا

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ زندگی سے گلہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آخر میں جیتنا تو زندگی نے ہی ہوتا ہے۔ ہمیں تو نہ چاہتے ہوئے بھی شکست ہی نصیب ہوتی ہے۔''

''بالکل۔۔۔۔اس لئے ہمیں گلہ کرنے کی بجائے سمجھوتہ کرنا سیکھنا ہوگا''

''چلو۔۔۔ پھر اپنی باقی زندگی میں سمجھوتہ کرنے کا وعدہ کریں''اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی

''میں تو کر چکی ہوں۔ بھلا چالیس بہاریں دیکھ کر بھی سمجھوتہ کرنا نہ سیکھا تو کیا سیکھا؟''میرے کہنے پر اس نے عجیب سی نگاہوں سے میرا تعاقب کیا۔ جس کا مطلب میں اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ میرے سامنے چاہے کتنا ہی زندگی سے گلہ شکوہ کر رہا ہو، مگر دل سے وہ کتنا ٹوٹا ہوا ہے۔ میرے علاوہ کون جان سکتا تھا؟ جتنا سمجھوتا میں نے زندگی سے کیا، اس سے کہیں زیادہ تو اس نے اپنے آپ سے کیا۔ میں نے تو صرف چالیس بہاریں ضائع کیں اور اس نے تو اپنی پچاس سال خزاں میں گزارے۔ جس کا اجڑا پن میں آج بھی اس کے چہرے پر دیکھ سکتی تھی۔ اس کے اندر کا خالی پن آج بھی مجھے گھائل کر رہا تھا

''کیا ہوا؟''اس کے پوچھنے پر میں اپنے خیالوں سے نکل آئی

''کچھ نہیں۔۔۔ چلو چلتے ہیں، رات کافی ہو گئی ہے۔۔''دوبارہ اپنا سر اس کے کندھے پر رکھا تو ایسا لگا جیسے برسوں بعد آنکھوں میں خماری آئی ہو۔ وہ مجھ سے باتیں کرتا رہا اور میں نیند کو آنکھوں میں لئے اس کے کندھے کو سرہانا بنائے چلتی رہی

☆ ☆ختم شد☆ ☆

کتھا (کوثر بیگ)

ہر طرف بے فکری خوشیوں کا راج تھا وہ جس چیز پر بھی ہاتھ رکھتی وسائل نہ ہونے کے باوجود مہیا ہو جاتے۔ جیسے دیکھتی وہ مسکرا دیتے، اسے خوش دیکھتے تو سب جھوم اٹھتے۔ اٹھلا اٹھلا کر چلتی کھانا پہنا سب اپنی مرضی پر منحصر ہوتا پھر ایک دن اس کے جی جان سے زیادہ چاہنے والے، اسے خوابوں کی نگری بھیجنے لگے۔ وہ انکار کیسے کرتی ازل سے یہ دستور اس کا مقدر بنا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک مُونس بھی دیا گیا وہ اس کے حصار سے مطمئن رہنے لگی۔ اسے اپنا کل مان لیا اور وہ اسے زندگی کا جز سمجھتا رہا۔ وہ جانتی تھی اس کی اپنی اور بھی ذمہ داریاں ہیں اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی۔ ہمت محبت ایثار کی پتلی بنی رہی مگر اندر ہی اندر اسے محسوس ہوتا کہ

یہ خوابوں کی نگری نہیں عمل کا پر خطر راستہ ہے۔ آہ مجھے کہاں پھینک دیا گیا ہے؟ وہ سوچتی رہتی۔

پھر اسے اپنے اندر کھلبلی سی محسوس ہونے لگی ہر محرومی سے بے نیاز ہو کر اس نے اپنی توجہ اسی کی طرف مبدل کر لی پھر کیا تھا اسے اور اس کے ساتھی کو زندگی کا ایک محور مل گیا دونوں نے اپنی ساری توانائی اسی پر خرچ کرنے لگے۔

پھر ایک دن انہیں اندازہ ہوا کہ جس کے لئے وہ جی رہے تھے اسے بھی ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ انہوں نے بڑی چاہ سے اس کی حیات میں خوشیوں کا یہ رنگ بھی بھرا۔۔ مگر رنگ کی خوشبو ایسی تیز تھی کہ وہ لحہ بہ لحہ محور سے دور ہونے لگا۔۔ اور انہیں جب اپنا آپ مٹتا محسوس ہوا تب خیال آیا کہ جسے محور سمجھنے کی بھول کی وہ تو محولہ تھا فقط اک محولہ جسے ایک کے بعد ایک منزل سمجھتی رہی وہ منزل نہیں راستہ بسر کرنا تھا۔ یہ بات جانتے ہی اس نے جنت واپس جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔ وہ جان گئی تھی منزل تک پہنچنے راستے کے ساتھیوں سے حسن سلوک کے ساتھ خود کی منزل نہیں بھولنی ہے۔ اب وہ خود کے لئے بھی جینے لگی۔ اس نے منزل کو محور بنالیا۔۔۔

☆ ☆ ختم شد ☆ ☆

بیان (ماہوش طالب)

"آج میں وہ سچ بیان کرنے آیا ہوں، جسنے تمہاری زندگی کو جہنم بنائے رکھا۔ اُس رات میں نے حقیقت معلوم ہونے کے باوجود اماں سے جھوٹ بولا کہ تم کزن کیساتھ باہر ہو، حالانکہ میں جانتا تھا تم کچن میں سحری کی تیاری کر رہی ہو، اور گھٹیا کی مریض اماں چلنت پھرنے سے قاصر تھیں، میری بات پر یقین کر لیا۔

تمہارے جانے کے بعد میں اور نیلم بھی کبھی خوش نہ رہ سکے، مجھے معاف کر دو" وہ اپنی بیوی کی قبر پر آنسوؤں کا چھڑکاؤ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

☆ ☆ ختم شد ☆ ☆

ہم زندہ قوم ہیں (پرنس فاروق احمد)

ہم زندہ قوم ہیں یا ہماری سانسیں ناپید ہو چکیں یہ بعد کی بات ہے. پہلے ہم یہ سمجھنے کی سعی کریں گے کہ کیا ہم قوم ہیں؟ جی ہاں. یہ اہم سوال ہے. اس سوال کا جواب عصر حاضر کی ضرورت ہے. قوم چند لوگوں کے اتحاد سے وجود پاتی ہے. پھر چند قومیں مل کر ایک قوت بن جاتی ہیں. یہ قوت کسی ملک کا بیش بہا خزانہ ہوا کرتی ہے. آج ہم مختلف قوموں میں منقسم ہو چکے ہیں. قوم کا ہر فرد اپنی الگ دنیا میں منہمک ہو چکا ہے. زندگی عجیب ڈگر پر رواں دواں ہے. قوم کی روح اتفاق و اتحاد کا شیرازہ بری طرح بکھر چکا ہے. اخلاق آداب اخلاص اقدار روایات ریت ماضی ہو چکیں. انسان آہستہ آہستہ پتھر کے دور کی طرف محو سفر ہے. اتفاق نہیں رہا. خاندان نہیں رہا. قوم کہاں رہ سکتی. بیٹا باپ سے جھگڑ رہا ہے بھائی بہن سے تنگ ہے. اخلاقی حدود و قیود ختم کی جا رہی ہیں... اب قوم کہاں ہے. جب قوم ہی نہ ہو گی تو اس کے زندہ یا مردہ ہونے سے کیا

فرق... ان حالات میں اتحاد کی شدت سے ضرورت ہے۔ قوم منتشر ہے اسے ایک جگہ متحد کرنا اشد ضروری ہے۔ یہ کام آسان نہیں ہے۔ کسی خزاں رسیدہ درخت کے بکھرے ہزار ہا پتوں کو یکجا کرنے کے مترادف ہے۔ اور ہمیں یہ کرنا ہے۔ بہر صورت کرنا ہے۔ ورنہ ہماری داستاں بھی نہ ہو گی داستانوں میں۔

☆ ☆ختم شد☆ ☆

وہ دن (منتہیٰ آرائیں)

مجھے وہ دن اچھے سے یاد ہے جب میں اس سے پہلی بار ملی تھی
میں ہر وقت اس کے آس پاس رہا کرتی تھی
وہ مجھے بہت پسند تھا شروع میں تو مجھے اس کے بارے میں کوئی خاص علم نہ تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں اسے اچھی طرح سے سمجھنے لگی تھی
اب اس کے بنا رہنا یا اس کے بنا تنہا کہیں جانا میرے لئے ناممکن تھا
وہ میری تنہائی کا ساتھی تھا جس سے مجھے بے حد محبّت تھی
ایک دن ایسا ہوا کے جب میں اس کے قریب گئی تو مجھے اس پے بہت پیار آیا
اور ایک خوش گوار مسکراہٹ میرے لبوں پے اڈ آئی..
ابھی میں نے اس احساس کو محسوس ہی کیا تھا وہ اچانک میرے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا
ہائے.... میرا قیمتی موبائل فون

☆ ☆ختم شد☆ ☆ ☆

ہم نے ہی لوٹنے کا ارادہ نہیں کیا
اس نے بھی بھول جانے کا وعدہ نہیں کیا

دکھ اوڑھتے نہیں کبھی جشنِ طرب میں ہم
ملبوسِ دل کو تن کا لبادہ نہیں کیا

جو غم ملا ہے بوجھ اٹھایا ہے اس کا خود
سر زیرِ بارِ ساغر و بادہ نہیں کیا

کارِ جہاں ہمیں بھی بہت تھے سفر کی شام
اس نے بھی التفات زیادہ نہیں کیا

آمد پہ تیری عطر و چراغ و سبو نہ ہوں
اتنا بھی بود و باش کو سادہ نہیں کیا

پروین شاکر۔ انتخاب ریما نور رضوان

میرا نصیب

منظور اکبر تبسم

یار چھوڑ کوئی اور بات کرتے ہیں نہیں میں نے آج آپکی سٹوری سن کر ہی جانا ہے میرے مجبور کرنے پر میرے دوست اختر نے اپنی کہانی کچھ اس طرح سنائی۔

کیا پوچھتے ہو محبت کی لذتیں ندیم

ہمیں تو مسکرائے ہوئے زمانہ ہو گیا

میرا نام اختر ہے میرے والدین کا سایہ اس وقت میرے سر سے اٹھ گیا جب میری عمر آٹھ سال تھی۔ اب میں پوری دنیا میں تنہا تھا۔ کوئی مجھے سہارا دینے والا نہ تھا۔ کچھ رشتہ دار تھے وہ بھی جلد ہی میرا ساتھ چھوڑ گئے اور دن بدن مجھ پر الزام لگانے شروع کر دیئے۔ یہ میرے رشتہ داروں کا کام تھا اور وہ میری جائیداد حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن میں بھی ہمت ہارنے والا انسان نہیں تھا۔ کرتے کراتے پانچ سال گزر گئے ایک رات میں سویا ہوا تھا کہ اچانک میرے گھر میں چو آ گئے مجھے بہت مارا اور میرے گھر کا سارا سامان لوٹ کر لے گئے۔ میں اس رات بہت رویا اور میرا کوئی بھی دکھ بانٹنے والا نہیں تھا۔ مجھے آج اپنے والدین کی بہت یاد آ رہی تھی۔ ساری رات رو رو کر گزاری اذان ہو رہی تھی میں نے وضو کیا نماز پڑھی اور دعا کی اے اللہ کیا زندگی کے سارے دکھ میرے حصے میں ہی ہیں کافی شکوے اللہ سے کرتا رہا پھر گھر آیا اور تمام کمروں کو تالے لگا دیئے۔ اور ایک نامعلوم منزل کی طرف سفر شروع کر دیا۔ میں نے ہمت نہ ہاری سوچا کچھ کام کر کے پیٹ بھر لیا کروں گا۔ میں صبح سے بھوکا تھا اور شام ہونے لگی تھی میں اپنے باپ کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنا چاہتا تھا میرے ابو مجھے کہتے تھے کہ بیٹا بھوکا مر جانا لیکن حرام کے رزق کو ہاتھ مت لگانا۔ اپنی محنت کر کے اپنا پیٹ بھرنا۔ میری بھوک سے بری حالت تھی کاش میری ماں ہوتی تو میری یہ حالت ہرگز نہ ہوتی۔

نہ جسم خریدتے نہ جان خریدتے ندیم

اگر بازار میں ملتی تو ہم ماں خریدتے

دوستو پلیز اپنے کی خدمت کر لو۔ ان سے پوچھو جن کے

والدین نہیں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔اب بھوک سے میری بری حالت ہو رہی تھی ایک قدم بھی چلنا دشوار ہو رہا تھا۔کہ اچانک ایک آواز ابھری بیٹا کون ہو تم؟ میرے سامنے ایک 50 سالہ عورت کھڑی تھی۔اس کے منہ سے بیٹے کا لفظ سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ شاید وہ بھی میرے آنسوؤں کو سمجھ گئی تھی۔اس نے پوچھا بیٹا تو کیوں رو رہا ہے۔اس نے مجھے سینے سے لگا لیا۔آج ایک بار پھر جیسے مجھے میری ماں مل گئی ہو۔میں نے اس کو اپنی گزری ہوئی ساری زندگی سنا دی میری کہانی سن کر وہ بولی بیٹا آج کے بعد تم میرے بیٹے ہو اور میرے ساتھ ہی رہو گے۔ ماں کے کافی مجبور کرنے پر میں ان کے ساتھ چل پڑا۔اب زندگی بدلنے لگی تھی میری ماں مجھے اتنا پیار دیتی کہ میں اپنے ماضی کو بھولتا جا رہا تھا زندگی میں ایک بہار سی آنے لگی تھی وقت گزرتا گیا اور ایک وقت ایسا آیا کہ میں اپنا ماضی مکمل طور پر بھول چکا تھا دن بہت ہی اچھے گزر رہے تھے ایک دن میری ماں نے کہا کہ بیٹا چلو کچھ شوپنگ کر کے آتے ہیں ہم شوپنگ کرنے چلے گئے۔اس وقت موبائل نئے نئے آئے تھے۔میری ماں نے مجھے موبائل لے کر دیا۔کافی کچھ شوپنگ کرنے کے بعد ہم گھر واپس لوٹ آئے میں نے گھر آ کر موبائل سے سونگ سننے شروع کیے میں کافی سونگ سنتا سنتا اپنے گھر کی چھت پر چلا گیا جب یہ سونگ لگا مجھے اپنے ماضی کی یاد آنے لگی۔

ماں او ماں او ماں

پاس بلاتی ہے کتنا رلاتی ہے

یاد تمہاری جب جب مجھ کو آتی ہے

جن کے سر پر ممتا کی دعائیں ہیں

قسمت والے وہ ہیں جن کی مائیں ہیں

اتنا گانا چلا تھا کہ میری آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی میری ماں بھی میرے پاس کھڑی تھی لیکن مجھے کچھ خبر نہ تھی۔میری حالت خراب ہو گئی اور میں اچانک بے ہوش ہو گیا پھر مجھے کچھ پتہ نہیں چلا میرے ساتھ کیا ہوا اور میں کیسے ہسپتال پہنچا جب مجھے ہوش آیا تو میری ماں سامنے بیٹھی رو رہی تھی میری ماں مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر کہنے لگی بیٹا کیا ہو گیا ہے تم کو پلیز بیٹا اپنا خیال رکھا کرو۔میری ماں پتہ نہیں کیا کیا کہہ رہی تھی میری ماں باتیں کرتے کرتے آنسو بھی بہا رہی تھی۔ماں تیری عظمت کو سلام ماں واقع ہی تیرے جیسا کوئی رشتہ نہیں جہاں میں میں اپنی ماں کا پیار دیکھ کر خوش تھا۔

کچھ دن ہسپتال رہنے کے بعد واپس گھر آیا میری ماں میرا بہت خیال رکھتی۔اب میں مکمل طور پر ٹھیک ہو گیا تھا دن اچھے گزرتے جا رہے تھے میری ماں کے پاس جو رقم تھی وہ ختم ہوتی جا رہی تھی پھر ایک دن میں نے ماں سے اجازت لے کر کام کی غرض سے شہر کی طرف چل پڑا۔سارا دن پھرتا رہا لیکن مجھے کوئی کام نہ ملا۔شام کو تھک ہار کر جب گھر

واپس آیا تو میری ماں کی طبیعت خراب تھی میرے پاس ماں کی دوائی لینے کیلئے رقم نہیں تھی لیکن میں نے پھر بھی اللہ کے آسرے پر اپنی ماں کو قریبی ہسپتال داخل کروا دیا داخل کروانے کے بعد میں نے ڈاکٹر سے ماں کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ پوچھی۔ ڈاکٹر نے کہا بیٹا آپ کی ماں کو کوئی پریشانی ہے اور وہ جب سوچتی ہے تو دماغ پر اثر ہوتا ہے میں ڈاکٹر کی بات سن کر حیران ہو گیا کہ میری ماں کو کون سی پریشانی ہو سکتی ہے ڈاکٹر نے مجھ کو کچھ دوائی لکھ کر دی کہ یہ سٹور سے جلدی لے آؤ۔ میرے پاس پیسے نہیں تھے۔ میں نے اپنا موبائل سٹور والے کو دے کر دوائی لی۔ دوائی لے کر واپس آ رہا تھا کہ مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ مجھ سے کار ٹکرا گئی مجھے کچھ پتہ نہ چلا میرے سر پر کافی چوٹ آ گئی گاڑی سے ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی نکلی اور میرے پاس آ گئی اور میری یہ حالت دیکھ کر بہت پریشان ہو گئی وہ ادھر ادھر پریشانی کی حالت میں دیکھ رہی تھی اور ایک آدمی کو کہا کہ پلیز میری ہیلپ کرنا اس کو ہسپتال لے جانے میں میں یہ سب دیکھ رہا تھا لیکن درد کی وجہ سے میری آواز نہیں نکل رہی تھی پھر میری آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگی لڑکی میری یہ حالت دیکھ کر پاگل ہو رہی تھی پھر میں بے ہوش ہو گیا جب ہوش آیا تو لڑکی ڈاکٹر سے بار بار کہہ رہی تھی پلیز اس کی زندگی بچا لو لیکن ڈاکٹر نے کہا سوری آپ دیر مت کریں اس کو لاہور لے جاؤ کیونکہ اسے گہری چوٹ آئی ہے لڑکی نے اپنی کچھ

دوستوں کو فون کیا اور جلد ہی اس لڑکی کی دوست آ گئی اور وہ سب ملکر مجھے لاہور لے گئیں مجھے سفر کا کچھ پتہ نہیں چلا ڈاکٹر نے لڑکی کو میری والدہ کے بارے میں بھی بتا دیا تھا اسی لئے میری والدہ کے پاس اس نے اپنی دوست کو ٹھہرایا اور میری والدہ کی تمام ادویات کا خرچہ بھی اس کو دیا اور میری تمام ادویات کا بھی وہی خرچہ کر رہی تھی میری طبیعت 15 دن بعد ٹھیک ہو گئی۔ لیکن ڈاکٹر نے کہا کہ نہ زیادہ چلنا ہے نہ زیادہ بولنا ہے بلکہ کچھ دن آرام کرنا ہے میں نے لڑکی سے پوچھا کہ میری ماں کہاں ہے پہلی بار میں اس لڑکی سے بات کر رہا تھا وہ تو نہ جانے کہاں کھو گئی میں نے ایک بار پھر کہا میری ماں کہاں ہے تو لڑکی نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا کہ وہ ٹھیک ہے اور اپنے گھر ہے تو میں نے کہا ہم کہاں ہیں اور میں یہاں کیسے آیا ہوں پلیز مجھے میری ماں کے پاس لے چلو۔ لڑکی نے مجھے مذاقاً کہا اچھا بابا میں آپ کو لے جاتی ہوں۔ اپنی تقریر بند کرو ڈاکٹر آپ کو زیادہ بولنے سے منع کیا ہے میں نے کہا ٹھیک ہوں پھر ہم لاہور سے اپنے شہر واپس آ گئے جب اپنے شہر آئے تو لڑکی نے کار ایک شان بہت بڑے مکان کے سامنے رکی۔ تو میں نے پوچھا یہ کس کا گھر ہے مجھے یہاں کیوں لائی ہو۔ تو لڑکی بولی آپ نے کم بولنا ہے ایک بار آپ کہا ہے کہ خاموش رہو میں نے کہا آپ مجھے پلیز میرے گھر لے چلو۔ اس نے کہا لے چلتی ہوں پہلے اپنی ماں سے تو مل لو۔ میں چونکہ گیا میری ماں اور یہاں کیسے سب خیریت تو ہے لڑکی

نے کہا گھر جا کر خود دیکھ لو میں اس کے ساتھ اس مکان میں

داخل ہو گیا تو اس نے مجھے ایک کمرے میں آرام کرنے کو کہا

میں نے کہا میری ماں کہاں ہے اس نے کہا آپ آرام کر لو

میں آپ کی والدہ کو لے کر آتی ہوں وہ یہ سب کہہ کر باہر

چلی گئی مجھے نیند آ گئی جب شام کو اٹھا تو میرے سامنے میری

ماں اور وہ لڑکی بیٹھی ہوئی تھی میری ماں نے مجھے گلے لگا کر

اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ وہ لڑکی میری ماں کو حوصلہ دیتی

رہی میری ماں مجھ سے کافی شکوے کرنے لگی تم کہاں چلے

گئے تھے تم کو میرا خیال نہیں آیا اور کیا حالت بنا رکھی ہے۔

لڑکی نے میری ماں کو سب سچ سچ بتا دیا کہ یہ واقعہ ہوا ہے

میری ماں نے اس لڑکی کا شکریہ ادا کیا میری ماں نے اس سے

اس کا نام پوچھا تو اس نے محبت بھری نظر مجھ پر ڈال کر بولی

میرا نام سونیا ہے مجھے اس کا نام بتانے والا انداز بہت پسند آیا۔

اتنے میں سونیا کے والدین بھی آ گئے سونیا کے ابو نے کہا اختر

بیٹا کیسے ہو میں نے کہا میں ٹھیک آپ سناؤ کیسے ہو بس بیٹا

ٹھیک ہوں کافی گپ شپ ہوتی رہی اسی طرح ہم دو ماہ ان

کے ہی گھر پر رہے۔ ان لوگوں نے ہم کو بہت پیار دیا۔

کھانے پینے اور دوائی وغیرہ کا خرچہ سب ان لوگوں نے کیا دو

ماہ بعد جب ہم اپنے گھر آئے تو ایک عجیب سا محسوس ہونے

لگا جیسے میں کوئی قیمتی چیز کھو کر آ گیا ہوں۔ نہ جانے کیا ہو رہا

تھا مجھے شاید اس لڑکی سے یعنی سونیا سے محبت ہو گئی تھی۔

اس کی آنکھوں میں نراس تھا

اک پل کو لگا جیسے وہ دل کے پاس تھا

شہر میں محبت لاپتہ ڈھونڈتا وہ

ہے فراق می ڈوبا یہ میرا قیاس تھا

تھامے کھڑا تھا وہ آنکھوں میں تارے

کیا خدا وہ اندر سے کتنا حساس تھا

پاؤں کی لغزش نے اس سے زمین جو کھینچی

آہ جیسے کوئی ٹوٹا گرا پتا بے آسا تھا

اجنبی کا دوستو یہ حال تھا بند دریچوں

جیسے ہواؤں کا یہ کوئی نکاس تھا

پکڑا چراغ دھرا شیشے میں تو پتہ چلا

نامہ طے محبت جیسے کوئی اقتباس تھا

متعدد بار بھی دہرانے سے عاجز نہیں

اے ندیم وہ کوئی تیرا ہی ہم شناس تھا

دن گزرتے رہے اور کبھی کبھی میری سونیا سے ملاقات ہو

جاتی میں آپ کو بتاتا چلوں کہ سونیا ایک امیر گھرانے سے

تعلق رکھتی تھی اس لیے میں ڈرتا تھا اظہار محبت کرنے سے

کہ سونیا ناراض نہ ہو جائے۔

تمہیں جب کبھی ملے فرصت میرے دل سے بوجھ اتار دو

میں بہت دنوں سے اداس ہوں مجھے کوئی شام ادھار دو

میں اب ہر وقت اداس اور پریشان رہتا تھا کافی بار میری ماں

نے میری اداسی اور پریشانی کی وجہ پوچھی میں ہر بار طبیعت

خراب کا بہانہ بناتا۔ اب مجھ سے اور زیادہ [illegible] نہیں ہو رہا تھا

میں نے ایک روز ڈرتے ڈرتے سونیا سے اظہار محبت کر دیا۔ میں نے کہا سونیا پلیز میری محبت کا جواب محبت سے دینا ورنہ میں مر جاؤں گا۔ جس کی ذمہ دار تم ہو گی میں اپنی محبت کا اظہار جوش سے کر رہا تھا اس نے مجھے کہا کیا آپ مجھے بولنے بھی دو گے یا خود ہی بولتے رہو گے میں نے کہا جی بولیے سونیا نے کہا میں نے تم کو پہلی بار جب دیکھا تھا میں تو تب سے ہی تم کو دل دے بیٹھی تھی میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں لیکن لڑکی ہونے کے ناطے اظہار نہیں کر پا رہی تھی I Love You اختر اختر پلیز میرا ساتھ مت چھوڑنا ورنہ میں نے کہا پلیز اس کے آگے ایک لفظ نہ بولنا اس کے بعد ہماری محبت کا آغاز ہو گیا سونیا B.A کر رہی تھی مجھے ڈر تھا کہ سونیا کے گھر والے ہمارے رشتے کیلئے راضی ہوں گے یا نہیں کیونکہ سونیا اور مجھے میں زمین اور آسمان کا فرق تھا یہ خوف اور ڈر ہر وقت میرے ساتھ رہتا تھا لیکن سونیا مجھے کہتی کہ اختر تیری خاطر میں ہر رشتہ توڑ دوں گی بس تم میرا ساتھ دو اگر تم میرے ساتھ دو تو ہم پر آنے والی رکاوٹ کو توڑ دیں گے میں سونیا کی باتیں سن کر خوش ہوتا کہ مجھے اتنا پیار کرنے والا محبوب ملا ہے۔ سونیا کے امتحانات ہو رہے تھے وہ ہر روز اپنے ساتھ لے جاتی تھی۔

خوشی ملی تو بہت سے درد مجھ سے روٹ گئے ندیم

دعا کرو میں پھر سے اداس ہو جاؤں

زندگی کے دن بہت ہی اچھے گزر رہے تھے میں اپنے ماضی کو مکمل طور پر بھول چکا تھا سونیا اور میں ہر روز سیر کرنے کبھی کدھر جاتے اور کبھی کدھر مجھے کیا پتہ تھا کہ میرا نصیب میرے ساتھ کیا کرنے والا ہے ہوا کچھ یوں کہ ایک دن میں سونیا سے مل کر شام کو گھر واپس آیا تو میری ماں اس دنیا فانی سے رخصت ہو گئی اج ایک بار پھر میں یتیم ہو گیا میں نے جونہی ماں کو دیکھا تو میرے ہوش و حواس اڑ گئے رات بھر ماں کی میت پر میں اکیلا ہی روتا رہا میرے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا میں تھا یا میری ماں کی لاش تھی کوئی بھی مجھے حوصلہ اور سہارا دینے والا نہیں تھا ہائے میرے اللہ کیا میرا نصیب میں ہی سارے زمانے کے دکھ ہیں بار بار میرا نصیب مجھے دھوکہ دے رہا تھا۔ بار بار میرا نصیب مجھے آزما رہا تھا بچپن سے لے کر اب تک دکھ ہی دکھ تو سہتا آ رہا تھا اب زندگی میں بہار آئی تو میری بہار بھی رب نا پسند آئی۔ میری ماں کا سایہ بھی مجھ سے چھین لیا آج میں بہت اپنے نصیب پر رویا اور نہ جانے کب میں بے ہوش ہو گیا صبح کی اذان ہو رہی تھی کہ اچانک سونیا ہمارے گھر آ گئی شاید وہ کسی کام سے آئی تھی کہ اختر کو دیکھ آتی ہوں اسے کیا پتہ تھا کہ یہ چڑھتا ہوا سورج اس کے اختر کو ایک بار یتیم کر دے گا۔ سونیا نے جب اختر کو بے ہوش دیکھا تو اختر کے پاس بھاگ کر گئی اس نے اختر کی ماں کو دیکھا تو وہ اس دنیا فانی سے جا چکی تھی اتنے میں بارش بھی شروع ہو گئی شاید اختر کے نصیب پر آسمان بھی رو رہا تھا سونیا نے اختر کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی اختر کچھ دیر

کے بعد ہوش میں آیا سونیا اور اختر، اختر کی ماں کو کمرے میں
لے گئے سونیا اختر کے گلے سے لگ کر رونے لگی کافی دیر
روتے رہے سونیا نے گھر فون کر دیا کہ اختر کی ماں فوت ہو گئی
ہے اور کچھ دیر کے بعد سونیا کے گھر والے بھی آ گئے تھے
اتنے میں محلہ کے دوسرے لوگ بھی آ گئے سب ملکر اختر کو
حوصلہ دے رہے تھے۔ شام کے وقت اختر کی ماں کو اس مٹی
کے نیچے دفن کر دیا گیا۔ اختر تیرا نصیب شاید اختر کا نصیب
لکھنے والے کو بھی ترس نہ آیا ہو گا سب لوگ ایک دوسرے
سے باتیں کر رہے تھے اور اختر کو بھی حوصلہ دے رہے تھے
دفن کرنے کے بعد سب لوگ چلے گئے صرف سونیا اختر کے
پاس ٹھہری رات بھر سونیا نے اختر کو حوصلہ دیا کہ یہی اللہ کو
پسند تھا تم ہمت مت ہارو تم نے یہ زندگی گزارنی ہے چاہے جو
کچھ مرضی ہو جائے اسی طرح سونیا مجھے ہر روز حوصلہ دیتی
رہی دن گزرتے گئے کہتے ہیں وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا
ہے میں اپنے آپ کو ٹھیک کر تا رہا پھر ہم روزانہ سیر کرتے
گھومتے پھرتے کبھی کبھی اچانک میری آنکھوں میں آنسو آ
جاتے اور میں سونیا کو کہتا تھا کہ کیا یہی میرا نصیب ہے میں
سونیا کو کہا کہ تم تو مجھے نہیں چھوڑ جاؤ گے پھر سونیا نے مجھے
ایک شعر سنایا جو مجھ ابھی تک یاد ہے وہ یہ ہے۔

چھوٹی سی بات پر کوئی شکوہ نہ کرنا
جب کوئی بھول ہو جائے تو معاف کرنا
ناراض تب ہونا جب ہم رشتہ توڑ دیں گے ندیم
کیونکہ ایسا تب ہو گا جب ہم دنیا چھوڑ دیں گے

میں نے کہا اگر سونیا تم میرے نصیب میں نہ ہوئی تو سونیا مجھے
ہر روز کہتی اداسی اور مایوسی والی باتیں چھوڑ دو۔ اللہ پر
بھروسہ رکھو اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا اسی طرح دن مہینوں میں
مہینے سالوں میں گزرتے گئے اور ہماری محبت پروان چڑھتی
رہی اب ہم دونوں سے پل بھر کی دوری برداشت نہ ہوتی تھی
ایک دن سونیا نے مجھے کہا کہ تم میرے والدین سے ہماری
شادی کی بات کرو میں نے کہا ٹھیک ہے دوسرے دن میں
سونیا کے گھر گیا ان کے والدین سے بات کی کہ انکل میں آج
آپ لوگوں سے کچھ مانگنے آیا ہوں انکل بچپن میں والدین کا
سایہ چھین لیا اس کے بعد رب نے مجھے ایک ماں دی وہ بھی
مجھ سے چھین لی بے شک وہ جو چاہے دیتا ہے اور جو چاہے
چھین لیتا ہے انکل میری زندگی دکھوں سے بھری پڑی ہے
آج میں آپ سے اپنی محبت کی بھیک مانگنے آیا ہوں میں انکل
کے قدموں میں گر گیا اور کہتا رہا کہ انکل پلیز انکار مت کرنا
سونیا کے علاوہ میرا اس جہاں میں کوئی نہیں انکل نے مجھے اٹھا
کر گلے لگا لیا اور کہا مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔
میری خوشی کی انتہا نہ رہی میں خوشی خوشی واپس گھر آ گیا۔
دوسرے دن میں نے سونیا کو بتایا تو اس نے کہا مجھے پہلے ہی
سے پتہ ہے پھر ہم ہر روز بغیر خوف کے گھومتے پھرتے پھر
کچھ عرصے کے بعد میری اور سونیا کی شادی بڑی سادگی سے
ہو گئی۔ میں نے شادی کے موقع پر والدین کی بہت کمی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

محسوس کی مجھے ڈر تھا کہ سونیا میرا ساتھ نہ چھوڑ دے دن گزرتے رہے اسی طرح نو ماہ گزر گئے ایک دن ہم کار میں ایک پارٹی پر جا رہے تھے کہ اچانک ایک کار ہماری کار سے ٹکرا گئی مجھے کچھ ہوش نہ رہا پھر کیا ہوا جب مجھے ہوش آیا تو پتہ چلا کہ میرے نصیب نے ایک بار پھر دھوکہ کر دیا ہے وقت نے ایک بار پھر مجھے توڑ دیا میری جان میری زندگی سونیا اس دنیا فانی سے رخصت ہو چکی تھی میری سونیا اس بھری دنیا میں مجھے تنہا چھوڑ گئی مجھے تین دن بعد ہوش آیا تھا میں اپنی جان کو آخری بار بھی نہ دیکھ سکا۔

تیری بے وفائی کا تجھ سے کیسے گلہ کروں ندیم

میرے تو اپنے نصیب ہی بے وفا نکلے

میرے سامنے انکل کھڑے تھے وہ میرے ساتھ لگ کر رونے لگے ہم دونوں سونیا کی قبر پر گئے میری سونیا دیکھو آرام سے سوئی ہوئی تھی میں قبر پر اتنا روئے کہ آنکھوں میں پانی بھی ختم ہو گیا میں اپنے آپ کو ختم کرنا چاہتا تھا میں اپنی سونیا کے پاس جانا چاہتا تھا میں قبر سے اٹھ کر بھاگ پڑا انکل میرے پیچھے تھے میں مین سڑک پر آ کر ایک کار سے ٹکرا گیا پھر مجھے کچھ ہوش نہیں تھا جب ہوش آیا تو میں ہسپتال میں تھا میں مر جانا چاہتا تھا آپ لوگوں نے مجھے کیوں بچایا انکل مجھے گلے لگا کر رونے لگے انکل نے کہا تم میری آخری نشانی ہو میری بہن کی اور میری بیٹی کی محبت ہو۔ انکل میں کچھ سمجھا نہیں بیٹے تم میری بہن کے بیٹے ہو میں تمہارا ماموں ہوں ہاں بیٹا یہ سچ ہے ہم نے تم کو بہت تلاش کیا۔ لیکن تم ہم کو نہ ملے ایک دن سونیا نے تم کو دیکھ لیا تھا اس نے ہم کو بتایا کہ اختر اس جگہ رہتا ہے ہم تم کو لینے آنے ہی والے تھے کہ ایک دن پہلے سونیا کی کار سے تمہارا حادثہ ہو گیا۔ ہم نے اس راز کو راز ہی رکھا کہ تم سونیا کے کزن ہو میں نے کہا کیوں انکل کیونکہ ہم ڈرے تھے کہ تم ہم کو چھوڑ نہ دو ہم جانتے تھے کہ تم کو ہم سے اپنوں سے نفرت ہے بیٹا پلیز اب ہم کو چھوڑ کر نہ جانا اب تم ہی میری مرحوم بہن اور بیٹی کی نشانی ہو میں پھر اپنے ماموں کو گلے لگا کر رونے لگا ماموں نے مجھے باہر بھیج دیا تا کہ میں اپنے ماضی کو بھول جاؤں اور دو ماہ ہوئے ہیں مجھے باہر سے آئے ہوئے کچھ ماہ یہاں رہ کر واپس چلا جانا ہے اس بار ماموں اور انٹی دونوں کو باہر لے جانا ہے وہ کافی بار مجھ سے کہا چکے ہیں کہ شادی کر لو لیکن میں ہر بار ٹال دیتا ہوں میں اب شادی نہیں کرنا چاہتا میرے دل میں سونیا ہے اور مرتے دم تک سونیا رہے گی یہ تھا میرا نصیب اتنے میں اختر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

دوستو! یہ تھی اختر کی زندگی کی کہانی مجھے امید ہے کہ آپ لوگوں کو میری یہ کہانی پسند آئے گی یہ تو آپ کے خطوط سے پتہ چل جائے گا کہ مجھے کہانی کہاں تک لکھنے میں کامیاب ہوا ہوں مجھے آپ دوستوں کی رائے کا انتظار رہے۔

ختم شد

موجودہ صورتحال

مریم مرتضیٰ

ملک کی موجودہ صورتحال کے پیشِ نظر ملک مسلسل تباہی کی طرف کھینچا جارہا ہے۔ سیاست کے کھیل کھیل میں ملک کا ستیا ناس کرنے پر تل پڑے ہیں۔ وزیراعظم صاحب اگر مخلصانہ حکومت نہیں کرسکتے جو وہ نہیں کر رہے، مخلص رہنما باتوں کو گول مول کر کے راستے سیدھے نہیں کیا کرتے بلکہ اپنے اوپر آئے ہوئے جرموں یا الزاموں کا جواب دیا کرتے ہیں نہ کہ پردہ ڈال کر دوسری باتوں سے عوام کو بہلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اگر عوام کے ساتھ مخلص نہیں تو وہ ملک کے ساتھ غداری کر رہے ہیں لہٰذا عوام کو چاہیے کہ وزیراعظم سے استعفٰی کا مطالبہ کریں۔ وزیراعظم صاحب کی اصلیت کو سامنے رکھتے ہوئے لوگ پھر بھی فیصلہ نہیں کر پا رہے کیونکہ انہوں نے دو وقت کی روٹی کے لیے اپنا حق بیچ ڈالا۔ غریب عوام یہی کہتی ہے "ہمیں معلوم ہے ہمارا وزیراعظم چور ہے مگر ووٹ پھر بھی انہیں ہی دیں گے۔" مجبوری کی حالت میں عوام کو خرید لیا جاتا ہے۔ کیا یہی جمہوریت ہے۔؟ کیا یہی انصاف ہے۔؟ پیپلز پارٹی نے ڈھیرے سندھ میں تو ڈال ہی رکھے ہیں، وہاں میدانِ حشر کا سا ساماں پیش کیا ہوا ہے۔ مجھے پیپلز پارٹی اور مولانا فضل الرحمٰن کی ایک بات مشترک دکھائی دیتی ہے جدھر فائدہ دیکھا ادھر ہاتھ ملا لیا۔ ایم کیو ایم اور پاک سرزمین میں تو میں کا سلسلہ عروج کی طرف جارہا ہے۔ لندن سے مقابلے کیے جارہے ہیں۔ مصطفیٰ کمال بھی خوب مولا جٹ کا کردار پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ عمران خان عوام کے ساتھ تو مخلص ہیں مگر ان کے کچھ ساتھی ان ہی کے ساتھ مخلص نہیں نظر آرہے ہیں۔ خان صاحب عوام کے لیے سوچتے تو ہیں مگر ان کے ساتھی اپنے آپ کے بارے میں ہی سوچے جارہے ہیں۔ بظاہر خان صاحب کو اپنا چہرہ کچھ اور دکھا رہے ہیں اور اندر سے مختلف سوچ رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام انہیں صحیح سے سمجھ نہیں پا رہے۔ عمران خان پا۔ ملک کے موجودہ حلات اسے تباہی ملک کو تباہی کی طرف دھکیل رہے ہیں، بربادی کی طرف لے کر جارہے ہیں۔ یہی سیاست دان جو ملک بچانے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں دراصل یہ اپنا خزانہ بھرنے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ انہیں کسی کی کوئی فکر نہیں انہیں صرف اپنی فکر ہے۔ انہیں کسی کا احساس نہیں انہیں صرف اپنا احساس ہے۔ بھوکی عوام کا درد کسی کو نہیں صرف اپنا خزانہ بھرنے کی طرف توجہ ہے۔ یہ جو چہرے ہمارے لیے مخلصانہ ہیں دراصل یہ عوام کو دھوکہ سے رہے ہیں۔ ان کا حقیقت میں چہرہ اتنا بھیانک ہے کہ عوام دیکھ لے تو

بھول جائے ایسا کوئی رہنما پھر اس دھرتی کے لیے منتخب ہو۔ منافقت کی انتہا ہو چلی ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔ افسوس ہے کہ جس دو دیس پاکستان کو قائداعظم نے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے بنایا تھا اسی کو اپنے ہی حکمران لوٹ رہے ہیں۔ قائداعظم نے یہ ملک اس لیے بنایا تھا کہ مسلمان آزاد سانس لے سکیں مگر یہاں تو مسلمانوں کی سانسیں تنگ کی جا رہی ہیں۔ غریب کو غربت اور بے روزگاری کی چکی میں پیسا جا رہا ہے۔ اس وقت مسلمان پستے تھے دوسرے مذہب عیش کرتے تھے، آج مسلمان ہی عیش کرتا ہے اور مسلمان ہی پس رہا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے اس وقت اور اس وقت میں تب مذہب درمیان میں تھا اور آج امیری غریبی۔۔۔ آج حکمران عوام کو لوٹ رہے ہیں ان کا حق کھا رہے ہیں اس وقت بھی تو یہی صورتحال تھی۔ مسلماں ہی مسلماں کا دشمن بنا پھرتا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان حکمرانوں کی عیاشی کے لیے تو نہیں بنایا تھا۔ انہوں نے صرف امیروں کو آزاد تو نہیں کروایا تھا۔ کیا ملک اس لیے بنایا گیا تھا کہ امیر اعلیٰ علاج کے لیے ملک اور غیر ملک سے صحت یاب ہو رہا ہے اور غریب ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہا ہے۔ امیر نے علم حاصل کرنے کے لیے اپنے ادارے بنا لیے اور غریب علم سے محروم کیا جا رہا ہے۔ کیا ملک اس لیے بنایا گیا تھا۔؟ صرف امیر آزاد ہوئے تھے اور غریب ہمیشہ کی طرح افلاس کی چکی میں پستا رہا ہے۔

قائداعظم نے خطبہ صدارت دستور ساز اسمبلی ۱۹۴۷ کو فرمایا تھا ”اگر ہم اس عظیم مملکت پاکستان کو خوش اور خوشحال بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی پوری توجہ لوگوں بالخصوص غریب طبقے کی فلاح و بہبود پر مرکوز کرنی پڑے گی۔“

غریب طبقے پر توجہ تو دور کی بات کوئی مڑ کر دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ ہاں کبھی فوٹو شوٹ کروانے کے لیے ہمارے حکمران با مشکل قدم رکھ بھی دیں تو منٹ پورا نہیں ہو پاتا تو حکمران ایسے غائب جیسے کوئی خواب تھا کوئی۔ کیا علامہ اقبال نے اس مملکت کا خواب دیکھا تھا۔؟ کیا میرا ملک اس لیے معرض وجود میں آیا تھا۔؟ کیا بزرگوں نے خون اس لیے بہایا تھا۔؟ اس وقت بھی ہی تھا اور آج بھی یہی ہو رہا تھا۔ کل بھی مسلمان مر رہے تھے اور آج بھی مسلمان مر رہے ہیں۔ ہاں انداز مختلف ہے مگر ظلم ویسا ہی ہے۔ علم حاصل کرنا اس وقت بھی مسلمان پر تنگ تھا اور آج بھی راہیں دشوار ہیں۔ میرے قائد نے امیروں کے لیے تو نہیں بنایا تھا۔ حکمرانوں کے عیش کرنے کے لیے تو ملک نہیں بنایا گیا تھا۔ یوں تو اسلام پر بڑی بڑی تقریریں کرتے ہیں مگر جانتے بھی ہیں کہ اسلام نے حکمران کو کیا حکم دیا تھا۔ حضرت عمر کہتے تھے کہ اگر دریا کے کنارے کوئی کتا بھی پیاسا مر گیا تو حساب عمر سے ہوگا۔ اور یہاں تو لاتعداد انسان مر رہے ہیں مگر کسی کو پرواہ نہیں۔ سب اپنے محلوں میں آرام سے سو رہے ہوتے ہیں

حضرت عمر فاروقؓ کسی کام سے جا رہے تھے۔ ایک ساربان کو دیکھا

چلا یہ مسلمانوں کے امیر ہیں تو وہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ بھاگا بھاگا آپؓ کے پاس پہنچا اور پوچھا۔ "آپ مسلمانوں کے امیر ہیں۔؟" آپ نے جواب دیا۔ "میں ان کا امیر نہیں بلکہ میں ان کا محافظ ہوں۔" سیاح نے پوچھا۔ "آپ اپنا حفاظتی دستہ کیوں نہیں رکھتے۔؟" آپ نے جواب دیا عوام کا یہ کام نہیں کہ وہ میری حفاظت کریں بلکہ میرا فرض ہے کہ میں ان کی حفاظت کروں۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا تھا۔۔ "حکمران جب اپنی جان کی حفاظت کو ترجیح دینے لگیں تو وہ ملک و قوم کی آبرو کی حفاظت کے قابل نہیں رہتے۔" ذرہ سوچیے ہمارے حکمران کیا ہماری آبرو کی حفاظت کرنے کے قابل ہیں۔؟ پروٹوکول کے بغیر قدم نہیں رکھا جاتا ہے اور باتیں جیسے آسمان چھو رہی ہیں۔

قائد اعظم نے ۱۵ نومبر ۱۹۴۲ کو فرمایا تھا۔ "مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرزِ حکومت کیا ہو گا۔؟ پاکستان کے طرزِ حکومت کا تعین کرنے والا میں کون ہوتا ہوں۔ مسلمانوں کا طرزِ حکومت آج سے تیرہ سو سال قبل قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا تھا۔ الحمد اللہ قرآن کریم ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔"

قرآن حکیم کیا کہہ رہا ہے کبھی مڑ کر دیکھ لیں تو پھر کرپشن کے بوجھ تلے کیوں آئیں۔ غریب عوام کو کیوں لوٹ رہے ہوں۔؟ اپنے خزانے بھر کو عوام کے سامنے مخلص ہونے کی نوٹنکی کی جاتی ہے۔ یوں ظاہر کیا جاتا ہے جیسے ہمارے حکمران غریب عوام کا درد رکھتے ہیں ویسے تو کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ غریب عوام بھی بھولے بھالے چہروں کو دیکھ کر اپنے اوپر ہونے والے ظلموں کو بھول جاتی ہے، وہ سمجھتی ہے کہ سدھر گئے مگر یہ تو نیا کھیل کھیل رہے ہوتے ہیں۔ شرم ان کو تو آتی نہیں آپ ہی کچھ ہوش کے ناخن لے لو۔ سمجھ لو دھو کے باز وفادار کیسے وفادار ہو سکتا ہے۔؟

غزل

مجھے لگتا ہے پھر آہ کی یہاں آواز آئی ہے
کہانی دکھ بھری میری یہاں کس نے سنائی ہے
نہیں اب چھوڑنا دامن مرے لوگوں امیدوں کا
مرے لوگو اٹھو سب زندگی پھر مسکرائی ہے
ملے ہیں جو مجھے غم دنیا میں کیا وہ یہاں کم تھے
یہ میری زندگی جو ایک غم اب اور لائی ہے
یہاں کوئی نہیں کرتا بھلا اب تو غریبوں کا
یہاں پر چپ ہی رہنے میں غریبوں کی بھلائی ہے
اٹھو لوگو تجھے سب کو یہاں انصاف لینا ہے
اٹھو لوگو گھڑی انصاف کی یہ دیکھو آئی ہے
یہاں جب دیکھتا ہوں میں تو اکثر سوچتا ہوں میں
نہ جانے کیوں یہاں پر فرش والوں کی خدائی ہے
رضا تو نے کیوں دنیا میں دل اپنا لگایا ہے
تری قسمت میں تو غم ہیں تڑپ ہے اور جدائی ہے

شاعر: علی رضا

کفارہ

ثمینہ فیاض

ناظم حسین جب عصر کی نماز کے لیے گھر سے نکلے تو دروازے پر تالا لگا کر مسجد کی جانب روانہ ہو گئے راستے میں ملنے والے بہت سے محلے دار جوان ہی کی طرح مسجد کا رخ کر رہے تھے مصافحہ کرتے خیریت دریافت کرتے مسجد کے دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ بکھرے سفید بال مٹی سے اَٹے ہوئے چہرے پر جھریاں گندے پھٹے سے کپڑے ننگے پیر پالتی مارے وہ مسجد کے دروازے پر بیٹھی اک تھیلی سے بریانی کھا رہی تھی شاید کسی نے زیادہ خدا ترسی کر دی تھی کہ اس غریب کو بھوکا دیکھ کر کھانے کو کچھ دے دیا تھا ورنہ کئی کئی دن اسے نہ کھانے کا ہوش ہوتا تھا نہ اپنی زندگی کا وہ پاگل مائی تھی جسے بچے پتھر مار مار کر اکثر زخمی کر دیا کرتے تھے جو سردی میں لان کے میلے اور پھٹے جوڑے میں ساری ساری رات سڑک پر بیٹھ کر اپنی مری ہوئی بیٹی کے آنے کا انتظار کر تی تو جون جولائی کے شدید گرمی میں گرم کوٹ پہنے پھرتی۔

یہی ہے------یہی ہے--میری بچی کا قاتل یہی ہے

ناظم حسین کی جانب اشارہ کرتی وہ چلا رہی تھی اس نے پتھر اٹھا کر مارنا چاہا تو محلے کے کچھ لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور ڈانٹ کر بھگا دیا ناظم حسین جلد ہی مسجد میں داخل ہو گئے لوگ اس پاگل مائی سے بہت تنگ تھے ہر اک کو وہ اسی طرح اپنی بچی کا قاتل کہتی تھی مگر ہر کوئی اسے دھتکار دیتا تھا یہ پاگل مائی اسی محلے کے اک گھر میں رہائش پزیر تھی کئی سال پہلے اپنی جوان بیٹی کی خود کشی کرنے پر لاش دیکھ کر پاگل ہو گئی تھی اور اسی صدمے میں اس لڑکی کا باپ بھی مر گیا تھا اب اس دنیا میں اس پاگل مائی کا کوئی والی وارث نہ تھا وہ ہی اکیلی تھی جو بے مصرف سڑکوں پر اپنی بچی کے قاتل کو ڈھونڈتی پھرتی تھی لیکن اس کی فریاد کوئی نہ سنتا تھا پر۔

گناہ گار شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ سننے والا تو اوپر بیٹھا ہے جو ہر اک کی سنتا ہے۔

نوشین کا باپ ناظم حسین اک بہت مزہبی آدمی ہے وہ اک پنج وقتہ نمازی اور دین دار انسان

ہیں پورا محلہ ان کی دینداری کی گواہی دیتا ہے لوگ اپنے
مسائل کا حل ان سے پوچھنے آتے ہیں جسے بحسن وخوبی وہ
اپنے علم کے مطابق لوگوں کو بتاتے ہیں۔ ان کے گھر کی
کھڑکیوں پر مٹنڈ گلاس لگوا کر سیل کر دی گئیں ہیں اور اوپر سے
ان پر پڑے پردے نوشین اور اس کی والدہ کو آسمان بھی
دیکھنے نہیں دیتے فون صرف ابو جی اٹھاتے ہیں کہ کوئی نامحرم
ان کی آواز نہ سنے نوشین کی کوئی سہیلی نہیں ہے کسی کزن کو
گھر آنے یا جانے کی اجازت نہیں ہے دن رات پردے پر زور
رہتا ہے نہ ان کے گھر میں ٹی وی ہے نہ ریڈیو موبائل اور کمپیو
ٹر تو بہت دور کی بات ہے گھر بہت خوبصورت اور بڑا ہے لیکن
گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے اگر کہیں باہر جاتے
بھی ہیں تو باپ اور ماں کے ساتھ وہ برقعہ اوڑھ کر نقاب لگا کر
ہاتھوں میں دستانے اور آنکھوں پر کالا چشمہ یہاں تک کہ کا
لے رنگ کے موزے بھی وہ دنیا کو دیکھنا چاہتی ہے دنیا کہ با
رے میں جاننا چاہتی ہے اسے بہت سی کتابیں دے دی گئی
ہیں جن سے اس کی دوستی ہے اس نے جو کچھ بھی سیکھا ان کتا
بوں سے ہی سیکھا ہے افسانے اور ناولز میں آنے والے ہیروز
اس کی سوچ میں پیوست ہیں وہ میٹرک تک اک گرلز اسکول
میں پڑھتی رہی تھی اور اب پرائیوٹ امتحان دے کر انٹر کر
چکی تھی جب کہ تعلیم مرد وعورت پر لازمی قرار دی گئی ہے تو
اسے مزید پڑھنے کی اجازت کیوں نہ دی گئی اس کی شادی طے
کر دی گئی تھی اور اس نے لڑکے کو دیکھنا تو دور کی بات اس

کے بارے میں بھی کچھ نہ جانتی تھی اپنے باپ کے خوف سے
وہ بول بھی نہیں پاتی تھی اور ناظم حسین اس بات کو اپنی اچھی
تربیت گردانتے تھے وہ جو اسلام کی صحیح روح سے واقف بھی
نہ تھے وہ جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اپنے گناہوں کو چھپانے کی
کوشش کر رہے تھے یہ بھی نہ جانتے تھے کہ شرعی طور پر بیٹی
سے اس کے نکاح کے بارے میں کوئی رائے بھی لی جانی چا
ہیے بلکہ ان کی نظر میں اس بات کی بھی کوئی اہمیت نہ تھی نو
شین اکیلے رہ رہ کر اور کتابیں پڑھ پڑھ کر اک ذہنی مریضہ
سی بن گئی تھی اس کی دنیا ان کتابوں سے آگے کچھ نہیں تھی
اس کے باپ نے دنیا کا ایسا نقشہ کھینچا تھا کہ اسے دنیا سے
خوف محسوس ہوتا تھا تو دوسری جانب رومانوی افسانوں میں
ہیرو ہیروین کے عشق کی داستانیں پڑھ کر اس کی کچی عمر
اسے ورغلاتی کہ وہ بھی کسی لڑکے سے ملے اور وہ بھی کسی کے
دل میں اس طرح سما جائے کہ کوئی اس کا دلدار بن جائے یہی
وجہ ہے کہ وہ بہت کنفیوز رہتی ہے اور کبھی کبھی گھبراہٹ
میں ہکلاتی بھی ہے اس کی شادی ہو جاتی ہے بہت سادگی کے
ساتھ نکاح کر کے رخصت کر دی گئی تھی مووی اور فوٹوز کی
اس کے باپ نے پہلے ہی پابندی لگا دی تھی اور مہندی ناچ گا
نے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا رخصتی والے دن ہی
اس نے اپنے شوہر کو دیکھا تھا اس رات کے بارے میں اس
نے ایک امیج اپنے زہن میں بنایا ہوا تھا کہ اس کا شوہر اس
سے باتیں کرے گا اس کی تعریف کریں گے اس کے نرم و

گدا اس ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لے گا لیکن جیسے ہی اس کا شوہر کمرے میں آیا اس نے بھاگنا شروع کر دیا اس کا شوہر سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا کہ اسے ہوا کیا ہے وہ بری طرح چیخ رہی تھی خبر دار جو میرے قریب آئے میں تمھیں جان سے ماردوں گی یا خود مر جاوں گی تم مجھے نہیں چھو سکتے وجہ کیا تھی وجہ اس کے باپ کے وہ جملے جو ہمیشہ اس نے سنے تھے کہ دنیا بہت خراب ہے یہاں مرد نہیں وحشی درندے گھومتے ہیں جو لڑکیوں کی عزتیں پامال کر دیتے ہیں اور کوئی انہیں نہیں پکڑ تا یہی وجہ تھی کہ اسے دنیا کا صرف منفی رخ ہی سنا تھا اور زندگی کے انتہائی خوبصورت رشتے میں بندھنے کے باوجود وہ اس رشتے کی حقیقتوں کو قبول نہیں کر پا رہی تھی

در حقیقت ناظم حسین اپنے کئے گئے گناہوں کے بوجھ تلے دبے ایک ایسے انسان تھے جو اپنی بیٹی کو اپنے کیے گئے گنا ہوں کے کفارے سے بچانا چاہتے تھے ان کا ضمیر انہیں دن رات کچوکے لگا تا لیکن اب ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں تھا بھلے دنیا کی نظر میں وہ اک پارسا انسان تھے دن رات عبادت کرتے گڑگڑا کر اپنے رب سے اپنے کئے گئے گناہ کی معافیاں مانگتے لیکن جس نے معاف کرنا تھا وہ تو کب کی اس دنیا سے چلی گئی تھی اس کی پوری فیملی تباہ ہو چکی تھی ماں پاگل اور باپ مر چکا تھا اور اسے انصاف نہ ملتا یہ کیسے ممکن ہے ہمیں بنانے والا ہمارے سب رازوں سے واقف ہے ظاہر بھی اور باطن بھی وہ ہی جزا و سزا دیتا ہے اس کی لاٹھی بے آواز ہے جب پڑتی ہے تو دن میں تارے دکھ جاتے ہیں کوئی اس کے انصاف سے بچ نہیں سکتا۔

دنیا کی خوبصورتی اور اس میں بسنے والے اچھے لوگوں کا نوشین نے کبھی تذکرہ ہی نہ سنا تھا باپ کی کہی گئی باتیں اس کے دل و دماغ میں کچھ ایسے پیوست ہو چکی تھیں کہ لاکھ کتابوں میں محبت کے قصے پڑھنے رومانوی ناولز کے کرداروں میں اپنا ہیرو تلاش کرنے والی وہ معصوم سی لڑکی ذہنی طور پر حقیقی دنیا کے رنگوں سے ناواقف تھی اسی لیے حقیقت کو قبول کرنے اور اس رشتے کی پاکیزگی اور اسے مان دینے سے بھی قاصر تھی اور وہی ہوا جو اس منفی سوچ اور ہر وقت کی پابندی کے نتیجے میں ہو سکتا تھا اگلے دن نوشین کی لاش کمرے سے ملی۔ اس نے خودکشی کر لی تھی۔ نوشین کی ماں اس صدمے کو برداشت نہیں کر سکی تھی وہ اپنی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی کو کھو چکی تھی دل کے دورے نے اس کی بھی جان لے لی۔ آج ناظم حسین سڑکوں پر اسی پاگل مائی کی طرح دربدر بے مصرف گھومتا پھرتا ہے اور ہر اک سے ہاتھ جوڑ جوڑ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے۔ بچے اس پر پتھر مار مار کر بھاگتے ہیں وہ اکثر زخمی ہو جاتا ہے لیکن اس کی سزا مرتے دم تک جاری رہے گی اور نہ جانے اس کا انجام محشر میں کیا ہو گا

ختم شد

خوشی مل گئی

سحرش علی نقوی

'افشاں.. اٹھوافشاں.. بہت سولیا' ساجدہ بیگم کچن میں ناشتہ پکاتے ہوئے آوازیں دے رہی تھیں۔

'یاخدا کب مجھے سکون کی نیند نصیب ہو گی۔ کچھ دیر اور سو لیتی تو کیا زمین مل جاتی یا آسمان نیچے آگرتا۔ امی سے بھی میری نیند برداشت نہیں ہوتی ہونہہ'۔ افشاں ناک منہ چڑھائے غصے سے میں منہ میں ہی بڑبڑاتے اٹھ بیٹھی۔ سر کھجاتے ہوئے فریش ہونے کے لے ئے چل دی۔ کچھ دیر تک کالج کے لیئے تیار ہو کر ڈائنگ ٹیبل پر آبیٹھی۔

'امی ناشتے میں کیا ہے؟ مجھے بہت بھوک... الفاظ ابھی ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ ساجدہ بیگم نے ناشتے کی ٹرے اس کے آگے رکھ دی۔

'امی یہ تو بس پراٹھا اور رات والا آلو کا سالن ہے میرا آملیٹ کہاں ہے؟'

'نخرے نہ کرو، چپ چاپ کھانا کھاؤ'۔ امی نے ذرا غصے میں جواب دیا۔

'مجھے نہیں کھانا آپ مجھے ابھی آملیٹ بنا کر دیں'۔

میں اکیلی جان کیا کیا بناؤں؟' ساجدہ بیگم تیوڑیاں چڑھاتے ہوئے بولیں۔

'تو کیا آپ مجھے اب باسی سالن دیں گی؟' وہ چڑ کر بولی تھی۔

باسی؟ کل رات کا پکا آج باسی ہو گیا کیوں کے میں نے آملیٹ نہیں بنایا؟ اتنا ہی نخرہ ہے تو صبح جلدی اٹھ جایا کرو اور جو دل میں آئے پکا لیا کرو'۔

بس یہ سننا تھا کہ افشاں کرسی سے اٹھی اور منہ پھلاتے چل دی۔ وہ ایسی ہی تھی ذرا ذرا سی بات پر منہ بنا دینے والی۔ چھوٹی چھوٹی بات کو بڑا مسلہ بنا دینے والی۔

'زینت لیکچر چھوڑو میرے ساتھ کینٹین چلو مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ آج میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا اور میرا موڈ بھی کچھ

ٹھیک نہیں۔' افشاں مظلومانہ انداز میں بولی۔

'اچھا بابا چلو۔ویسے آج میرا موڈ بھی کچھ خاص نہیں'۔زینت منہ بناتے بولی۔

'کیا ہوا تمہارے موڈ کو؟' افشاں نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

'بس اب کیا بتاؤں'۔زینت چہرے پر بے چارگی لاتے ہوئے بولی۔

'جو بات ہے وہی بتاؤ اور کیا'۔ اس نے کندھے اچکاتے کہا۔

'یار میں نے اپنے لیئے چار سوٹ لینے تھے پر امی نے پیسے نہیں دیے اور چار باتیں بھی سنادیں کہ میں بہت پیسے اڑاتی ہوں حالانکہ میں نے ان سردیوں میں اب تک سات جوڑے ہی لیئے ہیں۔اوپر سے جیب خرچ بھی بہت کم ہے بڑی مشکل سے میرا گزارا ہوتا ہے۔' زینت نے اپنا دکھڑا سنایا۔

'یہ تو بہت برا ہوا تمہارے ساتھ۔ آنٹی کو ایسے نہیں کرنا چاہیے۔ان کو سمجھنا چاہئے کے اب ہم ایک ہی کپڑے بار بار تو نہیں پہن سکتے نا۔' وہ ایسے بولی جیسے اسے زینت واقعی ہی بڑی مظلوم لگی ہو۔

'ہاں نا.... تم بتاؤ تمہارا موڈ کیوں آف ہے؟ وہ تجسس سے بولی۔

'میری نیند پوری نہیں ہوئی رات دیر سے سوئی تھی صبح امی نے جلدی اٹھادیا اور مجھے آملیٹ بھی بنا کر نہیں دیا۔' اب مظلوم بننے کی باری افشاں کی تھی۔

'ویری بیڈ.... آنٹی کو پتہ بھی ہے کے تم رات کو عمران بھائی سے بات کرتی ہو اس لے ئے لیٹ سوتی ہو پھر بھی تمہیں جلدی اٹھادیا'۔

'ہاں جی...اوپر سے ہر وقت جھاڑ بھی دیتی ہیں کے عمران سے نکاح کا یہ مطلب نہیں کے ساری رات اس سے بات کروں'۔وہ چہرہ مزید اداس کر کے بولی۔'پر چلو کچھ کھالیں بہت بھوک لگی ہے۔'

....

صبح مس افشاں کھانا کھائے بغیر گئی تھیں تو امی نے پریشان تو ہونا ہی تھا اس لیئے اسکے گھر آنے سے پہلے ہی اسکے موڈ کا بندو بست کر دیا گیا تھا۔

'افشو میں نے آج خاص تمہارے لیئے کھیر بنائی ہے تمیں بہت پسند ہے نا'۔امی ہاتھ میں کھیر کا پیالہ لے ئے افشاں کے کمرے میں آپہنچیں۔

'شکریہ امی'۔وہ کھیر کا پیالہ امی سے لیتے ہوئے بولی۔

'بیٹا تم صبح خالی پیٹ ہی چلی گئی تھی کالج سے پتا نہیں کیا گند بلا کھا کر آئی ہو گی، باہر کے کھانے صحت کے لے ئے ٹھیک نہیں ہوتے'۔وہ فکر مندی سے بولیں تھیں۔

'گھر میں کھانا مل جائے تو باہر کھانے کی نوبت ہی نہ آئے'۔وہ چمچ کو کھیر سے بھرتے ہوئے بولی۔

'تمہیں گھر میں کھانا نہیں ملتا؟توبہ توبہ کرو افشاں'۔امی کو دکھ سا ہوا۔

'امی کھانے میں اور پسند کے کھانے میں فرق ہوتا ہے۔آپ

کو تو پتا ہے مجھے اپنی پسند کا کھانا نہ ملے تو میرا موڈ آف ہو جاتا ہے'۔ وہ لاپروائی سے بولی۔

'ہر دفعہ پسند کا نا صحیح کم از کم تمہیں کھانے کو تو ملتا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں جن کو کھانے کے لے ئے بھی نہیں ملتا۔' ان کا لہجہ افسردہ تھا۔

'ان لوگوں سے میرا کیا امی؟' وہ بیزاری سے بولی تھی۔

'جو بھی ہے۔ آئندہ یوں غصہ ہو کر مت جانا، رزق کی بے ادبی نہیں کرتے بیٹا تم تو میری پیاری بچی ہو۔ جو کچھ ملے صبر و شکر سے کھایا کرو۔' امی نے اب پیار سے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

'امی آپ پھر لیکچر دینے لگ گئیں'۔ وہ اٹھی اور کمرے کا دروازہ دھماکے سے بند کرتے ہوئے چل دی۔ اس کی ہمیشہ سے یہی عادت تھی جب بھی سمجھانے کے لے ئے کچھ بولا جائے وہ یونہی دروازے بجاتے چلی جاتی تھی۔

....

'صبح کا وقت تھا۔ افشاں اور زینت نے سوچا کہ تھوڑی واک ہو جائے چنانچہ وہ دونوں اکٹھے ہو کر ایک پارک میں پہنچ گئیں۔ دونوں واکنگ ٹریک پر چلتے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ تب افشاں اپنا رات کا دیکھا ہوا خواب سنانے لگی۔

'میں نے دیکھا کہ آدھی رات کا وقت ہے۔ اس قدر تاریکی ہے کہ پوچھو مت۔ میں بستر سے اٹھنا چاہ رہی تھی لیکن میرا جسم پتھر بن چکا تھا بالکل بے جان۔ میں مدد کے لے ئے آوازیں دے رہی تھی۔ چیخ رہی تھی چلا رہی تھی پر کوئی میری مدد کو نہیں آیا۔ میں نے اپنی پوری قوت لگا دی پورا زور لگا دیا پر میں اٹھ نہ سکی۔ پھر اچانک میں ایک بہت گہری کھائی میں جا گری۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی'۔ وہ خواب سناتے سناتے پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔

زینت قہقہ لگا کر ہنسنے لگی پھر ہنستے ہنستے بولی۔

'بڑا ہی فضول خواب ہے'۔

افشاں نے گھور کر زینت کو دیکھا تو زینت ہنسی روک کر بولی۔

'ارے یار خواب ہی تو ہے۔ پتہ نہیں کتنے اوٹ پٹانگ خواب ہر انسان کو آتے ہیں۔ سو جسٹ چل'۔

'آئی نو... بس یونہی ابھی رات کا خواب یاد آیا تو تمہیں سنا دیا۔' بات کرتے کرتے افشاں کی نظر سامنے سڑک پہ جھاڑو دیتی ہوئی لڑکی پہ پڑی جو کہ لنگڑا بھی رہی تھی اور جھاڑو بھی دے رہی تھی۔ ایک دم افشاں کے سر میں دھماکہ سا ہوا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا خواب کسی فلم کی طرح چلنے لگا اور وہ بے ساختہ اس لڑکی کی طرف دوڑ گئی۔ زینت بھی اسکے پیچھے، پیچھے آ گئی۔ اس لڑکی کے قریب جا کر افشاں نے بے اختیار اسکے ہاتھ سے جھاڑو لے لیا اور سوال کیا۔

'کیا ہوا تمہارے پاؤں کو؟ کیا یہ پتھر بن گیا ہے؟' وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کے اس نے ایسا انتہائی فضول سوال کیوں کر ڈالا۔

زینت بس حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی اور وہ لڑکی خاموش تھی۔افشاں کو اپنے کے ئے گئے سوال پہ شرمنگی سی ہوئی جس کو مٹانے کے لئے اس نے بغیر سوچے سمجھے اگلا سوال کیا۔

'تمہارا نام کیا ہے؟

'غزالہ'۔لڑکی نے اپنا نام بتایا اور افشاں کے ہاتھ سے جھاڑو لے کر اپنے کام میں لگ گئی افشاں کچھ دیر خاموش اسے دیکھتی رہی اور پھر سے بغیر سوچے سمجھے سوال کیا۔

'کیا تم روز یہاں آتی ہو؟

غزالہ نے جھاڑو دیتے ہوئے ہی جواب دیا۔

'جی روز آتی ہوں'۔

افشاں اب بہت غور سے جھاڑو دینے والی لڑکی کو دیکھنے لگی۔

زینت اب الجھن کا شکار ہونے لگی تھی اور افشاں کے تاثرات سے سمجھ گئی کے وہ مزید سوال وجواب کے موڈ میں ہے۔اس سے پہلے کے افشاں مزید کچھ بولتی وہ افشاں کا ہاتھ پکڑے وہاں سے چل دی اور سڑک کے دوسرے کونے میں لے جا کر سوال کیا۔

'افشاں تمیں اچانک کیا ہوا؟اس انجان لڑکی سے تم سوال جواب کیوں کر رہی تھی؟'

'اس کو دیکھتے ہی اچانک سے میرے دماغ میں میرا خواب گھومنے لگا۔ایک لمحے کے لے ئے مجھے لگا کہ شاید اس کا پاؤں بھی پتھرا گیا ہے جیسے میں پتھرا گئی تھی۔میں نے کتنا زور لگایا تھا بستر سے اٹھنے کے لے ئے اسی طرح ایک پاؤں کے ناکارہ ہونے کی وجہ سے اسے بھی تو بہت زور لگانا پڑتا ہو گا'۔

زینت نے جواب میں کچھ نہ کہا۔دار صل اسے سمجھ ہی نا آیا کہ اتنی بے تقی بات کا وہ کیا جواب دے۔اسے خاموش دیکھ کر افشاں بھی خاموش ہو گئی۔مزید کچھ نہ کہا۔

وہ دونوں اکثر ہی اس پارک میں آتی تھیں اور جانے کتنی باران کی نظر غزالہ پر پڑی ہو گی پر کبھی انہوں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔جانے آج ایک خواب کی وجہ سے وہ کیسے غزالہ کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

....

افشاں کھاتے پیتے گھرانے سے تھی۔وہ بہت زیادہ امیر لوگ نہیں تھے پر اچھے بھلے تھے۔اس کی چھوٹی بڑی بہت سی خواہشیں ادھوری رہ گئیں تھیں۔اسے ایسا لگتا تھا کے اس کی کبھی کوئی خواہش پوری ہوئی ہے نہ ہو گی۔عمران سے نکاح بھی گھر والوں کی مرضی سے ہوا تھا اور اس نے گھر والوں کی مرضی کے آگے سر جھکا لیا۔جب کہ وہ ہمیشہ سے پسند کی شادی پر یقین رکھتی تھی۔افشاں کو کبھی خوشی نہیں ملی تھی۔پر وہ نہیں جانتی تھی کے اس کے نصیب میں بھی خوشیاں ہیں۔ایک دن اس کو بھی خوشی ملے گی۔

....

امی آج میں نے کالج میں اپنی ایک فیلو کے پاس موبائل فون دیکھا ہے، مجھے بھی وہ چاہیے'۔شام کی چائے کے بعد اس نے

کہا۔

'ابھی چندماہ پہلے ہی تو تم نے نیا سیل لیا تھا وہ بھی اپنی پسند کا
'۔ساجدہ بیگم نے تیوڑی چڑھائی۔

'اب نیا لینا ہے میں نے وہ پرانا ہو گیا ہے۔'

'افشاں تمہارے ابو بہت محنت سے پیسے کماتے ہیں اپنی فضول خرچیوں کو کنٹرول میں رکھو'۔امی کا پارہ چڑھنے لگا تھا۔

'دنیا کا ہر باپ محنت کرتا ہے امی اور اگر آپ میری خواہشات کو پورا نہیں کر سکتے تھے تو میرے پیدا ہوتے ہی مجھے مار دیتے۔'

'افشاں۔'امی چلائیں۔

'سچ ہی تو کہہ رہی ہوں آپ لوگوں نے مجھے دیا ہی کیا ہے امی،میری کلاس فیلوز کے پاس گاڑی ہے میں نے آپ سے گاڑی مانگی آپ نے وہ تک نہ دی یہ جانتے ہوئے بھی کہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ میرے پاس اپنی گاڑی ہو۔اوراب آپ مجھے ایک نیا فون تک نہیں دلا سکتے'۔

'گاڑی کے لے ئے پیسے درخت پر نہیں لگتے ناہی تمہاری فضول خرچیوں کے لے ئے آسمان سے پیسے ٹپکتے ہیں۔آنے دو تمہارے ابو کو اب وہی فیصلہ کریں گے تمہارا'۔ساجدہ بیگم روایتی امیوں کی طرح ابو کی دھمکی دے کر غصے سے چل دیں
۔

....

'یاخدا!اتنی بڑی ہیل والی جوتی'۔افشاں کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

'میری ہائیٹ بہت چھوٹی ہے نا اس لے ئے لی ہے تاکہ مجھے کمپلیکس نہ ہو کاش میرا قد تھوڑا لمبا ہوتا۔'زینت معصومیت سے بولی۔

'پر یہ تو بہت قیمتی لگ رہی ہے،تمہاری امی نے اتنے پیسے دے دیئے؟'افشاں سر کھجاتے ہوئے بولی۔

'ہاں پانچ ہزار کی ہے،میں نے رو دھو کر پیسے لیے اب دیکھو نا ہیل والی جوتی نہ پہنوں تو میں بہت کمپلیکس کا شکار ہو جاتی ہوں۔آخر سوسائٹی میں رہنا ہے اور خوبصورت سے خوبصورت دکھنا ہے'۔زینت نے مزید معصوم انداز میں کہا۔

'چلو اچھا ہے۔تمہیں تو تمہاری امی نے جوتے کے لے ئے پیسے دے دے ئے لیکن میری امی نے مجھے نیا سیل فون لے کر دینے سے انکار کر دیا ہے'۔وہ مایوسی سے بولی۔

'تم ضد کرو کہ تمہیں ہر حال میں نیو سیل چاہیۓ'۔زینت نے کہا۔

'ضد نہیں کر سکتی ورنہ امی جا کر ابو کو الٹی سیدھی شکایتیں لگا دیں گی۔کل بھی مجھے دھمکی دے کر گئیں تھیں پر ابو سے کچھ کہا نہیں۔یہ نہ ہو کہ میری ضد کی وجہ سے وہ اپنی دھمکی پوری کر ڈالیں'۔

'تو اب'؟

'بس یارا!.......کاش ہماری قسمت بھی دوسروں جیسی ہوتی

۔جو چاہا...... پالیا..... میں تو سوچتی ہوں کاش میں کسی امیر ترین گھر میں پیدا ہوئی ہوتی؟ وہ آہ بھرتے ہوئے بولی۔

'اور کاش میں کترینہ جیسی لمبی ہوتی'۔ زینت نے معصومیت سے کہا اور افشاں اس بات پر دل کھول کہ ہنس دی۔ کچھ دیر تک ہنسنے کے بعد وہ یکدم بہت سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔

'رات میں نے پھر سے ایک عجیب خواب دیکھا زینت۔ میں نے دیکھا کہ میں کسی چیز میں جکڑی ہوئی ہوں۔ پتہ نہیں وہ کیا چیز تھی۔ نہ وہ رسی تھی نہ زنجیر۔ پھر بھی میں جکڑی ہوئی تھی۔'

'اب تم خواب میں صرف اور صرف عمران بھائی کو دیکھا کرو' ۔زینت نے شرارتی انداز میں کہا اور افشاں مسکرانے لگی پھر اپنے ہاتھ میں پہنی ورسٹ واچ پر ٹائم دیکھ کر بولی۔

'مجھے اب اپنے گھر جانا چاہیے۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ میں تو تم سے اسائنمنٹ میں ہیلپ لینے آئی تھی پر باتوں میں ہی وقت گزر گیا۔ میں چلتی ہوں اب'۔

اس نے جلدی جلدی کتابیں وغیرہ سمیٹیں اور چل دی۔

وہ دونوں اکثر ہی پڑھائی کرنے کی نیت سے ایک دوسرے کے گھر چلی جاتی تھیں پر ہمیشہ ہی ایک دوسرے کو اپنے دکھڑے سنانے میں وقت ضائع کر دیتی تھیں۔ شاید ہی انہوں نے کبھی پڑھائی کی ہو۔

....

صبح صبح وہ دونوں واک پر آئی تھیں۔ واک کرتے کرتے افشاں نے عمران کو کال کر لی۔ اس نے سیل میں ہینڈ فری لگائی ہوئی تھی جس کا ایک ایئر فون اس نے اپنے کان میں اور دوسرا ایئر فون زینت کو دے رکھا تھا۔ افشاں اور عمران کی باتوں میں زینت بھی ٹانگ اڑائے ہوئے تھی۔ وہ سب سن رہی تھی اور بیچ بیچ میں بول بھی پڑتی تھی۔ ان دونوں کی شادی تین ماہ بعد ہونا تھی۔ ان تین ماہ میں افشاں اور غزالہ کے گریجویشن کے پیپرز بھی ہو جانے تھے۔ کال پر عمران شادی کی تیاریوں کے حوالے سے بات کر رہا تھا اور اس نے بس یونہی افشاں کو بول دیا کے شادی کی شاپنگ میں بس وہی چیزیں لینا جن کی ضرورت ہو۔

'کیا مطلب ہے آپ کا، میں اپنی شادی میں کنجوسی کروں'۔ وہ جواب میں بولی۔

'ہرگز نہیں۔ دل کھول کر شاپنگ کرو لیکن صرف وہ لو جو تمہارے کام کا ہو۔ تمہاری عادت ہے فضول چیزیں لینے کی اور خوامخواہ ہی لینے کی'۔ عمران اس کی عادتوں سے واقف تھا اس لیے بس سرسری سا سمجھا رہا تھا۔

افشاں کا موڈ یک دم ہی بگڑ سا گیا۔ زینت نے موقع کی مناسبت سے اپنے کان سے ایئر فون نکالا اور تھوڑا دور ہو کر چلنے لگی۔ زینت کے دور ہوتے ہی اس کے جو منہ میں آیا وہ عمران کو سناتی گئی۔ آپ کنجوس ہیں، آپ کو امی میرے بارے میں پٹیاں پڑھاتی ہیں، میں نے کب کوئی فضول چیز لی ہے، میں نے تو ہمیشہ ضرورت کی چیزیں ہی لی ہیں۔ جانے وہ

کیا کیا بولتی گئی پھر فون کال بند کر کے رونے لگی۔ اسے لگا اس کی زندگی برباد ہی رہے گی۔ امی سے لڑ کر وہ ہمیشہ یہی سوچتی تھی کے شادی کے بعد وہ اپنے سارے ارمان پورے کر لے گی پر اب عمران کی بات سے اسے اپنے سارے خواب بکھرتے نظر آئے۔ وہ کیسے ایک کنجوس شوہر کے ساتھ گزارے گی۔ اس کی آدھی زندگی تو کنجوس ماں کی وجہ سے خراب ہوئی تھی اب باقی کی کنجوس شوہر کے ساتھ خراب ہونے جارہی تھی۔ افشاں مسلسل اپنی بدقسمتی پر آنسو بہائے جارہی تھی اور زینت اسے تسلیاں دینے میں لگی تھی۔ وہ دونوں پارک میں موجود ایک بینچ پر بیٹھ چکی تھیں۔ آنسو بہاتے افشاں کی نظر غزالہ پر پڑی اور وہ یکدم ہی رونا بھول گئی۔ زینت بس حیران سی رہ گئی کہ اچانک افشاں کے آنسو کیوں تھم گئے۔

....

کالج کی کینٹین میں افشاں ہاتھ میں چائے کا کپ لیے مسلسل خیالوں میں ڈوبی تھی آخر زینت تنگ آ کر بولی۔

'افشاں تم اتنی کھوئی کھوئی کیوں ہو؟'۔

'نہیں تو'۔ وہ دونوں صبح کی واک کے بعد اب کالج میں ملی تھیں۔ سارے لیکچرز میں افشاں خاموش تھی اور اب کینٹین میں بھی وہ چپ چپ سی تھی۔

'عمران بھائی سے صبح ہونے والی نوک جھوک پر پریشان ہو؟' زینت نے بھنویں سوالیہ انداز میں اچکا کر پوچھا تھا۔

'ارے نہیں.... عمران سے صبح ہی بات کلیئر ہو گئی تھی'۔ وہ چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے بولی۔ 'پارک سے گھر آنے کے بعد عمران کی کال آئی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ مجھے ہرٹ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی طرف سے بس ایک جنرل بات کی تھی'۔

'بہت اچھا ہوا کہ بھائی سے بات کلیئر ہو گئی پر اب تم کیوں اتنی گم صم ہو؟' اسے تجسس سا ہوا۔ 'کوئی پرابلم ہے تو مجھ سے بات کرو شاید میں تمہارے مسلئے کا حل نکال پاؤں'۔

'زینت میرا وہ خواب اور وہ غزالہ...... جب میں نے اپنا جسم پتھر پایا تو میں نے خود کو ایک اذیت میں دیکھا تھا لیکن وہ صرف ایک خواب تھا پر غزالہ تو حقیقت ہے نا... وہ کیسے اس کرب میں زندہ ہے؟ وہ کیسے اپنی زندگی گزار رہی ہے؟ میرا خواب جب مجھے یاد آتا ہے تو میں خوف محسوس کرتی ہوں تو کیا غزالہ کو خوف محسوس نہیں ہوتا؟

'یہ اچانک غزالہ کہاں سے آ گئی؟' زینت نے حیرانی سے کہا۔

'آج صبح جب میں رو رہی تھی تو میں نے اسے دیکھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں آسانی سے چل پھر سکتی ہوں پر رو رہی ہوں۔ وہ معذور ہو کر بھی اتنے اطمینان سے اپنا کام کیسے کر سکتی ہے؟

'ہمم..... اس بات کا جواب تو وہ خود ہی دے سکتی ہے'۔ زینت نے کندھے اچکاتے جواب دیا اور افشاں خاموش ہوتے ہوئے کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

....

'افشاں دو دن سے تم غائب ہو نہ کسی میسج کا جواب دیتی ہو نہ ہی کالج آتی ہو؟ میں بہت پریشان ہو گئی تھی اسی لیے آج تمہارے گھر بھاگی آئی۔' افشاں کے کمرے میں داخل ہوتے ہی زینب ایک سانس میں سب بول گئی۔

'میں کل کالج آ جاؤں گی تم بتاؤ چائے لو گی یا کافی'۔ افشاں بات گول کرتے ہوئے بولی۔

'فی الحال کچھ نہیں۔ تم دو دن تم تھیں کہاں؟' وہ متجسس تھی۔

'یہاں ہی تھی'۔

'کیا بات ہے افشاں تم کچھ الجھی الجھی سی ہو'۔ زینت نے افشاں کے کندھے پر ہاتھ رکھتے کہا۔

'زینت تم جانتی ہو ضرورت کیا ہے؟'..... زینت بے تاثر ہی افشاں کو دیکھ رہی تھی۔ افشاں نے اپنی بات جاری رکھی۔

'ضرورت ایک ایسی چادر ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہم اپنی ضرورت کی چادر کو جتنا مرضی پھیلا لیں یا جتنا مرضی سکیڑ لیں۔'

'کیسی باتیں کر رہی ہو افشاں صاف صاف بولو کیا معاملہ ہے؟ کہاں تھی تم دو دن سے سب ٹھیک تو ہے نا؟'

'دو دن سے میں اپنی زندگی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جائزہ کر رہی تھی کہ میں نے کہاں کہاں غلطیاں کی ہیں۔ دراصل میں اسی پارک گئی تھی جہاں غزالہ جھاڑو دیتی ہے میں نے اس سے سلام دعا کی اور حال احوال کرنے لگی جب وہ کام سے فارغ ہوئی تو اپنے گھر جانے لگی تو میں نے بھی ساتھ چلنے کی ضد کی اس نے پہلے تو انکار کیا لیکن پھر مان گئی ہم دونوں چلتے، چلتے ایک عجیب گھر کے سامنے آ گئے جس کی دو طرف کی دیوار پکی تھی اور باقی کی دو مٹی کی تھیں اور جب میں اندر داخل ہوئی تو اندر ایک ہی کمرہ تھا کچا پکا سا اور غزالہ نے بتایا کہ وہ سب گھر والے اسی کمرے میں رہتے ہیں تب مجھے وہ وقت یاد آیا جب میں نے اپنی امی سے ضد کی تھی کہ میں اپنا روم اپنی اکلوتی چھوٹی بہن کے ساتھ شئیر نہیں کروں گی۔ گھر کے ایک کونے میں ہی چولہا بنا ہوا تھا جس پر لکڑیاں جلا کر وہ میرے لیئے چائے بنا کر لے آئی۔ اسکا ایک سات سال کا بھائی تھا جو سب سے چھوٹا تھا اور دو بہنیں تھیں جو دس، بارہ سال کی ہوں گیں۔ یہ سب ہی پیٹ پالنے کے لیئے کام کرتے تھے بھائی سڑک پہ آتے جاتے لوگوں کی گاڑیاں صاف کرتا تھا تو بہنیں بھی جھاڑو دے کر کچھ پیسے لے آتی تھیں جب کھانے کا وقت ہوا تو انکے پاس صرف تین آلو تھے جو وہ ابال کے کھاتے تھے اور باسی روٹیاں۔ تب مجھے اپنی پسند کا کھانا نہ ملنے پر اپنا کھانا چھوڑ کر چلے جایا کرنا یاد آیا۔ غزالہ کچھ شرمندہ سی ہوئی کہ وہ مجھے کھانے میں کیا دے گی میں نے سمجھ کر بول دیا کہ مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔ وہاں نہ کوئی پنکھا تھا نا کوئی ہیٹر۔ تب میں نے غزالہ سے پوچھا کہ ان حالات میں وہ کیسے زندگی گزار رہی ہے؟ کیا وہ خوش رہ

پاتی ہے؟اس کے جواب نے مجھے بہت نادم سا کر دیا۔ وہ بولی تھی۔

'وہ شخص کبھی خوش نہیں رہتا جو اپنے سے اوپر دیکھتا ہے اور وہ شخص ہمیشہ خوش رہتا ہے جو اپنے سے نیچے دیکھتا ہے۔ اگر اس دنیا میں ایسے بہت لوگ ہیں جن کے پاس ہم سے بہت زیادہ ہے تو ایسے بھی لوگ ہیں جن کے پاس ہم سے بہت کم ہے'

پھر میں نے اس سے کہا کہ وہ ٹھیک سے چل نہیں پاتی کیا اس بات کا بھی اسے کوئی دکھ نہیں؟ اس کے جواب میں وہ بولی۔

'میں بہت خوش نصیب ہوں کہ میں میرا ایک پاؤں بالکل ٹھیک ہے اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دونوں پاؤں سے معذور ہیں۔ اور ویسے بھی آپ نے بھی یہ قول تو سنا ہی ہو گا کہ خوش نصیب وہ نہیں جس کا نصیب اچھا ہے بلکہ خوش نصیب وہ ہے جو اپنے نصیب پر خوش ہے'۔

زینت مسلسل بے تاثر ہی تھی۔ افشاں نے پھر دونوں ہاتھوں سے زینت کے دونوں کندھے تھامتے ہوئے کہا۔

'ہم کتنے بد نصیب ہیں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی اجیرن بنا دیتے ہیں۔ بس ساری زندگی خواہشات کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں جو لا محدود ہیں۔ جو کچھ ہمارے پاس نہیں ہے اس کی وجہ سے ہم ان چیزوں کی قدر کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں جو ہمارے پاس ہیں۔ مجھے میرے خوابوں میں جو چیز بے بس کر دیتی تھی وہ اور کچھ نہیں بس میری خواہشات تھیں۔ پر اب میں سمجھ چکی ہوں کہ میرے چھوٹے چھوٹے فضول دکھوں اور مسائل سے زیادہ بڑے بڑے دکھ اور مسائل ہیں دنیا میں جو میرے نصیب میں نہیں آئے۔ مجھے خوشی مل گئی ہے زینت۔ مجھے خوشی مل گئی۔'

ختم شد

اس کی آنکھوں میں نراس تھا
اک پل کو لگا جیسے وہ دل کے پاس تھا
شہر میں محبت لا پتہ ڈھونڈ تا وہ
ہے فراق میں ڈوبا یہ میرا قیاس تھا
تھامے کھڑا تھا وہ آنکھوں میں تارے
کیا خدا وہ اندر سے کتنا حساس تھا
پاؤں کی لغزش نے اس سے زمین جو کھینچی
آہ جیسے کوئی ٹوٹا گرا پتا بے آسا تھا
اجنبی کا دوستو یہ حال تھا بند دریچوں
جیسے ہواؤں کا یہ کوئی نکاس تھا
پکڑا چراغ دھرا شیشے میں تو پتہ چلا
نامہ طے محبت جیسے کوئی اقتباس تھا
متعدد بار بھی دہرانے سے عاجز نہیں
اے دانش وہ کوئی تیرا ہی ہم شناس تھا
دانش انقلابی سعودی عرب

یہ دنیا ہماری نہیں

قیصر عباس

آخر شب کے ہم سفر قمر و نجوم آفتاب کے نور میں گم ہوتے ہوتے ہو گئے رات بھر سے سوئے ہوئے پرندوں کی بھی آنکھ کھل گئی جن کے نغمات سے سماں بندھ گیا جوں جوں اندھیرا چھٹنے لگا، اجالا ہونے لگا کئی بند غنچے وا ہونے لگے کملائے ہوئے پھول مسکرانے لگے ڈالیاں جھومنے لگیں صبا بے قرار ہو گئی ڈوبا ہوا سورج پھر سے افق پر سرخ غازہ کرتے ہوئے ابھرنے لگا جس کی کرنے بکھرنے لگیں سستی کے مارے پڑے ہوؤں کو جگانے لگیں عادل ان سے بچنے کے لیے لحاف اوڑھنے لگا تو اسی لمحے محبت بھرے جذبات سے معمور ایک میٹھی سی لے کی طرح آواز اس کے کانوں میں رس گھولتی ہوئی داخل ہوئی "چاند اگر سورج سے پردہ کرے گا تو تاریکیوں میں دھکے کھائے گا (ہنستے ہوئے) اٹھو میرے جیون کی کرن منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر لو۔ لحاف اتار کر مسکراہٹوں کا تبادلہ کرتے ہوئے عادل انگڑائی لیتے ہوئے اٹھا اور اٹھ کر منہ [illegible] تھ دھونے کے لیے چلا گیا۔

عادل کی عمر قریباً چودہ برس تھی والد چار برس پہلے اس کو اور اس کی والدہ کو بے گناہ ٹارگٹ کلنگ میں، جاں بحق ہو کر بے یارو مددگار چھوڑ گیا تھا۔ ماں لوگوں کے گھروں میں جا کر کام کرتی تھی اور بیٹا چل پھر کر ریوڑیاں بیچا کرتا تھا۔

آج تو حلوہ پوڑی ہے؟ پھر سے بھول گئے۔ یاداشت کی لائبریری میں جھانکتے ہوئے کیا؟۔ آج تمہارا جنم دن ہے۔ اوہ! (پیشانی پر آہستہ سے ہتھیلی مارتے ہوئے)۔ وہ مسکرا کر لقمہ عادل کے منہ میں ڈالتے ہوئے "جنم دن مبارک ہو۔" عادل بھی ماں کے منہ میں لقمہ ڈالتے ہوئے "شکر ہے مجھ کو تم جیسی ماں ملی ویسی نہیں جو اپنی اولاد کو چھوڑ کر آگے شادی کر لیتی ہیں" وہ ہلکی سی تبسم کے ساتھ کھل کر عادل کے رخسار پر محبت بھرا ہاتھ رکھتے ہوئے چلو اب مکھن لگانا بند کرو اور کھانا کھاؤ۔"

کھانے سے فراغت کے بعد وہ عادل کی پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے اپنے کام پر چلی گئی اور عادل اپنے کام پر۔

چلتے چلتے عادل اپنے آپ سے مخاطب ہو کر "چل عادل آج [illegible] اور چل پھر کر [illegible] آزماتے ہیں" اور پھر نئے ولولے اور نئی امید کے ساتھ آوزیں لگاتا ہوا ایک طرف چل دیا۔

ریوڑیاں لے لو! ریوڑیاں! خالص دیسی گھی سے تیار کردہ ریوڑیاں! چکوال شہر کی مشہور ریوڑیاں! جو ایک بار کھائے گا وہ بار بار آئے گا!!۔ جب بھی کوئی لڑکا اس سے ریوڑیاں لینے آتا تھا تو وہ اس کے سامنے اپنی ریوڑیوں کی تعریف کے پل باندھ دیتا تھا۔

پھرتا پھراتا وہ ایک اسکول کے سامنے جا پہنچا۔ وہاں موجود ریڑھی والے اسے گھور گھور کر دیکھنے لگے پھر اس پر پھبتیاں کسنے لگے مگر عادل پر ان کی باتیں صفر تھیں وہ اس قدر استغراق کے عالم میں، حسرت آمیز نگاہوں سے سکول جانے والے بچوں کو دیکھنے میں مگن تھا کہ دوسری تیسری ہر بات سے لاتعلق ہوا کھڑا تھا۔ جب اسکول کا گیٹ بند ہو گیا تو وہ دل کے سارے ارمان سمیٹ کر، بغل میں ریوڑیوں کا تھیلا سنبھالے لاری اڈہ کی سو چل پڑا۔

لاری اڈہ پر اس کی ریوڑیاں اچھی خاصی بکنے لگیں مگر بدقسمتی سے بس ڈرائیوروں، کنڈکٹروں اور دوسرے تیسرے اڈہ ملازمین نے اس کی ریوڑیاں چکنا شروع کر دیں۔ ان مفت خوروں سے گھبرا کر اس نے لاری اڈہ چھوڑ کر شہر کے چوک میں جا پناہ لی۔

شہر کا مرکزی چوک ٹریفک جام ہو جانے کی وجہ سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا گاڑیوں کے ہارن کانوں کے پردے پھاڑنے پر تلے ہوئے تھے۔ ریڑھی والے گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنی اشیا کے دام بتا رہے تھے رکشہ والے تو اپنے رکشے چھوڑ چھوڑ کر، صدا [illegible] لگانے میں مصروف تھے اور تو اور وہ لوگوں کو بازوؤں میں سے پکڑے، اپنے رکشوں کی طرف لئے جا رہے تھے لوگ زبردستی ان سے ہاتھ چھڑا لیتے تو وہ پھر پکڑ لیتے تھے جب تک آدمی ان سے دو تین مرتبہ زبردستی ہاتھ نہ چھڑا لیتا تھا وہ نہ چھوڑتے تھے اس معرکہ خیز ہنگامے میں اگر اس کی ہلکی و باریک آواز، اس کے حلق سے نکلی تو سہی لیکن شور ہی میں ضم ہو کر رہ گئی۔ پاس ہی کھڑے دو نوجوانوں میں سے ایک نے اس کی جانب دیکھ کر کہا "آہ! بیچارہ!! اس عمر میں سکول جانے کی بجائے کتنی سخت مشقت کر رہا ہے" یہ سن کر دوسرا لڑکا فوراً بولا "پڑھ کر ہماری کونسی نوکریاں لگ گئی ہیں ہم سے تو یہ لاکھ گنا بہتر ہے کچھ نہ کچھ کما تو رہا ہے" اور پھر وہ خود پر اور حکومت پر طنز و تضحیک کے جملے کستے ہوئے چل دیے۔ ان کی باتیں عادل کے دل پر نہ لگیں کیوں کہ ایسی باتیں اس کے لیے معمول کی باتیں بن چکی تھیں۔ ان کے جاتے ہی ایک ریڑھی والا عادل کے سر پر چڑھ کر گرج کر بولا "چل بے ہماری ریڑھیوں کے سامنے سے ہٹ اور کہیں اور جا کر بیچ۔ ایک تو گاہک نہیں آ رہے ہیں دوسرا تو سامنے آ کر کھڑا ہو گیا ہے چل چل پتلی گلی پکڑ اور چلتا بن ورنہ ایک کان کے نیچے دوں گا" عادل بادل نخواستہ وہاں سے بھی چل پڑا۔

صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہونے کو آ گئی تھی مگر عادل کا سفر تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا اس کا گلاب سا چہرہ، چلچلاتی دھوپ میں [illegible] کر، [illegible] کی مانند سرخ ہو گیا

تھا۔

بالآخر غروبِ آفتاب سے ذرا سے پہلے ، پرندوں کو اپنے اپنے آشیانوں کی طرف لوٹتا دیکھ کر اس نے بھی گھر کی راہ لی۔ گھر پہنچتے ہی، وہ باقی ماندہ ریوڑیاں ایک طرف رکھتے ہوئے تھکی تھکی سی آواز میں بولا "ماں آج تو بہت زوروں کی بھوک لگی ہے کیا پکایا ہے؟" ماں اپنے لختِ جگر کی آواز سن کر بیدار ہو گئی اور کانپتی ہوئی آواز میں کچھ بولی، مگر الفاظ صحیح طرح سے ادا نہ کر پائی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی زبان اس کے قابو میں نہیں ہے وہ دائیں جانب لڑھک جاتی ہے پھر دوبارہ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ اسے اپنے جسم کا دایاں حصہ سن سا محسوس ہوا۔ اس نے ایک بار پھر کوشش کر کے ہکلاتے ہوئے کہا "ب۔۔بیٹا۔۔۔بیٹا۔۔۔"!

عادل لپک کر ماں کی چارپائی کے پاس گیا اور روتے ہوئے "ماں !ماں کیا ہوا (روتے ہوئے)!؟" اس کی ماں کی آنکھوں سے آنسو نکل کر چہرے پر تیر پڑے اور پھر اسے یکلخت جسم میں شدید جھٹکے لگنے لگے۔ یہ دیکھ کر عادل کی چشم سے بہتے اشکوں کی روانی میں جوش در آیا۔ دل درد سے بھر آیا آواز گندھی سی گئی لفظوں کے لہجے سے درد کی شدت کا پتا ملنے لگا ماں کے آنسو پونچھتے ہوئے "ماں۔۔۔!بتاؤ ناں کیا ہوا تمہیں؟"

اس بار اس کی ماں نے دوسرے ہاتھ سے اشارہ کر کیتے ہوئے کہا کہ اس کے جسم کا دایاں حصہ بلکل کام نہیں کر رہا ہے اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو کی ندیاں رواں ہو گئیں۔ عادل فرطِ جذبات سے اشک گراتا ماں کا ہاتھ پکڑ کر، بوسہ لیتے ہوئے "ماں تو فکر نہ کر میں ابھی ڈاکٹر کو لے کر آیا یہ کہ کر وہ صندوق سے روپے اٹھا کر باہر چلا گیا۔

عادل: ڈاکٹر صاحب !ڈاکٹر صاحب !!ایک بار میرے ساتھ چل کر میری ماں کی طبیعت دیکھ دو پتا نہیں انہیں اچانک سے کیا ہو گیا ہے وہ ٹھیک طرح سے کچھ بول بھی نہیں پا رہی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب اس کی طرف دیکھ کر: میری فیس؟

عادل ڈاکٹر صاحب کو ان کی فیس دیتے ہوئے آپ بس جلدی سے چل دیجیے۔

طبیعت دیکھنے کے بعد، ڈاکٹر نے ہدایات دیں اور پھر ایک کاغذ پر چند ادویات کے نام لکھ کر دیتے ہوئے باہر آ کر کہا کہ تمہاری ماں کو فالج ہو گیا ہے لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے میں نے جو دوائیاں لکھ کر دی ہیں انھیں ہمارے میڈیکل سٹور سے جا کر لے آنا اور وقت پر دیتے رہنا انشا اللہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی"۔ یہ کہ کر ڈاکٹر صاحب کلینک کی طرف چل دیے اور عادل میڈیکل سٹور کی جانب۔

عادل میڈیکل سٹور سے ادویات لے کر اور باقی روپوں سے ہوٹل سے کھانا خرید کر گھر آ گیا۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی سامان چھوٹ کر اس کے ہاتھوں سے گر پڑا۔ سکتے کا سا عالم چھا گیا دیکھتا کیا ہے کہ چادر ماں کے چہرے سے ہٹی ہوئی ہے اور آنکھیں کھلی ہوئیں مگر پتھرائی

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

پڑیں ہیں گردن دائیں جانب ڈھلکی ہوئی ہے۔نزدیک پہنچ کر لرزتے ہوئے دھیرے دھیرے ہاتھ بڑھا کر،اس نے ماں کی سانسوں کو دیکھا۔پھر اضطراب کے عالم میں اس کے سینے پر سے،ہاتھ اٹھا کر نبض دیکھی نبض دیکھتے ہی اس کے حلق سے چیخ کی صورت میں لفظ "ماں" نکلا اور اس کے ساتھ ہی اس کے قفس عنصری سے اس کی روح نکل کر،عالم آب و گل سے عالم ارواح کی طرف پرواز کر گئی۔۔۔

چیخ کی آواز سن کر،پاس پڑوس کے لوگ ان کے گھر میں جمع ہو گئے اور ان کی اس پراسرار موت پر چہ مگوئیاں کرنے لگے ۔کچھ دیر بعد ایک عورت اندر داخل ہوئی اور عالم حیرت سے پوچھنے لگی "کیا ہوا ہے؟۔۔۔؟۔۔۔؟""عقیقہ اور اس کے بیٹے اب ہم میں نہیں رہے۔۔۔!"اشک آنچل سے صاف کرتے ہوئے جواباً کسی عورت کی آواز آئی۔ہاں۔۔!اشارہ پا کر سرعت سے لاشوں کی طرف بڑھتے ہوئے رروتی بین کرتی یہ کہتی ان کی چارپائی سے لپٹ گئی "بیچاری بیگم صاحبہ سے بارہا قسمیں کھا کھا کر کہتی رہی میں نے چوری نہیں کی ۔میں نے چوری نہیں کی۔۔۔۔۔پر بیگم صاحبہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔!ہائے اس کا شک نگل گیا معصوموں کو۔۔!مجرم تو ہالاں کہ اسکی اپنی لاڈلی تھی۔۔۔!

☆ ☆ ☆ختم شد

محبتوں کی تلاش تھی
پھرا در بدر
ہوئے پاؤں لہولہان
نکلا جب ذات کی مستی سے
تلاش محبت میں
ٹکڑوں میں بٹی مری ذات
آنکھوں میں نمی کی برسات
ڈھل گیا
اسی کے خیالی پیکر سانچے میں
سہی اذیت ذات نفی کی
مگن رہا محبت میں
ہجر سے بے خبر
اذیت سے بے پروا
آیا جب وقت جدائی
تھے اس کے یہ الفاظ
You are unwanted in the world.

فاطمہ عبدالخالق

سکھ اور ہندو

محمد عتیق الرحمن

پچھلے دنوں جب مقبوضہ جموں وکشمیر میں مسلمانوں کے ساتھ سکھوں کو بھارت سے آزادی کے نعرے لگاتے دیکھا تو عام پاکستانیوں کی طرح اچنبھا نہیں ہوا۔ کشمیری قیام پاکستان سے قبل ہی پاکستان کے ساتھ الحاق کر چکے تھے لیکن سکھ کمیونٹی نے ہندوؤں کا ساتھ دے کر اپنے اوپر ظلم کیا جس کو انہوں نے قیام پاکستان کے فوراً بعد محسوس کر لیا تھا۔ رسالہ سنت سپاہی امرت سر (جون 1948ء) میں پنجاب کی تقسیم کے متعلق لکھا ہے کہ "پاکستان کے مطالبہ کو لنگڑا کرنے کی غرض سے شرومنی اکالی دل نے آزاد پنجاب اور سکھ سٹیٹ کا مطالبہ کیا۔۔۔ سکھوں نے مشرقی پنجاب کو پاکستان سے الگ کر کے ہند میں شامل کرنے کے لئے اسمبلی میں اس بات کے حق میں فیصلہ دیا۔ جس میں پاکستان کی سرحد دہلی پر ہونے کی بجائے واہگہ مقرر ہوئی" پنجاب وغیرہ کی تقسیم سے جہاں پاکستان کو نقصان پہنچا وہیں سکھوں کی ٹانگیں بھی اسی تقسیم نے توڑ دیں جس کا انہیں خمیازہ بھگتنا پڑا۔ سردار کپور سنگھ بانی پاکستان محمد علی جناحؒ کی دوراندیشی کے وہ الفاظ جو ساچی ساکھی ایڈیشن دوم کے صفحہ نمبر 144 کے حاشیہ میں درج ہیں بیان کرتے ہیں "1947ء ماہ اگست کے شروع میں پاکستان کے بانی مسٹر جناح دہلی میں اپنے ایک سکھ دوست سردار بہادر سر سوبھا سنگھ سے ملنے کے لئے گئے اور دوران گفتگو کہا: 'سکھوں نے اپنا راج نہ لے کر بڑی بھاری غلطی کی ہے۔' سر سوبھا سنگھ نے جواباً کہا 'ہم نے ہندوؤں پر اعتبار کر کے اور ان سے اپنی قسمت جوڑ کر اچھا ہی کیا ہے۔ ہندو ہمارے ساتھ دھوکہ یا احسان فراموشی نہیں کریں گے' مسٹر جناح نے جواب میں کہا کہ " Sardar Bahadur, you know taht Hindu only as your co-slave; Now, you will know, the real Hindu when he becomes your masters and you become his slave." "سردار بہادر۔ تم نے ہندو کو ابھی اپنے ساتھ

غلامی کی حالت میں دیکھا ہے۔ اب تم کو ہندوؤں کی اصل ذہنیت کا پتہ چلے گا جبکہ وہ تمہارا آقا ہو گا اور تم اس کے غلام "بانی پاکستان" کے الفاظ کی تصدیق سردار آتما سنگھ ایم۔ ایل۔ اے کپور تھلہ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کی "اصل بات یہ ہے کہ ہندو ذہنیت اور تعصب کا نقشہ سکھوں نے 1947ء کے بعد ہی دیکھا۔ وہ ہندو جب غلام تھا تو بڑا تابعدار تھا۔ جو ہمیشہ سکھوں کی برتری اور فوقیت کو تسلیم کرتا تھا۔ حکومت کی طاقت ملتے ہی یکدم بدل گیا۔ خود کو بھارت کا حاکم اور بادشاہ اور سکھوں کو اپنی رعیت اور غلام کہنے لگ پڑا۔ اس کے دل میں ہندو مذہب پھیلانے کا جذبہ بڑھا۔ اس نے تعصب کے ماتحت سکھوں کو ہر لحاظ سے انکی ہمت پست کرنے کے لئے انہیں "دو بیل" بنانے کی غرض سے قسم قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیئے۔ اس کے دل میں تھا کہ جس طرح ہندوؤں نے ہندوستان سے پیدا شدہ بدھ دھرم اور جین دھرم کو ختم کر دیا تھا۔ اسی طرح سکھ دھرم کو بھی ختم کر دیا جائے گا۔۔۔ یہ تھی ہندو ذہنیت کی اور ہندو تعصب کی سوچ اور پلاننگ (گورودوارہ گزٹ 1981)" تقسیم برصغیر کے بعد ایسی مثالیں بھی سیکولر بھارت میں ملتی ہیں جب کسی محکمہ میں کوئی سکھ ملازمت حاصل کرنے کے خیال سے گیا تو ہندو افسر نے سکھ کے سر پر کیس (بال) ہونے کی بنا پر نوکری دینے سے انکار کر دیا۔ سردار کپور سنگھ جی ڈاکٹر محمد اقبال کے ساتھ 1928ء یا 1929ء میں ہوئی ذاتی بات چیت کے متعلق بیان کرتے ہیں

کہ "مسلمان تو صرف اپنا تحفظ چاہتے ہیں کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد تمام حکومت کی طاقت ہندوؤں کے ہاتھ آنے کے بعد مسلمانوں کا وہی حشر نہ ہو جو سپین کی غرناطہ کی لڑائی میں مسلمانوں کی شکست کے بعد ہوا تھا۔ جبکہ سپین ملک میں سے سب مسلمان یا تو جلاوطن کر دیئے گئے تھے یا عیسائی بنا لئے گئے تھے" یہ ایک واضح حقیقت ہے مسلمانوں کے ایک الگ وطن حاصل کرنے کا مقصد اپنا تحفظ تھا۔ کسی بھی مسلمان کے ذہن کے کسی بھی کونے میں یہ بات ہرگز نہ تھی کہ کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے کو اپنا غلام بنایا جائے گا اور اس کی ثقافت، مذہبی اقدار یا تاریخ کو مسل دیا جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی پاکستان میں سکھ کیمونٹی، عیسائی کیمونٹی ودیگر اقلیتی مذاہب کے ماننے والے بغیر کسی روک ٹوک کے اپنی ثقافت، مذہب اور تاریخ کے مطابق عمل پیرا ہیں اور ان کی عبادت گاہیں مسلم اکثریتی علاقوں میں بھی محفوظ و مامون ہیں۔ جبکہ بھارت میں مسلمانوں کو تو ایک طرف رکھئے سکھوں کی عبادت گاہیں تک محفوظ نہیں ہیں جس کی مثال سکھوں کے مقدس ترین مقام گولڈن ٹیمپل کی ہے جسے جون 1984ء میں آپریشن بلیو سٹار کے ذریعے شدید ترین نشانہ بنایا گیا اور اس کی بے حرمتی کی گئی اور جانی نقصان اس کے علاوہ تھا۔ اس کا سکھوں کو شدید صدمہ پہنچا یہی وجہ ہے کہ چار ماہ بعد ہی بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی کو اس کے سکھ محافظوں نے قتل کر دیا۔ جس کے بعد سکھ مخالف مظاہرے اور پر تشدد واقعات ہوئے جس میں انسانی حقوق

کی تنظیموں کے مطابق قتل ہونے والے سکھوں کی تعداد 10 سے 17 ہزار کے درمیان ہے۔ حالت یہ تھی کہ نالیاں اور گٹر بند ہو گئے اور جب کھولے گئے تو سکھوں کی لاشوں سے اٹے پڑے تھے۔ ہندو بلوائیوں نے مبینہ سرکاری سرپرستی میں سکھوں کا قتل عام کیا۔

تقسیم برصغیر کے وقت مسلمانوں پر جو ظلم وستم ہندوؤں کے ساتھ سکھوں نے کیا اس کی مثال شاید ہی برصغیر کی تاریخ میں کہیں ملے۔ سکھوں نے شہروں، دیہاتوں، گلیوں اور بازاروں میں خون مسلم سے ہولی کھیلی اور مسلمانوں کا بے پناہ خون بہایا۔ ان کی طرف سے پاکستان مردہ باد کے نعرے لگائے گئے اور کرپانیں لہرا لہرا کر مسلمانوں کو ڈرایا گیا۔ جان بوجھ کر کانگرسی قیادت نے سکھ لیڈر ماسٹر تارا سنگھ کو مسلم قوم کے خلاف انتشار پھیلانے میں لگا دیا جس سے عام سکھ اور مسلمان شدید متاثر ہوئے۔ سکھ ودوان رسالہ پریت لڑی مئی 1966ء میں لکھتے ہیں کہ ''بٹوارے کے وقت خواہ کوئی بھی سبب تھا۔ بے گناہ مسلمان آدمیوں، عورتوں اور بچوں پر کرپان اٹھانا سکھی شان کے مطابق نہیں تھا۔'' اسی سلسلہ میں سکھ مذہب کی تعلیمات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ''سکھ کی کرپان مستورات، بچے، بوڑھے پر نہیں اٹھے گی۔ بے ہتھیار دشمن پر اس کا استعمال جائز نہیں۔'' مسلمانوں کے کشت وخون اور قتل وغارت کے بعد جب سکھوں نے بھارت میں نظر دوڑائی تو محسوس ہوا کہ وہ ہندو سیاست کی دلدل میں پھنس چکے ہیں اور عجیب قسم کی بے بسی ولاچاری ان کا مقدر بن گئی ہے اس وقت جو نعرے ان کے کانوں میں پڑے وہ اس قسم کے تھے جو 1951ء کے دورانیے کے رسالوں ، اخباروں اور دیگر بھارتی پنجاب کی کتابوں میں ملتے ہیں ۔ 'کڑا کچھ تے کرپان۔ بھجوا نہاں نوں پاکستان' 'ہندی، ہندو، ہندوستان۔ نہ رہے سکھ نہ رہے مسلمان' 'کڑا جوڑا راوی اوں پار' اور 'ہندو نے للکارا ہے۔ یہ پنجاب ہمارا ہے' ان نعروں سے بھارتی سکھوں کی بے بسی ، بے کسی اور مجبوری واضح ہوتی ہے۔ مسلمان جو آگ وخون کا دریا عبور کر کے پاکستان پہنچے اور جو دیگر مذاہب کے ماننے والے پاکستان میں تھے وہ کسی نہ کسی طرح کانٹے سے لے کر ایٹم بم تک کا سفر طے کرتے رہے جس میں انہیں سازشی عناصر سمیت آستین کے سانپوں سے بھی واسطہ پڑ رہا ہے ۔ آج بھی اگر پاکستان میں کسی اقلیت پر زیادتی ہوتی ہے تو سب سے پہلے مسلمان اس اقلیت کی دادرسی کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔ آج بھی پاکستان کے صوبہ پنجاب کے ننکانہ شہر میں سکھوں کا گردوارہ اسی شان سے کھڑا ہے اور بھارتی سکھوں سمیت پوری دنیا سے سکھ اپنی عبادت گاہ میں بغیر کسی خوف وخطرے کے آتے ہیں۔ مسلمانوں کا پاکستان ایک امن پسند ملک ہے جس میں کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے کو ظلم وستم کا نشانہ بنانا ریاستی شیوا نہیں اور نہ ہی یہاں گولڈن ٹیمپل جیسے واقعات ہوتے ہیں۔ بھارتی سکھ اس وقت تحریک خالصتان کے لئے پھر سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ جہاں کشمیری پچھلے ایک ماہ سے زائد بھارتی جبر واستبداد

کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو چکے ہیں وہیں
سکھ کمیونٹی کا خالصتان کی تحریک میں جوش وولولے کے
ساتھ کھڑے ہونا اس بات کی امید دلاتا ہے کہ بھارتی ظلم
وستم کے دن تھوڑے ہیں۔ اس بار سکھوں کو ہندو چانکیہ کی
مکاری سے ہوشیار رہتے ہوئے تقسیم برصغیر کے وقت کی
دھوکہ دہی اور گولڈن ٹیمپل پر ہوئے حملے سمیت دیگر مظالم
کو سامنے رکھتے ہوئے اس بار اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنا چاہیے
۔

ختم شد

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی
ہیں
ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر!
چمن اور بھی' آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی
ہیں (اقبال)
آمنہ رشید.. پیر محل

اب آسمان کے آگے نہ ہاتھ پھیلانا
زمیں کے حسن کی خود پاسبان ہے مٹی
کہیں گلاب سے چہروں کو روندڈالا ہے
کہیں پہ ماں کی طرح مہربان ہے مٹی
کوئی بھی آئے سکندر رہو یا قلندر رہو
ہر اک کے واسطے جائے امان ہے مٹی
زمانہ چھین سکا ہے نہ اس کی شادابی
اُسی طرح سے ابھی تک جوان ہے مٹی
کوئی بھی آ کے یہاں سے کہیں نہیں جاتا
عجیب جادو بھری داستان ہے مٹی
نکل کے اس سے میں باہر قدم نہ رکھوں گا
مری زمین میرا آسمان ہے مٹی
خموش ہو گئے وہ سازوہ جلال و جمال
اب اُن دنوں کی فقط ترجمان ہے مٹی
جو آسمان سے نیچے قدم نہ رکھتے تھے
اب اُن ستاروں کا نام ونشان ہے مٹی
قدم قدم پہ یہاں بستیاں ہیں پھولوں کی
حسین لوگوں کی اک ایسی کان ہے مٹی
کسی کے دور کے جلوؤں سے مجھ کو کیا لینا
دکھی دلوں کی ازل سے زبان ہے مٹی
کھلا ہوا ہے ہر اک کے لئے یہ دروازہ
ہو میہمان کوئی میزبان
قاری زوہیب سعودی عرب نیو کیمپ

پیار عبادت ہے

ندیم عباس ڈھکو

03225494228

ابھی سازش کا موسم ہے ابھی تم عشق مت کرنا
یہاں آندھی کا چرچا ہے ابھی تم ریت جیسے ہو

طارق جلدی کرو چوہدری صاحب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ آج صبح صبح ہی چوہدری صاحب کا پیغام مل گیا تھا۔ جبکہ پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کی کے خیر ہو۔ چوہدری صاحب سے ملنے کے بعد معلوم ہو کہ چوہدری صاحب شہر چھوٹی بیٹی کے ساتھ مجھے بھیج رہے ہیں۔ چھوٹی صاحبہ شہر میں تعلیم حاصل کر رہی تھی اور وہاں اپنا مکان تھا ۔ چھوٹی صاحبہ وہاں اکیلی ہوتی تھی۔ اور ویسے بھی بازار سے سودا سلف لے کر آنے کا بھی مسلہ تھا۔ اس لے چوہدری صاحب مجھے ان کے ساتھ بھیج رہے تھے۔ اور میں چوہدری صاحب کے ہاں ملازمت کرتا ہوں۔ کیونکہ میرے والد فوت ہو گے تھے اس لیے میں نے مڈل تعلیم حاصل کرنے کے بعد تعلیم چھوڑ دی تھی۔ مجھے گھر کا نظام بھی چلانا تھا کیونکہ میرا کوئی اور بھائی تو تھا نہیں صرف ایک بہن تھی وہ بھی چھوٹی سی تھی میں نے چوہدری صاحب سے خواہش کی کہ میں اپنی بہن کو بھی ساتھ لے جانا چاہتا ہوں تو چوہدری صاحب نے کہا جیسے تمھاری مرضی، میں نے ماں سے اجازت لی اور چھوٹی صاحبہ کے ساتھ اپنی بہن کو لے کر شہر آ گیا۔ وقت گزرتا رہا اور چھوٹی صاحبہ مجھ سے فری ہوتی گئی۔ میں نے بہت کوشش کی چھوٹی صاحبہ سے دور رہنے کی مگر چھوٹی صاحبہ اتنا ہی قریب آ گئی میں جانتا تھا میری اتنی اوقات ہی نہیں ہے مگر چھوٹی صاحب مجھے مجبور کرتی جا رہی تھی۔ چھوٹی صاحبہ کالج میں بھی ساتھ لے جاتی تھی اور میرا خرچہ بھی سارا وہ کرتی میں تو یہ سمجھتا رہا کہ چھوٹی صاحبہ ہمارے حالات کی وجہ سے مجھ سے ہمدردی کرتی ہے مگر اک دن حقیقت سامنے آ گئی۔ چھوٹی صاحبہ نے کہا کہ طارق میں تم سے پیار کرتی ہوں۔ تم ہی میرا سب کچھ ہو۔ میں نے جب سنا تو میرا سر چکرانے لگا۔ میں نے چھوٹی صاحبہ کی طرف غصے سے دیکھا اور وہاں سے چلا آیا پارٹی ایک ہوٹل میں تھی

۔چھوٹی صاحبہ بھی میرے پیچھے ہی آ گئی۔ چھوٹی صاحبہ قسم اٹھانے لگی کہ اگر تم نے میرے پیار کو قبول نہ کیا تو میں اپنی جان دے دوں گئی۔ جس کے ذمے دار تم ہو گئے ۔ میں ڈر گیا کہ کہ چھوٹی صاحبہ حقیقت میں کچھ نہ کر لیں میں نے ایک تحریر مختصر سی لکھی جو یوں تھی:

خود کی فطرت کو بدلہ ہے تمہیں اپنا بنانے کے لیے ندیمؔ
کرو گے یاد صدیوں تک کسی نے دل سے چاہا تھا

,,چھوٹی صاحبہ میں اس قابل تو نہیں تھا جس قابل آپ نے سمجھا میری اوقات اتنی نہیں کہ میں تم سے پیار کروں اور ہم کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ تمھاری منزل اور ہے میری منزل اور ہے تو ہم پھر اس راستے پر کیوں چلیں جس کی کوئی منزل نہ ہو۔ میں تم سے پیار کرتا ہوں مگر میری اوقات اتنی نہیں کہ زبان سے اقرار کروں اس لیے کاغذ پر تحریر لکھ رہا ہوں آپکو ایک وعدہ کرنا ہو گا کہ آپ شادی وہاں کرو گی جہاں آپ کے والدین چاہے ئے گے ہں۔ اگر تم وعدہ کرو تو میں آپ کے ساتھ اس راستے پر چلنے کو تیار ہوں۔ اور ہماری محبت پاکیزہ ہو گی۔ ہم اس محبت کے لفظ کو بدنام نہیں کریں گے ہں۔ محبت قربانی مانگتی ہے۔ اگر تم میرے لیے جان دے سکتی ہو تو میرے لیے اس زندگی کو قربان بھی کر سکتی ہو۔ آ گے آپ بہتر سوچ رکھتی ہو۔۔۔بد نصیب طارق

مت کھولنا میری قسمت کی کتابوں کو میرے دوست
ہر اُس شخص نے دل دکھیا ہے جس پہ ہم ناز کرتے تھے

,,یہ لیٹر میں اسے اس کے روم میں دے کر واپس اپنے روم میں آ گیا۔ کافی دیر رات انتظار کیا کہ چھوٹی صاحبہ جواب لے کر آئے گی مگر چھوٹی صاحبہ شاہد سو گی ہو میں بھی سو گیا۔ صبح چھوٹی صاحبہ خود مجھے اٹھانے آئی جبکہ پہلے ملازم آتے تھے ۔چھوٹی صاحبہ کیا بات ہے ابھی سونے دو کچھ دیر ارے پہلی بات تو یہ کہ تم یہ چھوٹی صاحبہ کا لفظ ختم کرو اور اٹھو آپ سے باتیں کرنی ہیں کچھ پھر ابو بھی آج آنے والے ہیں شاہد تم کو واپس لے جائیں۔ میں جلدی سے اٹھا اور فیرش ہوا پھر کھانا کھایا اور پھر چھوٹی صاحبہ نے کہا کہ بازار جانا ہے جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ چھوٹی صاحبہ خیریت تو ہے پھر چھوٹی صاحبہ میرا نام کرن ہے اور آج کے بعد تم مجھے میرے نام سے ہی پکارو گے ۔اوکے ٹھیک ہے جی کرن۔ پھر ہم بازار کی طرف چل پڑھے آج ہم دونوں پیدل ہی بازار جا رہے تھے۔ کرن نے کہا مجھے وعدہ منظور ہے۔ اگر تم اس میں ہی خوش ہو تو اور میں تم کو موبائل لے دیتی ہوں تم نے گاؤں میں رہے کر مجھ سے بات کرنی ہے کیونکہ گاؤں میں کوئی کھیتوں کا مسئلہ ہے جس کی وجہ سے ابو آپ کو لینے آ رہے ہیں اور مجھے ملنے بھی۔ اور گاؤں میں جا کر مجھے بھول مت جانا اور میں بھی ہر ہفتے کوشش کروں گی کہ گاؤں آ جایا کروں۔ اور ہاں پلیز اپنا خیال رکھنا آئی لو یو جان طارق ، آئی لو یو ٹو کرن ، کرن تم بھی مجھے بھول مت جانا۔ ارے یہ بات دل سے نکال دو کہ کرن تم کو بھول جائے گی۔ میں تم کو بچپن سے چاہتی ہوں۔ مگر پہلے اس

لیے اظہار نہیں کر پائی کہ کوئی صحیح ٹائم نہیں ملا۔ اور اس بار جب مجھے معلوم ہوا کہ تم ہمارے ہاں ملازمت کر رہے ہو تو میں نے ہی ابو کو کہا کہ یہاں کوئی ملازم بھجو۔ میں تم کو جنون کی حد تک چاہتی ہوں۔ پیار عبادت ہے تجارت نہیں اور ہمشہ تمھاری عبادت کروں گی کیونکہ تم میرا پیار ہو، میرا عشق ہو، میرا جنون ہو، اتنے میں دوکان آگئی کرن نے مجھے موبائل لے کر دیا اور بھی کافی ساری شاپنگ کروائی ہم واپس آئے تو تو چوہدری صاحب آ چکے تھے۔ چوہدری صاحب نے کرن سے کہا کہ بیٹا گاڑی پر چلی جاتی مگر کرن سے کہا کہ میرا میرا دل چلنے کو کر رہا تھا۔ کچھ دیر چوہدری صاحب سے ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہی۔ پھر شام کو میں چوہدری صاحب کے ساتھ واپس گاؤں آ گیا۔ رات کو کرن سے بات ہوتی رہی کرن بات کرتے ہوئے ساتھ رو رہی تھی میں بھی بہت اداس تھا گاؤں میں میرا دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ سارا دن کھیتوں میں کام کرتا رات کو تھوڑی سی کرن سے بات کرتا اور جلدی سو جاتا کیونکہ دن کو کام کر کے تھکا ہوا ہوتا تھا۔ وقت گزرتا گیا اور کرن کی تعلیم مکمل ہونے میں اک سال باقی رہے گیا تھا اور کرن کے گھر اس کی شادی کی باتیں ہونے لگی۔ کرن روز مجھ سے کہتی کہ تم ایک بار کہو میں گھر والوں سے بات کرتی ہوں مگر میں ہر روز روک دیتا کیونکہ ذلیل و خوار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ میری والدہ پہلے ہی بیمار رہتی تھی اس لیے میں کوئی کھڑا نہیں کرنا چاہتا تھا کہ جس سے میری ماں کو صدمہ ملتا

ویسے بھی کرن کیسامنے میری حیثیت ہی کیا تھی۔ بس دل پاگل تھا جو کرن کو چاہنے لگ پڑا تھا کرن سے بے حد مجھے پیار تھا مگر میں جزباتی نہیں ہونا چاہتا تھا کہ میری بہن اور میری والدہ کی زندگی میری وجہ سے عذاب بنے۔ پیار تو ہمشہ قربانی مانگتا ہے اور مجھے بھی پیار میں قربانی دینی تھی۔ اپنی خوشی کے لیے نہیں تو کم از کم دوسروں کی خوشیوں کیلئے دینی چاہے کرن سے یہ بھی کہا کہ تم کہو تو میں تمھارے ساتھ بھاگنے کو بھی تیار ہوں مگر میں چوہدری صاحب کی عزت کو خاک میں نہیں ملانا چاہتا تھا مجھے پتہ تھا کہ اگر آج میں کرن کو لے جاؤں گا تو کل کو کوئی میرے ساتھ ایسا کرے گا۔ کرن ہر وقت فون پر روتی کہ طارق میں مر جاؤں گی تنہا ہو کر تمھارے بغیر ادھوری ہوں۔ میں کسی دوسرے کا سوچ بھی نہیں سکتی بس تم میری زندگی ہو میں تمھاری بن کر جینا چاہتی ہوں۔ میں تمھارے بغیر بکھر جاؤں گی۔ تم میری زندگی بن چکے ہو۔ میں تم سے دور کبھی نہیں ہو سکتی کرن جذباتی ہو جاتی جب کرن کو میں وعدہ یاد دولاتا تو کرن پھر رونا شروع کر دیتی اور اداس ہو جاتی۔ دن گزرتے گئے اور کرن کی تعلیم مکمل ہو گی۔ اب کرن گاؤں میں ہی رہتی تھی۔ گھر میں کرن کی شادی کی تیاریاں تھی۔ کرن ہر وقت پریشان رہتی میں جب بھی چوہدری صاحب کے گھر جاتا تو سب سے یہ ہی سنتا کہ کرن نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے میں نے فون پر بھی کئی دفعہ سمجھایا کہ تم ایسا نہ کیا کرو تو وہ ٹال دیتی کہ مجھے بھوک ہی

نہیں لگتی۔ کرن نے کہا میں مر جاؤں گی مگر کسی اور سے شادی نہیں کروں گئی۔ یہ سن کر میں کانپ سا جاتا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں نہ اسے پانے کا حوصلہ نہ ہی کھونے کی ہمت تھی۔ اب تو مجھ سے کام بھی نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن کام کرتے کرتے کلہاڑی میرے پاؤں پر لگ گئی جس کی وجہ سے کافی خون بہہ گیا۔ میری بہن اور ماں دونوں پریشان تھی۔ میری حالت بھی مرنے والی ہوئی تھی۔ بروقت خون چاہئے تھا چوہدری صاحب اپنی گاڑی میں مجھے ہسپتال لے گئے۔ پیچھے کرن بھی آگئی ڈاکٹر نے کہا کہ جلدی سے خون کا بندوبست کرو ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے میری ماں اور بہن چوہدری صاحب کو درمندا اپیل کر رہی تھی کہ چاہئے ہماری جان لے لو مگر طارق کو بچالو۔ کرن میری ماں اور بہن کو حوصلہ دے رہی تھی۔ چوہدری صاحب نے گھر فون کیا اور کہا کہ سب نوکروں کو کہو کہ ہسپتال جلدی آئیں۔ طارق کو خون کی ضرورت ہے

چوہدری صاحب نے دوائی لینے گئے کرن نے خون چیک کروایا تو کرن کا خون میرے ساتھ مل گیا۔ کرن نے بوتل خون کی دے دی۔ چودھری صاحب نے کہا کے کرن تم نے باپ کی عزت رکھ لی ہے۔ میں بتاتا چلوں کے چودھری صاحب ایک نیک انسان تھے۔ بے حد پیار اور محبت کرنے والے تھے وہ مجھے نوکر نہیں سمجھتے ہیں بلکے اپنا بیٹا سمجھتے ہیں۔ مجھے کیا سب نوکروں کے ساتھ اور اخلاق سے پیش آ

تے اور بے حد رحم دل انسان تھے مجھے ہوش آیا تو سامنے کرن کھڑی تھی اور میری بہن کرن کے گلے لگ کے رو رہی تھی ڈاکٹر نے روکا تھا زیادہ باتیں مریض سے نہیں کرنی تھی کرن نے حال پوچھا کہ کیسے ہو؟ میں نے بڑی مشکل سے کہا کہ ٹھیک ہوں اتنے میں نرس آگئی اور اس نے مجھے انجکشن لگایا۔ اور میں بے ہوش ہو گیا پھر کوئی ہوش مجھے نہ رہا۔ جب ہوش آیا تو خود کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کیونکہ میرا آدھا پاؤں کاٹ دیا گیا تھا۔ اف اللہ میرے تو ہوش ہی اڑ گئے میری یہ حالت میرا سر چکرانے لگا میں معذور ہو گیا۔ اب میرے گھر کا خرچ کیسے چلے گا۔ کون میری بہن کا خیال کرے گا۔ کون کون کون۔۔۔۔ بنے گا مسیحا؟ یہ سوچ سوچتے سوچتے مرا سر چکرانا شروع ہو گیا۔ اور میں اک بار پھر بے ہوش ہو گیا۔ اف اللہ میری ماں نے رو رو کے برا حال کر لیا تھا۔ کرن کا بھی یہ ہی حال تھا۔ میری بہن تو ایسے تھی جیسے ابھی سانس لینا چھوڑ دے گی۔ چودھری صاحب اپنی جگہ پریشان تھے۔ کچھ دن ہسپتال رہنے کے بعد گھر لے آئے مجھے۔ چودھری صاحب نے کہا کہ طارق ہمارے ساتھ رہے گا ساتھ میں اس کی ماں اور بہن بھی۔ چودھری صاحب کی محبت دیکھ کر یقین بھی نہیں ہوتا تھا کہ آج کے دور میں بھی ایسے انسان ہیں۔ میں چودھری صاحب کے اعتبار کو کیسے ٹھیس پہنچا سکتا تھا۔ ویسے بھی اب تو کوئی بھی راہ نہیں تھا جو مجھے کرن سے ملا دے۔ لازمی تو نہیں کہ جس سے ہم پیار کرتے ہوں وہ ہی

ہمارا ہمسفر ہو محبت عبادت ہے تجارت نہیں ہے۔ سچی محبت وہ ہی کرتا ہیں جو کبھی بھی کسی کی خوشیوں کا قاتل نہیں بنتے وہ خود تو برباد ہو جاتے ہیں مگر کسی دوسرے کی زندگی کو برباد ہر گز نہیں کرتے۔ وہ صرف اپنے محبوب خوشی نہیں بلکہ اس سے جوڑے ہوئے لوگوں کی خوشیوں کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ وہ جو سچی محبت کرتے ہیں وہ اس کو تجارت نہیں بلکہ اس کی دل و جان سے عبادت کرتے ہیں۔ وہ چرچے سر عام نہیں کرتے وہ لوگ محبت کو بدنام نہیں کرتے۔ بشر طیکہ محبت سچی ہو۔ مگر افسوس کہ آج کے دور میں سچی محبت کرنے والے لوگ نہیں ملتے۔ آج کے دور میں کوئی بھی کسی سے سچا پیار نہیں کرتا۔ آج کی محبت نے تو محبت جیسے لفظ کو ہی بدنام کر دیا ہے۔ ہوس کو محبت کا نام دے رہے ہیں پھر بعد میں خود بھی ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور اپنے والدین 'عزیز کو بھی ذلیل و خوار کرنا کیا یہ آج کی محبت ہے؟ کسی کو i love you کہا اور پھر اس شے شادی کی ضد کر دی اگر شادی نہ ہوئی تو زہر لینی شروع کر دی اور پھر کیا ہوتا ہے اپنی آخرت بھی 'دنیا کے ساتھ ساتھ برباد کر لیتے ہیں۔ اور زمانے میں محبوب کو بھی بدنام کر دیا یہ ہے آج کی محبت۔ دوسری طرف چلیں تو ادھر شادی میں گئے تو تین 'چار سے دوستی کر لی شہر کالج 'فنکشن 'پارک گئے تو وہاں دو 'تین سے دوستی اف یار آج کے دور کا پیار ہے یا کاروبار جہاں گئے وہاں شروع۔ قارئین کیا یہ ہے محبت؟ جو محبت کرتے ہیں وہ اپنے محبوب کے ایک اشارے پر جان تک وار دیتے ہیں۔ لیلی کا ڈوپٹہ ہلا تھا اور مجنوں نے سمجھا کہ شاہد وہ یہ کہہ رہی ہے کہ رو کو اور مجنوں وہی کھڑا رہا تھا یہاں تک کہ ارد گرد گھاس اگ آیا تھا۔ کہاں ملتی ہے آج کے دور میں ویسی محبت خدا کے لیے محبت جیسے پاک لفظ کو بدنام مت کرو۔ وہ بات کہاں کی کہاں چلی گئی۔ خیر دوستو!! کرن نے میرے کہنے پر یاسر سے شادی کر لی۔ اور میں نے وعدہ لیا کہ تم یاسر کو اس کے پورے حق دو گئی۔ شادی کے بعد چودھری صاحب نے مجھے کہا کہ تم بھی شادی کر لو۔ میں نے کہا کہ چودھری صاحب مجھے کون رشتہ دے گا؟ اس جہاں میں میرے لیے کوئی خوشی کا پل نہیں۔ میرے منہ سے ایسے الفاظ سن کر چودھری صاحب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور چودھری صاحب نے کہا کہ میں نے تم کو اپنا بیٹا سمجھا شاہد ہماری خدمت میں کوئی کمی رہے گئی جس وجہ سے تم ایسے بول رہے ہو۔ چودھری صاحب سے لپٹ کر رونے لگ گیا میرے آنسو تھے کہ رو کنے کا نام بھی نہیں لے رہے تھے۔ چودھری صاحب کی بھی ایسی ہی حالت تھی۔ چودھری صاحب نے اپنی چھوٹی بیٹی کا رشتہ مجھے دینے کا اسی وقت اعلان کر دیا۔ میں حیران چودھری صاحب کے منہ کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ وہ رہے قسمت کس موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا تم نے مجھے میں اس رشتے سے پریشان تھا کرن نے کہا کہ تم شادی کر لو میری بہن سے۔ محبت کیا کمال کرتی ہے یہ پاکیزہ جس دل میں ہوتی ہے

اسے عزت واحترام دیتی ہے۔ محبت سچی ہو تو سارا زمانہ ہار جاتا ہے اور انسان خوشیوں کا بادشاہ ہو جاتا ہے۔ فوزیہ سے پھر چودھری صاحب نے میری شادی کروادی۔ اور آج بھی چودھری صاحب ہمارا خرچہ برداشت کر رہے ہیں۔ میری بہن کی بھی کرن کے بھائی سے منگنی ہو گئی۔ ہم سب آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔

میری محبت کا عنوان پوچھتے ہیں لوگ

دل میں کون رہتا ہے نام پوچھتے ہیں لوگ

چھوڑ کر چلا گیا مجھ کو اکیلا شہر میں

کتنے میں بِک گیا وہ دام پوچھتے ہیں لوگ

میں سنگ دل تھا یا وہ ہر جائی

اک یہی بات سرِ عام پوچھتے ہیں لوگ

کل کیا ہو گا مجھے خود خبر نہیں

میری محبت کا انجام پوچھتے ہیں لوگ

قارئین! یقین نہیں ہوتا کہ کوئی کسی کو اا یسے بھی عزت دیتا ہے۔ میں سمجھ نہیں سکا یہ محبت کیا ہے؟ محبت ماں کے روپ میں ہو تو آخرت کی نجات بن جاتی ہے محبت کے رشتوں کے ساتھ اپنے اپنے روپ ہوتے ہیں۔ ہم کو ہر اک کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔ آخر پر گھر سے بھاگ کر شادی کرنے والوں سے کہنا چاہوں گا کہ تم کون سے وعدے نبھانے کے لیے یہ سب کرتے ہو؟؟ اک بار اپنے والدین کے پیار ان کی عزت کے بارے سوچا؟ کل کو تم بھی والدین بنو گے کل کو تمھارے ساتھ تمھاری اولاد تمھارے ساتھ بھی یہ ہی ہو گا۔ اک بار پلیز پلیز پلیز۔۔۔ ایسا قدم اٹھانے سے پہلے سوچ ضرور لینا۔ اگر کوئی ایک بھی راہ راست پر آ گیا تو میں سمجھوں گا کہ مجھے میری محنت کا پھل مل گیے۔۔ دوستو! کرن' طارق کی حقیقی سٹوری آپ سب کے سامنے ہے اگر یہ دونوں بھاگ کر شادی کر لیتے تو آج ان کے حالات کیا ہوتے؟ زندگی بہت خوبصورت ہے بس اس میں رنگ بھرنا سیکھ لو۔۔۔ ابھی بھی وقت ہے کوشش کر کے دیکھو کیونکہ کوشش کرنے سے خدا بھی مل جاتا ہے۔ اللہ ہم سب کو خوشیوں سے مالا مال کر دے' اور والدین کی عزت کرنے کی توفیق عطا کرے. آمین

قارئین آج کی یہ داستان کیسی لگی آپنی رائے آپ فیس بک NADEEM ABBAS DHAKOO' پر دے سکتے ہو مجھے آپ سب کی رائے کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔۔۔

ندیم عباس ڈھکو

چک نمبر L.5/79 ڈاکخانہ L.5/78 ساہیوال

0322.5494228

☆ ☆ ☆

انسان اور محبت

زوار حسین کھوہارا

اس کرۂ ارض پر بے شمار مخلوقات اپنا وجود رکھتی ہیں جن کی گنتی مشکل ہی نہیں شاید ناممکن ہے۔ لیکن ان سب مخلوقات میں جو فضیلت انسان کو ملی ہے وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ اس کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فضیلت اور بلند درجہ کی آخر وجہ کیا ہے؟

جب دوسری مخلوقات کی جانب نظر دوڑائی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ظاہری طور پر اکثر مخلوقات ایک جیسی شباہت اور بناوٹ رکھتی ہیں۔ اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ نسل انسانی کی فضیلت اس کی دانائی یعنی عقل کی وجہ سے ہے۔

لیکن شاید یہ جواب نامکمل ہے۔ وہ عوامل اور جذبات جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق دل سے ہے ان کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب چنا ہے۔ گناہ کرنے کا اختیار بھی صرف انسان اور جنات کو دیا گیا ہے تاکہ ان کو آزمایا جاسکے۔ اگر انسان اپنی تخلیق اور وجود کے مقصد کو سمجھ گیا تو وہ اپنا مقام بھی پہچان لے گا۔

انسانی جذبات واحساسات سمندر کی گہرائی کی مانند ہوتے ہیں۔ ان کو صرف محسوس کیا جاسکتا ہے ناپا نہیں جاسکتا، ان جذبات کی مقدار کو نہ تو ناپا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان پر مکمل قابو پایا جاسکتا ہے اس کا صرف اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے۔

دل دریا سمندروں ڈونگے (گہرے)

کون دلاں دیاں جانے ہو

یہ جذبات اور احساسات انسانی فطرت کی ترجمانی کرتے ہیں۔

یہ انسان کی انفرادی قوت برداشت پر منصر ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک ان کو اپنے قابو میں رکھتی ہے یہ ہر آدمی ک لئے مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی زیادہ جذباتی ہوتا ہے اور کوئی کم جذباتی ہوتا ہے۔ ہم جسمانی ترجمانی کو دیکھ کر اس کی جذبانیت کا اندازہ لگاتے ہیں۔ ان جذبوں میں ایک جذبہ کا نام محبت بھی ہے۔ محبت ایک ایسے جذبہ کا نام ہے جس میں دوسروں کی اہمیت اور قدر وقیمت اُجاگر ہوتی ہے۔ اس جذبہ کا شکار آدمی کسی دوسرے کا خیال اپنے سے زیادہ رکھتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہو۔ اگر یہ جذبہ صادق ہو تو انسان کو یہ

قوتِ برداشت، حوصلہ جیسی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ محبت انسان کو زندگی کے طور طریقے اور آدابِ زندگی سے بھی روشناس کرواتی ہے اور انسانی حالات اور طرزِ زندگی کو یکسر تبدیل کر دیتی ہے۔

"نہ شکوہ محبت نہ لب پہ گریہ زاری
محبت نے زندگی کے آداب سکھا دیئے
طلبِ محبت تو ہر کسی کو ہوتی ہے زوار
مگر اس نے طالب ہونے کے طریقے بھی سکھا دیئے"

ان سب باتوں میں ایک چیز کا خیال رہے کہ جیسے زندگی کی تکمیل کے مختلف مراحل ہیں اسی طرح اس جذبہ میں بھی مختلف مراحل اور دشواریاں ہوتی ہیں۔ اس جذبہ کی سب سے بڑی منزل عشق حقیقی ہے۔ عشقِ حقیقی ایک ایسی منزل ہے جہاں پہنچ کر انسان اپنے وجود اور اس کے بنانے والے کے بارے میں جانتا ہے۔ بقول ڈاکٹر علامہ اقبالؒ۔

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

در حقیقت اس کا مقصد اس وقت ہی پورا ہوتا ہے جب اس کو یہ آخری منزل تک لے جایا جائے گو کہ یہ انسان کے پورے کا پورا بس میں نہیں ہوتا لیکن کوشش ضرور کی جا سکتی ہے اگر جذبہ صادق ہو تو جسمانی لذت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ یہ اس جذبہ کی صداقت کی منہ بولتا ثبوت ہے۔

آخر میں صرف اتنا کہوں گا کہ اکثر لوگ محبت کرنے والے کو پاگل کہتے ہیں لیکن یہ اس کی لذت کو صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کو یہ ہوئی ہو اس میں پیش آنے والے کو اور پریشانیوں کا بھی اپنا ہی مزہ ہوتا ہے لیکن اصل کامیابی تو عشق حقیقی ہی ہے جو کسی کے بس میں ہوتی ہے۔

☆ ☆ ختم شد ☆ ☆

رات سے ایک
عجیب سی کشمکش
میں ہوں۔
میں نے اس بے درد کو
خواب میں بڑا بے چین
دیکھا ہے
بڑا بے قرار دیکھا ہے
اور تب سے لیکر اب تک
مجھے نا چین آیا ہے
نا قرار آیا ہے
راستے الگ الگ ہیں ہمارے
مگر وہ بے درد
بڑی بے دردی سے یاد آیا ہے

صبا احمد
ٹوبہ ٹیک سنگھ

ایڈونچر

افشاں شاہد

موبائل اسکرین پر ماہم کا نمبر دیکھ کر اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

ماہم اسکی منگیتر تھی اور ساتھ ہی اسکی کزن اور سب سے اچھی دوست بھی تھی۔ سچ پوچھو! مسز عاشہ ایک تو عاشہ تم بھی بڑا فضول بولتے ہو میں ابھی ماہم ہوں مسز عاشر نہیں اپنی لگت ایک ہفتے اور بن جاؤ گی!

عاشر! امی عاشر پہلے تم سیر میں لبوپھ ریمیں بات کرتی ہوں۔ چلو اب میں لسیر لیس ہوں تم بولو کیا کام ہے؟

عاشر! تمھیں نہیں لگتا ہماری زندگی میں کوئی مسزا بھی نہیں رہا ہے۔ ایک ہی ٹریک پر گاڑی چل رہی ہو سیدھی سیدھی نہ کوئی ٹرن ہو نہ کوئی لسپ نہیں ماہم مجھے ایسا بالکل بھی نہیں لگتا اور برائے کرم تم میری پر سکون زندگی میں ذرا بھی ہلچل مچانے کی کوشش مت کرنا اور تمھیں ایسا کس وجہ سے لگ رہا ہے ذرا ماہم آپ آپ کے یہ بتانا پسند کرتی ہوں!

دیکھو نہ عاشر ہماری منگنی ہو گئی نہ ہی کسی نے مخالفت کی نہ ہی کوئی ظالم سماج بیچ میں آنا سب کچھ خوشی خوشی ہو گیا اب تمہارے ماما پاپا نے شادی کا کہا تو بھی میرے مام ڈیڈ ماں لگے جب کہ میں تو سوچ رہی تھی کہ اب کہانی بھی میری زندگی میں کوئی لو یسٹ آئیگا میرے مام ڈیڈ اعتراض کرینگے اتنی جلدی شادی کرنے پر لیکن ایسا بھی کچھ نہیں ہوا اور نہ میں نے سوچا تھا اور ساری پلاننگ بھی کرلی تھی کہ اگر ہمارے ماں باپ کے درمیان کوئی جھگڑا ہو اگا تو پھر میں ڈائمسٹ ریمانیوں کی ہیروئین کی طرح تم سے بھاگ کر شادی کرلو نگی۔

ماہم کی باتیں سن کر عاشر نے اپنا سر پکڑ لیا۔

ماہم تم پاگل ہو گئی وہ ڈائمسٹ کی کہانیاں پڑھ پڑھ کر تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے مجھے تو سمجھ نہیں آتی کہ تم کیوں چاہتی ہو کہ ہماری زندگی میں مشکلیں اور پریشانیاں آئیں۔

عاشر کوئی ایڈونیچر بھی زندگی میں ہونا چاہیے ورنہ انسان پورا ہو جاتا ہے۔ ماہم لوگ پرسکون اور ٹینشن والی زندگی کے لیے ترستے ہیں اپنے رب کے آگے جھولیاں پھیلاتے ہیں۔ اور تم پتہ نہیں کونسی دنیا کی مخلوق ہو تمہیں اچھی بھلی آرام دہ زندگی میں طوفان لانا ہے پلیز ماہم خیر و عافیت کے ساتھ یہ شادی ہو جانے دو اور مجھ سے وعدہ کرو اس ایڈونیچر کے چکر میں تم کوئی ایسی سدھی حرکت نہیں کرو گی۔ ارے عاشر ایک تم ہر بات میں جذباتی ہو جاتے ہو وعدہ کچھ بھی نہیں کرونگی۔ ماہم اور عاشر کزن تھے بچپن سے لیے کر خوانی تک کا ایک ایک پل انہوں نے ساتھ گزارا تھا ایک لمحہ بھی دونوں ایک دوسرے کے بنا نہیں رہ سکتے تھے حالانکہ دونوں کی طبعیت میں زمین آسمان کا فرق تھا عاشر ایک پرسکون جھیل جیسا تھا تو ماہم ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر جیسی جو کبھی خاموش نہیں رہنا ہلچل ہی اسکی زندگی ہوتی ہے ماہم ایڈونیچر کی دلواہ تھی ایک مرتبہ تو اس جماعت میں جان بوجھ کر اپنی دوست کے گھر چلی گئی اور اپنے گھر پہ فون کروایا کہ اسکو کسی نے اغوا کر لیا ہے سب کی جان پہ بن آئی ابھی اسکے گھر والے پولیس کو اطلاع دینے والے ہی تھے کہ ماہم کو اپنے گھر والوں پر ترس آ گیا اور وہ گھر واپس آ گئی بعد میں پتہ چلا کہ یہ سارا ڈرامہ ماہم کا پلان کیا ہوا تھا۔

عاشر میں لو جاننا چاہتی تھی کہ تم سب لوگو کے سامنے کیا کرتے ہوئے۔ ماہم یہ کو ساطر سوچنے سار جاسمی کا اور ماہم لیا کو کبھی جاننا نہیں جانان اسے محسوس کیا جاتا ہے آئندہ اگر ۔

یار ماہم دن کتنے سیگ افسادی سے گزر رہے ہیں نا آ گیا۔ ہو گیا عاشر کب صبح ہوتی ہے کب شام ہو جاتی ہے۔ گھر پتہ ہی نہیں چلتا دنیا وقت کی کی کارونا روتی ہے اور ایک آپ عاشر صاحب ہیں لگتا ہے کہ وقت مہیز گیا عاشر کا ہمیں کا دوست تھا وہ ابھی عاشر سے آفس میں ملنے آیا تھا سب عاشر اسے وقت کی سب رفتاری کے متعلق بتایا تو وہ حیران ہو گیا۔ بڑے بھائی میری شادی ہونے والی ہے اس لیے تو چاہتا ہے کہ وقت گھوڑے پر سوار ہو کر گزرے اور تم ماہم بی بی کو ہمیشہ کے لیے حاصل کر تو تم دیوانے جو ماہم بی بی کے ٹھہرے۔ چل اب اپنی بکواس بند کر عاشر نے فواد کی بیٹھ پر گھر سنا مارتے ہوئے کہا۔

عاشر کو اسی بات سے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں ماہم ایڈونیچر کے چکر میں کوئی مسئلہ نہ گھڑا کر دیں اس لیے شادی والے دن عاشر ماہم کو پارلر لیے پہنچ گیا ارے عاشر بھائی آپ سے تھوڑی پر بھی میر بھی نہیں ہو رہا کہ آپ ماہم کو پہلے یہاں پارلر آ گئے میری دلہن سب سے پہلے دیکھنے کا میرا حق بنتا ہے لیکن لوگ کیا کہ گئے دنیا کی کون سوچتا۔ اب چول جلد گاڑی میں بیٹھو ماہم اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ جیسے کوئی آسمان سے پری اترا ائی ہو عاشر کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ ماہم کو سب کی نظروں سے چھپ کر کسی اور جہاں میں لئے جاتا اور آخر

کارماہم مسزعاشر بن گئی ماہم کو خوش کرنے کے لیے عاشر نے بہت ساری ڈائمسٹ پڑھی تھی تا کہ وہ اس حسین لان میں ماہم کو اس طرح سراہے جس طرح ڈائمسٹ حسین کہانیوں کے ہیرو اپنی محبوبہ کو سراہتے ہیں لیکن ساری محنت عاشر کی ضائع کیونکہ ماہم جب سامنے آئی تو عاشر سارے ڈائیلاگ بھول گیا ماہم i am sorry کیوں کیا ہوا عاشر؟ یار میں نے ڈائیلاگ یاد کیے تھے لیکن تم سب سامنے آئی سارے اڑن چھو ہو گئے ہیں۔ اور ماہم کی کی ہسنی لیوا ے کمرے میں گونجنے لگی ماہم اور عاشر بہت خوش تھے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں دنیا میں اپنی محبت مل جاتی ہیں عاشر اور ماہم بھی ان خوش نصیبوں میں شامل تھے۔

اپنے ڈیڈ کا سارا بزنس عاشر نے سنبھالا ہوا تھا۔ اب لاہور میں انہیں نئی فیکٹری لگانی تھی اس سلسلے میں عاشر کو اب لاہور میں سیٹل ہونا پڑ رہا تھا دیکھ ماہم اگر تمہیں یہاں رہنا ہے تو تم یہاں مام ڈیڈ کے پاس رہ جائے میں فیکٹری کا کام سمیٹ ہوتے ہی واپس کراچی آ جاؤنگا۔ اچھا تو پھر عاشر جو آپ مجھے دن میں سو بار جو یہ جملہ بولتے ہیں کہ ماہم تم میرے آس پاس رہا کرو ورنہ مجھے لگتا ہے میری دنیا بے رونق ہو گئی ہے تم میری کل کائنات ہو ماہم میں پھر پل تمہیں نہ دیکھوں تو مجھے اپنا آپ ادھورا لگتا ہے۔ ورنہ تو ہے لیکن ماہم ہم جس سے پیار کرتے ہیں ان کی خوشی ہمارے لیے سب سے مقدم ہوتی ہے اگر لاہور میں تمہیں مزا نہیں آیا تو نہیں! عاشر جہاں تم ہو گے مجھے بھی وہاں ہی سکون ملے گا ماہم نے پیار بھرے لہجے سے کہا

کیا ہوا ماہم تمہارا موڈ کیوں خراب ہے ہوائی پیار میں بیٹھے ہوئے عاشر نے ماہم سے پوچھا کیا ماما پاپا یاد آرہے ہیں۔ نہیں تو پھر کیا ہوا ارے سب جیسا میں سوچتی ہوں ایسا کبھی نہیں ہوتا کیوں کیا ہوا؟ میں سوچ رہی تھی مام نے یڈ سے گلے مل کر رونے لگے میں طرح کہانیوں میں ہوتا ہے ہمارے رونے سے یہ وہ لوگ تو فوس ہو رہے تھے جیسے ہمیشہ کے لیے بلا۔ ماہم کہانیوں اور اصل زندگی میں بہت فرق ہوتا ہے ماں باپ خوش ہی ہوتے ہیں جب ان کی بیٹیا اپنے خاوند کے ساتھ کہیں جاتی ہیں اور وہ بھی میرے جیسے خاوند ہو تو پھر ماں باپ کو کوئی ٹیشن فکر نہیں ہوتی۔ ماہم نے غصے سے عاشر کو دیکھا۔ گھر پہنچتے ہی ماہم نے کہا عاشر دیکھ میں گھر کو پھر سے ڈیکوریٹ کرنا چاہتی ہو جی حضور جو کرنا ہو کرنا میں نے تمہیں کبھی منع کیا ہے ماہم گھر کی ڈیکوریشن اور عاشر فیکٹری کے کاموں میں مصروف ہو گیا کہ اچانک ایک دن عاشر کو گھر سے فون آیا۔ بوا خیریت آپ نے فون کیا جی بیٹا تم جلد گھر آ جاؤ ماہم بیٹی بے ہوش ہو گئی ہے۔ اور عاشر کو لگا اس نے مسم ہے لگی لے میاں نکال ہو ہوا وہ گاؤں تو اسیپٹو سے بھائے ہو گھر لیے آیا کہاں ہے ماہم آپ تو فون کیا کیوں ڈاکٹر کو کیوں ہو کرنا ہے مجھے کیا ہوا ہے ماہم ٹھیک ہو عاشر نے ماہک کو سینے سے لگا لیا کیسا رہا میرا سرپرائز۔ ماہم کہیں دوسروں کے سے لکھا میں بڑا

میر آتا ہے۔ تمہیں پتہ ہے کہ یہاں نہیں راسے میں کیا حالت تھی ایکسیڈنٹ لہو کے ہوتے تھا جس میں نشی کا میاں نہیں ہے۔ تمہیں ایوڈ کی پڑی ہوئی ہے تمہارا یہ ایوڈ ہجر کسی دن پچھیں اکیلا کر دے گا۔ عاشر I am sorry نہیں چاہیے مجھے تمہارا سوری رکھ تم اپنے پاس اور عاشر چلا گیا۔

ماہم بڑی مشکل سے عاشر کو منایا ابھی اب رونے دو کو تم جانتی ہوں میں تمہاری انکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔

عاشر تم آجکل اتنی دے سے کیوں گھر آتے ہو میں پوری ہوں جان لیو مجھے ضروری کرنی تو تم چلی جاؤنہ ڈرائیور کے ساتھ نہیں تمہارے ساتھ جانا ہے ماہم میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں ہے۔ ماہم لون کر رہی تھی عاشر کچھ دنوں سے بولا پہلا ہوا الگ رہا تھا وا ماہم ہر اب پہلے سی توجہ بھی نہیں دے لیا تھا بول تو خیال رکھتا تھا لیکن سلی سے اس کی باتوں میں پیار نہیں جھلکتا تھا عاشر تم مجھے سے ناراض ہوا نہیں تو میں تم سے کیوں ناراض ہونگا اور تمہیں کیو ایسا لگ رہا ہے۔ نہیں میں ایسے ہی پوچھ رہی تھی صبح صبح جلدی اٹھ کر ماہم نے عاشر کے لیے ناشتہ تیار کیا اور کھانے کی دستر پر اسکا انتظار کرنے لگی آو عاشر آج میں نے تمہاری پسند کا ناشتہ بنایا ہے نہیں ماہم آج بالکل بھی موڈ نہیں ہو رہا ناشتے کا رات کو ہی کھا لیا تھا اس مزا نہیں آ رہا بس میں صرف جوس لونگا او کے میں چلتا ہوں اللہ حافظ۔ ماہم تم کتنے اچھے پراٹھے بناتی ہوں بہت پیٹ بھر جاتا ہے دل نہیں بھرتا۔ ماہم کی آنکھیں گیلی ہو گئی بو چیز صاف کر سمیٹے گا اور سارا ناشتہ چوکیدار کو دے دیں۔ جی بی بی جی ماہم بیٹا ایک بات پوچھ۔ تم برا نہ مانو جی بولو پوچھیں بیٹا تمہاری اور عاشر بیٹے کے درمیان جھگڑا ہو گیا ہے نہیں تو۔ آپ کو کیو ایسا لگا نہیں ایسے ہی پوچھ رہی تھی بیٹا ایک بات کہو ذرا سہی سنوری رہا کرو عاشر پر توجہ دو یہ مرد ذات ہے بچہ کی طرح ہوتی ہے بچہ ہمیشہ اسی کے پاس جاتا ہے جہاں اسے زیادہ توجہ ملتی ہے جی بوا۔ اب تو گھر کے نوکر بھی عاشر کے بدلے ہوئے رویے کو محسوس کرنے لگے تھے۔

آفس جاتے ہی عاشر نے فون کر دیا ماہم کو لگا اس نے سوری کرنے کے لیے فون کیا ہوگا کہ صبح اس نے ماہم کے ساتھ ناشتہ نہیں کیا۔ لیکن ماہم کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ ماہم آج رات کو میں دیر سے آونگا ایک Deligation آنے والا ہے میں اور فواد انکے ساتھ ڈنر کرینگے۔ ماہم اداس اداس تنہا گھر کے صحن میں گھوم رہی تھی۔ اسی اثناء میں فواد کا فون آگیا سلام دعا کے بعد فواد پوچھنے لگا بھابھی! آپ ابھی تک ڈنر پر نہیں گئے؟ کہاں بھابھی میں نہیں آونگا آپکے ساتھ آپ چھپائیں نہیں مجھ سے ارے فواد بھائی مجھے کچھ معلوم ہوگا۔ تو آپکو بتاؤنگی نہ تو پھر عاشر آپکو سرپرائز دینے والا ہوگا۔ کیسا سرپرائیز وہ آپکو P.C میں Candle Ligusianer کے لیے جا رہا ہے اچھا اب پلیز عاشر کو مت بتانا ورنہ وہ مجھے مار ڈالنے گا۔ آپ بے فکر رہیں میں عاشر کو نہیں بتاؤنگی۔ ماہم اپنے آپ ہی میں نادم ہو گئی میں بھی عاشر کے بارے میں کتنا

غلط سوچتی ہوں کہ وہ بھول گئے ہیں۔ ماہم تیار ہونے لگی لیکن شام سے رات ہو گئی نہ عاشر آیا نہ ہی اس نے فون کیا آخر تھک ہار کر ماہم نے ہی رات دس بجے عاشر کو فون کیا کافی دیر کے بعد عاشر نے فون رسیو کیا اور میں تمہیں بعد میں فون کرتا ہوں کہہ کر فون رکھ دیا رات بارہ بجے عاشر کی واپسی ہوئی تم سوئی نہیں ماہم نیند روٹھ گئی ہے مجھے تم سناؤ کیسا رہا ڈنر تمہارا بہت اچھا فواد بھائی بھی آئے تھے تمہیں بتایا تو تھا اب میں بہت تھک گیا ہوں صبح بات کرینگے

خواب کیوں بکھر جاتے ہیں
لوگ کیوں اتنی جلدی بدل جاتے ہیں
کرتے ہیں جو عمر بھر
ساتھ چلنے کا وعدہ
چند قدم ساتھ چل کر
کیوں بکھر جاتے ہیں

پوری رات ماہم نے جاگ کر گزاری کسی وجہ سے صبح اسکی آنکھ دیر سے کھی تو عاشر جا چکا تھا بوا عاشر نے ناشتہ کیا جی کر لیا ماہم عاشر سارا دن عاشر کے فون کا انتظار کرتی رہی لیکن اسکا کوئی فون آیا نہ کوئی مسیج۔

عاشر یار تم کتنے فون کرتے ہو میرا آفس میں دل ہی نہیں لگتا۔ بار بار تمہاری یاد آتی ہے اچھا جناب تو پھر کیا ارادے ہیں تم بولو تو میں گھر آ جاؤں نہیں عاشر بالکل نہیں اگر تم اس طرح فیکٹری چلاؤ گے۔ تو فیکٹری کو چند دن میں تالے لگ جائینگے۔

ماہم بیتے دلوں کو یاد کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ وقت بدلتا ہے یا انسان بدلتا ہے۔

عاشر میں آج شاپنگ کے لیے جاونگی ہاں تو چلی جانا ڈرائیور کے ساتھ عاشر اور اس کے درمیان اب بہت کم بات چیت ہوتی تھی جب رشتوں میں سمیت نہ رہے تو لفظ بھی روٹھ جاتے ہیں کچھ کہنے سننے کو باقی ہی نہیں رہتا ایسا ہی ان دونوں کے ساتھ ہو رہا تھا جب محبت تھی تو وقت کم پڑ جاتا تھا لیکن باتیں ختم نہیں ہوتی تھیں اور اب وقت تھا لیکن باتیں باقی نہیں رہی تھی لگتا تھا سب کچھ کہہ سن لیا ہے اس لیے دونوں نے خاموشی کے دبیز چادر اوڑھ لی تھی پس ماہم کیے وقت کو یاد کر کے روتی رہتی تھی۔

کاش کہ اچھے وقت کو ہم قید کر سکتے تو ماہم عاشر ان محبت کے لمحوں کو امر کر لیتی نہ ماہم بوا کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی وہاں اسے عاشر کسی لڑکی کے ساتھ نظر آیا بہت سارے شاپنگ بیگ اٹھائے ہوئے ماہم کو لگا کہ کسی نے اسکو گہری کھائی میں دھکا دے دیا ہو۔ دھوکہ رنج و غم اذیت کرب تمام چیزوں کو اس نے ایک ساتھ محسوس کیا تھا اس کا دل اب بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ عاشر اس کے ساتھ دھوکہ کر سکتا ہے وہ کسی اور لڑکی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ لیکن آنکھوں دیکھی کو بھی تو جھٹلایا نہیں جا سکتا آخر ماہم نے فیصلہ کیا کہ وہ عاشر سے بات کرلے گی اگر جو اس نے دیکھا وہ سچ نکلا اور وہ ہمیشہ کے لیے عاشر کی زندگی سے نکل جائیگی۔

عاشر تم آج سارا دن کہاں تھے۔ فیکٹری پر اور کہاں ہونگا
عاشر تم اور کتنا جھوٹ بولو گے مجھ سے کیوں میں کیسوں
جھوٹ بولونگا تم سے نہیں نے تم کو خود دیکھا ہے لڑکی کے
ساتھ شاپنگ مال میں۔ ماہم وہ تمہاری نظروں کا دھوکہ ہو
گا۔ اچھا اب تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ مجھے دیکھنا ہے ہے اور یہ
تمہارے موبائلپر محبت بھرے پیغامات کیا یہ بھی میری نظر کا
دھوکہ ہے کیا P.C ہوٹل میں لڑکی کے Candle
Light Dinner بھی میری نظر کا دھوکہ ہے۔ عاشر تم اس
قدر گر سکتے ہو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا مجھے اپنے آپ
سے زیادہ تم پر بھروسہ تھا اور میرے یقین میرے اعتبار کو
چکنا چور کر دیا۔

کہتے ہوئے ماہم گر گء ماہم ماہم بوا جلدی آئیں دیکھے ماہم کو
کیا ہوا ہے ڈرائیور گاڑی نکالو فوراً عاشر نے ماہم کو اٹھا کر گاڑی
میں ڈالا عاشر کی جان پر بن آئی تھی عاشر تو ماہم کو کبھی تکلیف
میں نہیں دیکھ سکتا تھا تکلیف دینا تو دور کی بات ہے لیکن اسکو
یہ سب کرنا پڑ رہا تھا کیونکہ ماہم کو ایڈونچر والا بھوت مد سے
زیادہ بڑھ رہا تھا اور عاشر کو لگتا تھا کہ ماہم اس ایڈوینچر کے چکر
میں کبھی اپنے آپ کو نقصان پہنچا دے گی۔ اسی لیے عاشر نے
فواد اور اسکی میگنتر کے ساتھ مل کر سارا ڈرامہ رچایا لیکن اب
یہ ڈرامہ سنگین نوعیت اختیار کر گیا تھا عاشر نہیں جانتا تھا کہ
ماہم اتنی حساس ہے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہمیں لگتا ہے کہ ہم
سامنے والے کو سب سے زیادہ جانتے [illegible] حقیقت میں
ہم بہت سی باتوں سے انجان ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر میری وائف کیسی ہیں۔ وہ اب بالکل ٹھیک ہیں لگتا ہے
انہوں نے بہت زیادہ Distarbe کیا ہے۔ یوں تو وہ کمزوری
کی وجہ لیس بے ہوش ہو گئی تھی اور ساتھ ہی آپکے لیے گڈ نیو
ز ہے آپ کی مسزماں بننے والی ہیں اب آپ کو انکا بہت زیادہ
خیال رکھنا ہے۔ جی جی میں اپنی زندگی سے بڑھ کر اسکا خیال
رکھونگا۔

عاشر نے فواد اور اس کی منگیتر کو ہسپتال میں ہی بلا لیا تھا کیونکہ
عاشر جانتا تھا کہ ماہم اب اسکی ایک بات پر یقین نہیں کرے
گی۔ تم یہاں کیا کر رہی ہوں۔ ماہم نے فوراً فواد کی منگیتر کو
پہچان لیا بھابھی میں فواد کی فیانسی ہوں کیا جی میں تو بس عاشر
بھائی کی ہیلپ کر رہی تھی کیا جی عاشر بھائی تو آپ سے
دیوانوں کی طرح محبت کرتے ہیں۔ ان کی صبح آپ کے نام
سے ہوتی ہے اور شام آپ کے نام پر ختم ہوتی ہے۔ آپ
بہت کوش قسمت ہیں کہ آپکو عاشر بھائی جیسا جیون ساتھی
مال۔ اور ماہم سوچ رہی تھی کہ عاشر کی کس طرح خبر لینی
ہے۔

دیکھو ماہم اب تو مین نے اپنے کان بھی پکڑ لیے ہیں اب تو مجھے
معاف کر دو تم نے ایسا کیوں کیا عاشر تمہیں کیا لگتا ہے مجھے
ایسا کرنے سے کوشی ہو ا رہی تھی تمہیں درد دے کر کیا مجھے
سکون ملتا تھا مجھے تم سے کہیں گنا زیادہ تکلیف ہوتی تھی جب
میں تمہیں [illegible] دیکھتا تھا [illegible] ضروری تھا

تمھیں سمجھانے کے لیے ی جو تم ایڈونچر کے نام پر اپنی زندگی میں ہلچل لانا چاہتی تھی حقیقت میں اس ایڈونچر کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ ماہم اللہ تعالیٰ نے جب ہماری زندگیوں میں آسانیاں لکھی ہیں خوشیاں لکھی ہیں تو ہمیں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے نہ کہ اس کی ناشکری کرنے بہت کم لوگ ایسے ہیں اس دنیا میں جن کی زندگیوں میں کوئی ٹینشن نہیں اللہ نے تمھیں ان لوگوں میں شامل کیا ہے تو تم اسکی ناشکری کرتی ہوں تمھیں اس پرسکون زندگی سے اکتاہٹ ہوتی ہے ماہم یہ تو یہ بات ہم خود اللہ کو ناراض کر کے اس کے عذاب کو پکارے ماہم پرسکون جھیل میں پتھر پھینکنے سے ایک لمحہ کے لیے جو جھیل کی سطح پر ہلچل ہوتی ہے تمھیں صرف وہی دیکھی ہے۔ لیکن یہ ہلچل اندر کتنی ٹوٹ پھوٹ کرنے کا باعث بنتی ہے وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا ماہم اسی طرح یہ ایڈونچر لمحہ بھر کے لیے تو تمھیں خوشی دے سکتے ہیں کہ کچھ مسنفرد ہوا ہماری زندگی میں جو پہلے کبھی نہیں ہوا۔ لیکن یہ جو اپنے ساتھ غموں کے طوفان لاتے ہیں اس کی بھرپائی کرنے میں عمر کم پڑ جاتی ہے۔ ماہم ایک پل کے لیے سوچو کہ اگر جو میں نے تمہارے ساتھ کیا یہ حقیقت ہوتی تو تم کیا سہہ سکتی ہو۔ ماہم رونے لگی ارے میں تو تمھیں مثال دے رہا ہوں میں اس کے لیے نہیں رو رہی عاشر میں کتنی بری ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنے احسان کیے اور میں اسکا شکر ادا کرنے کے بجائے ایڈونچر کے چکر میں اپنی زندگی میں مشکلیں اور پریشانیاں لانا چاہتی تھی تو ابھی بھی دیر نہیں ہوئی اب تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر لو اس کے گھر کے دروازے اپنے بندوں کے لیے ہمیشہ کھلے ہیں بس ہم ہی اسکی طرف لوٹ کر نہیں جاتے۔

اے گل رخ

زرا سنو تو۔۔۔

اے گل بدن

اک بات کہوں!

ذرا سنبھل کے چلنا

کیوں کہ یہ دنیا

بڑی ظالم دنیا ہے

جہاں بھیڑیے بستے ہیں

جو۔۔۔ کلیوں کو نوچ لیتے ہیں

خوں تک نچوڑ لیتے ہیں

پھر بھی۔۔۔

پھر بھی کوئی پرسانِ حال نہیں بنتا۔۔۔

کیونکہ یہ دنیا۔۔۔

بڑی ظالم دنیا۔۔۔

ہمیشہ ظالم کا ساتھ دیتی ہے۔

مظلوم گھٹ گھٹ کے مرتے ہیں

اِس لیے بتاتا ہوں

کہ ذرا سنبھل کے چلنا۔۔۔

(زاہد سعدی) قصور

خوفناک جنگل

راحیلہ بنت مہر علی

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا آسمان گہرے کالے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا بادل گرج رہے تھے بجلی کڑک رہی تھی گھنا بڑا اور نہایت خوفناک جنگل تھا جب بجلی چمکتی تو بوسیدہ سی جھونپڑی کا منظر چند سکینڈز کے لیے واضح ہو جاتا دو بچے ایک دوسرے سے چمٹے بری طرح رو رہے تھے ممی پاپا کو پکار رہے تھے

معصوم سے خوب صورت چہروں پر آنسو نے لکیریں بنا دی تھی ایک اور بچہ ان سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھا تھا دل میں وہ بھی گھبرایا ہوا تھا لیکن بظاہر پر سکون تھا ان دونوں کو بھی بار بار کہہ رہا تھا۔ چیخنے چلانے یا رونے سے کیا فائدہ حاصل ہوا ہے۔ تم دونوں کو بھلا کئی گھنٹوں سے ہم یہاں پر قید ہیں

ہمارے ہاتھ بندے ہوتے ہیں خوفناک جنگل ہے یہاں رونے کا کیا فائدہ الٹا نقصان ہی ہے۔ تم دونوں کے لیے رو رو کر تو اب تم دونوں کو پیاسی بھی لگ رہی ہو گی ہے نا۔ دونوں نے پہلی بار خاموشی سے انکی بات سنی اور آخر میں دونوں کے سر اثبات میں ہل گئے آچھا ٹھیک ہے تم دونوں ذرا ٹھہرو میں دیکھتا ہوں شاید پانی مل جائے یہ کہہ کر وہ بندھے پاؤں سے گھٹ گھٹ کر باہر جانے کی کوشش کرنے لگا۔ دونوں بچے سہ

پھر سے لاپتہ ہیں کوئی خبر نہیں اور آپ کہتے ہیں پریشان نہ ہوں رودں نہیں ارے میں کہتی ہوں کیسے باپ ہیں آپ جو پانی پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں ار بچے بچے جانے کس حال میں ہونگے کہاں ہونگے موسم کتنا خراب ذرا را تو ذرا سی بادل دیکھ کر ڈر جاتی ہے پاتے میرے بچے رطابہ نے سینے پیٹتے ہوئے مزید زور و شور سے رونا شروع کیا۔ تو کیا کروں میں کہاں کہاں نہ ڈھونڈا میں نے اور پولیس میں بھی رپورٹ کر چکا ہوں اس سے زیادہ کیا کروں میں بتاؤ کیا کروں حارث صاحب بھی گلو گر پہنچے ہیں بولے دیکھو اس طرح رونے دھونے اور چیخنے چلانے سے کیا فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ تم دونوں کو ارے کب سے کہہ رہی ہوں اٹھو وضو کر اللہ سے معافی مانگو اور دعا کر بچوں کے لیے اور صرف آپنے بچوں کے لیے نہیں اس یتیم اور بے سہارا بچے کے لیے بھی دعا کرو حارث کی ماں جو جاتے نماز پر بیٹھی مسلسل بچوں کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی بیٹے بہو کو لڑتے دیکھا تو سمجھاتے ہوئے بولی تم چپ ہی کرو آماں اس یتیم بچے کی بڑی فکر ہو رہی ہے۔ تمھیں ارے یہ تو پتہ ہو [illegible] کوئی سازش ہے رطابہ نے [illegible]

سے اپنی ساس کو جواب دیا اور فاطمہ بیگم کی تو سر پر لگی اور تلوؤں پر بجھی نہ بجھی کچھ تو خدا کا خوف کرو رطابہ بارہ سال کا بے چارہ بچہ کیا سازش کرے گا حد ہوتی ہے بدگمانی کی حارث سمجھاؤ اپنی بیگم کو اپنی حد میں رہیں محمد احمد اگر انکار کچھ نہیں لگتا میرے بیٹے کی نشانی ہے وہ اسکے بارے میں میں انکی منہ سے مزید بکواس نہ سنو فاطمہ بیگم جدال میں آکر بولی اور جاتے نماز اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی حارث نے کڑے تیوروں سے رطابہ کو گھورا جو پاؤں پٹخ کر لاونج سے نکل گئی۔

محمد احمد نے جو ہی سر باہر نکالا بارش شروع ہو گئی انہوں جلدی سے درخت سے ایک بڑا پتہ توڑا اور دونوں کو پانی پلا دی آخر میں خود پیا اللہ کا شکر ادا کیا بندھے ہاتھوں سے بڑی مشکل سے یتیم کی اور نماز پڑھنا شروع کی زارا اور شان زارا 6 برس کی اور شان آٹھ برس کا تھا دونوں بھائی بہن جبکہ محمد احمد بارہ برس کا انکا چچا زاد بھائی تھا دونوں کے رونے میں تھوڑی کمی آ گئی لیکن جیسے ہی کوئی جنگلی جانور کی آواز سنائی دیتی یا بجلی زور سے کڑکتی تو دونوں خوب زور و شور سے رونا شروع کر دیتے محمد احمد انہیں سمجھا سمجھا کر تھک گیا اور اب زیر لب تلاوت میں مصروف تھا تیسواں پارا ان کو یاد اور باقی بھی چھوٹے چھوٹے مسنون دعائیں یاد تھیں جنہیں وہ صبح و شام پڑھنے کا عادی تھا یہ سب دادی کے محنت کا نتیجہ تھا جس نے چھوٹے عمر سے ہی محمد احمد کو قرآن شریف پڑھانا شروع کیا سات برس کے ہوتے ہی نماز پر کھڑا کیا دعائیں یاد کروائی اور تب سے لے کر آج تک محمد احمد نے کبھی نماز قضاء نہیں کی اسکے والدین تب ایک کار ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے جب وہ بمشکل ایک سال کا تھا۔ اور دادی انکی پرورش میں جی جان سے لگ گئی کہ رطابہ جو کہ انکی چچی تھی انکو محمد احمد ایک آنکھ نہیں بھاتا اور ساس کو کچھ خاص اہمیت نہ دیتی اور بچوں کو ہمیشہ دادی سے دور رکھتی آتی تھی کیونکہ بقول ان کے وہ بچوں کو دھبانو میں کر رہی ہے۔ بوڑھی دادی کے سر زدتے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے تینوں کی سلامتی کے لیے رو رو کر اللہ سے التجا کر رہی تھی۔

دونوں بچے محمد احمد کے قریب ہو گئے محمد احمد نے حیرانی سے انہیں دیکھا بھائی آپ یہ اونچے آواز میں پڑھیں نا شان کی فرمائش پر انہوں نے پہلے دونوں کو حیرانی سے دیکھا دونوں تلاوت کے نام تک سے نا آشنا تھے اور اثبات میں سر ہلا کر اونچی آواز میں تلاوت شروع کی۔ ان کی آواز بہت خوبصورت تھی دونوں بچے انہماک سے سننے لگے کچھ انکی آواز کا سحر تھا اور کچھ قرآن پاک کی تلاوت کی برکت کی تھوڑی ہی دیر میں دونوں مدہوش ہو کر ٹرمعک گئے اور چند ہی لمحوں میں خواب خرگوش کے مزے لینے لگے محمد احمد کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم در آیا دونوں بچے گیلی زمین پر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے محمد احمد نے تلاوت جاری رکھی۔

دورا کے الجنٹ جنگل میں داخل ہو گئے اور اپنے ٹھکانے کی طرف بڑھنے لگے باس نے 24 گھنٹوں میں دس بچوں کو

پہنچانے کا سختی سے حکم دیا ہے جبکہ ابھی تک ہم محض دو کو ہی اٹھاتے ہیں ایک فکر مندی سے بولا دوسرا کدو جیسے سر والے نے کہا اور اس شیطان کے بچے کو بھول گئے اس کو تو چھوڑو اس کو تو مجبوراً پکڑنا پڑا ورنہ پارک میں موجود لوگوں باخبر کرنے میں اس نے کوئی کرنے نہیں چھوڑی اس کی ہی وجہ سے ان تینوں کو اس خوفناک جنگل میں لے کر آئے کیونکہ دو مرد تو پیچھے ہی پڑ گئے تھے اور تم فضول کی مت ہانکو اور یہ سوچو کہ کیا کرنا ہے صرف بارہ گھنٹے ہیں ہمارے پاس اور دوسرے کدو جیسے سر والے کا لمبا سر اثبات میں ادھر ادھر ہل گیا۔

راوالے چھ سے آٹھ برس کے بچوں کو آغوا کر کے اپنے کسی خاص مقصد کے لیے آستعمال کرنے والے تھے دونوں چھوپنٹری کے قریب پہنچ گئے تھے۔ جب جنگل شیروں کی خوفناک دھاڑ اور دوسرے لمحے انسانوں کی چیخوں سے سرز اٹھا چرند پرند درختوں سے اُڑ کر ستور مچانے لگے چھوٹے چھوٹے جانور ادھر ادھر بھاگنے لگے ایک مرتبہ پھر چیخوں سے جنگل تھرا اٹھا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

محمد احمد تلاوت مکمل کر لی خدا سے اپنے صحیح سلامت گھر پہنچنے کی دعا مانگی اور دونوں بچوں کے ہاتھ پاؤں کھولنے تگ و دو کرن لگا کیونکہ ہاتھ پاؤں بندھے ہونے کی وجہ سے عجیب سے سوتے ہوئے تھے تھوڑی دیر محنت کرنے کے بعد وہ انکے ہاتھ کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ بارش رک چکی تھی محمد احمد نے باہر دیکھا آسمان صاف اور ستارے جھلمل کر رہے تھے اچانک ایک تیز روشنی سے انکی آنکھیں جندھیا گئی روشنی قریب آ گئی اور اسکا دل دھک سے رہ گیا دونوں آغوا کار جھونپڑی پہنچ چکے تھے لیکن اس سے پہلے کہ وہ جھونپڑی میں داخل ہو گے۔ ایک طرف سے شیر دھاڑتا ہوا نکلا شیر کی دھاڑ سے پورا جنگل سر زا ٹھا دوسرے ہی لمحلے کدو جیسے سر دالے کو زمین پر گرا کر انکے جسم میں پنجے گاڑ دیے اب کی بار دل دہلانے والی چیخ اس کی تھی دونوں بچے پہلے ہی گھرا کر اٹھ چکے تھے اور بری طرح رونے لگے۔ محمد احمد نے جلدی سے دونوں کو اپنے پیچھے کر لیا وہ خود بھی بری طرح کانپ رہا تھا انکی آنکھیں پھٹ پڑنے تک کھلی ہوئی تھی دوسرے آدمی نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ایک اور شیر کہیں سے دھاڑتا ہوا نکلا اور ان پر جھپٹ پڑا ان کے ہاتھ ٹارچ دور جا گری وہ مزاہمت کرنے لگا جیب سے بشکل فون نکلا لیکن شیر نے ان کو نمبر ڈائل کرنے کے قابل نہیں چھوڑا موبائل بھی انکے ہاتھ سے گر گیا دونوں شیر آغوا کاروں کے کھال ادھڑنے لگے محمد احمد اپنی جگہ جیسے منجمد ہو گیا خوف سے کانپتے ہوئے اس کے ذہین میں اچانک ایک خیال آیا انہوں نے دونوں بچوں سے اپنے ہاتھ کھولنے کا کہا کچھ ہی دیر میں وہ دونوں نے انکے ہاتھوں کی رسی ڈھیلی کر دی باقی کام انہوں نے دانتوں سے لیا اچانک انکے جسم میں توانائی بھر گئی تھی ہاتھ کھولنے کے بعد پاؤں بھی کھول لیے دونوں بچوں کو وہ پہلے ہی چھپ

کرا چکا تھا اور اب دونوں بچوں کو ایک طرف بٹھا یا نہ اٹھنے کی
تلقین کی اور خود شیروں سے چھپے چھپائے ٹارچ تک پہنچ گیا
شیر ویسے بھی اپنے شکاروں پر ہاتھ صاف کر رہے تھے محمد
احمد نے پہلے ٹارچ اٹھاء اور پھر موبائل بھی اٹھا لیا اور خاموشی
جھونپڑی کے اندر آ گیا جلدی سے چچا کا نمبر ڈائل کیا فوراً
جنگل میں پہنچنے کا کہا پھر دونوں بچوں کے ہاتھ جھونپڑی سے
نکل گیا انہوں نے دونوں اغوا کاروں کو سیدھے کی طرف
سے آتے دیکھا تھا اس لئے وہ اسے راستے سے جانے لگا
دونوں بچوں کے ہاتھ تھامے تیز تیز جا رہا تھا۔ ابھی کچھ ہی دور
گئے تھے کہ شان نے زوردار چیخ ماری انہوں نے فوراً ٹارچ
اس طرف کر کے دیکھا کیا ہوا احمد نے پوچھا کسی چیز نے کاٹ
لیا ہے پاؤں پر انہوں نے دیکھا شان کے پاؤں پر سانپ کے
کاٹے کا نشان تھا وہ بہت گھبرا گیا شان رو رہا تھا انہوں نے
ادھر ادھر بیٹھنے کی جگہ تلاش کی تھوڑا آگے ایک بڑا پتھر پڑا
تھا شان کو پتھر پر بٹھایا اور ان کے پاؤں سے زیر چوسنے لگا
انہوں نے کہیں پڑھا تھا اور اس نے اور اس عمل کرنے لگا
ذرا سی دیر میں ہی بے دم ہو گیا اس دوران چچا پولیس والوں
کے ہمراہ پہنچ چکے تھے اور محمد احمد کے ذہن تاریکیوں میں
ڈوبتا چلا گیا۔
محمد احمد نے اپنے ماتھے پر دادی کا لمس محسوس کیا پٹ سے
آنکھیں وا کیے اور دادی سے لپٹ گیا میرا محمد میری جان
دادی نے پیار کرتے ہوئے رو بھی رہی تھی انہوں نے دادی
کے آنسو صاف کئے میں دادی اب تو آ گیا نا اگر دادی پوتے کا
ایموشنل سین ختم ہو گیا ہو تو کیا ہم بھی صاحب بہادر کا حال
دریافت کریں۔ چچا نے مسکراتے ہوئے کہا چچا نے انہیں گلے
لگایا شاباش میرے شیر آج تیری وجہ سے زارا اور شان
ہمارے پاس ہے چچی بھی شرمندہ تھی انہوں محمد احمد اور
ساس دونوں سے معافی مانگی اور اپنے ہاتھوں محمد احمد کو جوس
پلانے لگی زارا اور شان انکے پاس بیڈ پر چڑھے ہوئے تھے۔
شان اور محمد احمد دونوں کو فوری طور پر شہر کے اچھے ہسپتال
میں ٹرئمنٹ دی اور محمد احمد سے پہلے شان بلا چھنگا ہو کر اچھل
کود کرنے لگا دادی نے شکرانے کے نوافل ادا کئے دو رکعت
بچوں کے سلامت گھر لوٹنے پر اور دو رکعت رطابہ کا محمد احمد
ہسپتل سے ڈسچارج ہوا اور سب ہنسی خوشی اپنے گھر آ گئے اور
مل جل کر رہنے دھند چھٹ گی لگے مطلع صاف ہو گیا۔
راحیلہ بنت مہر علی شاہ گاؤں آما خیل تحصیل و ضلع ٹانک

* زندگی کا دوسرا نام ادھورا پن ہے۔
* زندگی گزر جائے تو آسان ہے اور اگر گزارنی پڑے تو عذاب ہے۔
* جب نصیب پھوٹتا ہے تو انسان سوائے تڑپنے کے کچھ نہیں کر سکتا۔
* حقیقت تو یہ ہے کہ روزے داروں سے زیادہ بے روزے داروں کو روزہ لگتا ہے۔
* دنیا کہاں سے کہاں چلی گئی اور پاکستانی آج بھی میڈیکل اور کامرس میں الجھے ہوئے ہیں۔

(عریشہ سہیل)

عشق حقیقی کا سفر

فاطمہ عبد الخالق

اماوس کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی رات تھی ہر طرف ہو کا عالم تھا خاموشی اپنی راجدھانی جمائے بیٹھی تھی تہجد سے زرا پہلے کا یہ وقت تھا وہ بے سدھ پڑی ہوئی تھی ہوش وحواس سے بیگانہ وہ بخار کی حدت سے تپ رہی تھی سر چکرا رہا تھا اسے بالکل خبر نہ تھی کہ وہ اس وقت کہاں ہے ابھی وہ سوچنے کی کوشش کر رہی تھی جب اس نے ایک جانا پہچانا لمس محسوس کیا جو اس کے پاوں سہلا رہا تھا تاکہ بخار کی حدت کم کی جا سکے اس کے لیے یہ منظر تکلیف دہ تھا ہمیشہ کی طرح یہ منظر اس کی آنکھوں میں چبھ رہا تھا وہ ان ہاتھوں کو اپنے پیروں سے دور کرنا چاہتی تھی مگر وہ ہلنے سے قاصر تھی وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کے پاوں سہلائیں کیونکہ وہ ہاتھ اس کی ماں کے تھے جو اس کی یہ حالت دیکھ کر اس پہ اپنی ممتا لٹانے پر مجبور ہو جاتی تھیں حالانکہ عام روٹین میں وہ اس سے کلام بھی کم ہی کرتی تھیں مگر ماہم درانی جی ہاں مشہور مصنفہ ماہم درانی کو یہ منظر اذیت دیتا تھا اس کے بس میں ہوتا تو وہ کبھی اپنی ماں کو ایسا کرنے نہیں دیتی آخر کو وہ ان سے عشق کرتی تھی

آہستہ آہستہ ماہم درانی کی حالت بہتر ہونے لگے ہمیشہ کی طرح اس کی ماں اور اس میں آنکھیں ملیں مگر اس بار ماہم چونکی تھی کیونکہ اس بار اس کی ماں کی آنکھوں میں ان کہی داستان سننے کے جستجو کی بجائے کچھ اور تھا مگر کیا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کیونکہ یہ معمول سے ہٹ کر تھی سوچیں اس کے گرد گھیرا تنگ کر رہی تھیں اچانک اس کی ماں اٹھی اور جاتے جاتے جو الفاظ وہ ماہم درانی سے کہہ رہی تھی وہ اتنا وقت گزر جانے کے بعد بھی اس کے کانوں میں گونج رہے تھے

"مجھے اس شخص کا پتہ چاہیے جو تمہاری اس حالت کا زمہ دار ہے ماہم مجھے کوئی جواز نہیں چاہیے نہ کوئی وضاحت چاہیئے کیونکہ اک ماں کا دل اولاد کے اندر جھانک کر سب جان لیتا ہے

میں تمہیں بہت وقت دے چکی ہوں مگر تمہیں ہمارے بڑھاپے کا خیال تک نہیں ہے تم اس سے جلدی بات کرو تمہارے باپ اور بھائی کو میں منالوں گی"

وہ ورطئہ حیرت میں ڈوبی سوچ رہی تھی اب کوئی بھی وضاحت اس کی ماں کو مطمئن نہیں کر پائے گی کیونکہ وہ اپنی ماں کے سامنے ایک کھلی کتاب کی مانند تھی جسے وہ ورق ورق

اور سطر سطر پڑھ چکی تھیں یہ کیسا موڑ آیا تھا اس کی زندگی میں وہ بہت پریشان تھی کیونکہ اس کے پاس اس کا کوئی بھی حل نہیں تھا

اسے اچھی طرح یاد ہے وہ دن جب اسکی نسیم عباس سے پہلی بار گفتگو ہوئی تھی اس کا شائستہ انداز ہے اس سے بات کرنے کی وجہ تھا مگر اسے کب معلوم تھا کہ یہ شائستگی اسے لے ڈوبے گی اسے ہوش و حواس چھین لے گی اس کی ذات میں ہی قیامت بھرپا کر دے گی عام سی باتیں معمول کی روٹین کی مگر پتہ نہیں اسے نسیم عباس کی کس خوبی نے متاثر کیا تھا وہ خود بھی آج تک لاعلم رہی تھی

نسیم عباس نے اس کے افسانے کی تعریف اس قدر شائستہ اور مہذب انداز میں کی تھی کہ وہ اپنی متاع لٹا بیٹھی اک انجان شخص پر جسکا دعوی تھا کہ ماہم درانی کے الفاظ میں اتنی طاقت ہے کہ وہ بہت آگے جائے گی اور بلندیوں کو چھوئے گی اور اسے خوشی ہو گی جب ماہم درانی آسمان کا ستارہ بنے گی ماہم درانی آسمان کا ستارہ تو بن گئی تھی مگر ایک ایسا تارہ جو مدار کی تلاش میں بھٹکتا رہتا ہے وہ بھی نسیم عباس کے لیے بھٹک رہی تھی وہ ماضی میں مکمل گم ہو چکی تھی اسے نسیم عباس سے کی گئی گفتگو لفظ بالفظ یاد تھی

---------@@@@@@@@------

السلام علیکم ماہم کیسی ہین آپ؟

جیسے ہی نسیم عباس کا میسج ملا حسب معمول وہ سب کام بھلا کر اس سے بات چیت میں مصروف ہو گئی تھی

اس نے جوابی میسج بھیجا میں ٹھیک ہوں آپ سنائیے

میں ٹھیک ہوں کیا ہو رہا ماہم؟

وہ جو کام کر رہی تھی فوری چھوڑ کر جوابی میسج ٹائپ کرنے لگی

کچھ نہیں فارغ تھی آپ بات کریں

کچھ نیا لکھا؟

جی ہاں لکھا ہے اور ای میل بھی کر دی

اچھا گڈ جاب ماہم میں آپ کو بہت آگے دیکھنا چاہتا ہوں

میں آگے جاوں گی نسیم عباس

اچھا جب آپ بہت آگے جائیں گی تو اس بندہ ناچیز کو بھول لیے گا مت انداز شرارتی تھا

میں مسکرائی اور جوابی میسج ٹائپ کیا نہیں میں آپ کو یاد رکھوں گی

اچھا پھر میں اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ آوں گا آپ کے ہاں چائے پینے ٹھیک ہے؟

ماہم درانی کے گرد اذیت نے گھیر اڈالا تھا مگر پھر بھی بشاشت سے پوچھا

آپ شادی شدہ ہیں؟ پہلے تو کبھی بتایا نہیں

ابھی ہوئی نہیں ہے تو بتاتا کیسے؟ پھر سے شرارتی انداز تھا

اوہ ماہم درانی نے سکون کا سانس لیا تھا

اچھا وعدہ کریں آپ ضرور آئیں گے؟

میں وعدہ نہیں کرتا مگر اپنے الفاظ کا پاس رکھوں گا نسیم عباس بولا تھا

آہاں ٹھیک مجھے انتظار رہے گا

آپ بھول جائیں گی مجھے

نہیں میں نہیں بھولتی میں نے جوابی میسج بھیجا

آپ پہچاننے سے ہی انکار کر دیں گی نسیم عباس پھر سے بولا

نہیں میں پہچانوں گی بھی اور یاد بھی رکھوں گی اور انتظار بھی کروں گی

اچھا ٹھیک ہے پھر بات کرتے ہیں دعاوں میں یاد رکھئے گا نسیم عباس کا میسج اسکرین پر ابھرا تھا

نسیم عباس ماہم درانی کا دوست تھا مگر وقت بڑا استاد ہے اس نے بھی ماہم کے گرد جال بن دیا تھا محبت کا جال جس میں وہ بری طرح پھنس چکی تھی جی ہاں ماہم درانی نسیم عباس کی محبت میں گرفتار ہو چکی تھی

وہ سودائن ہو گئی تھی محبت سے انکار کرنے والی لڑکی کو آج محبت کے ناگ نے ڈسا تھا اور وہ جو کبھی محبت کو فضولیات کہا کرتی تھی آج اس کے زہر میں نس نس ڈوب چکی تھی بچاو کا رستہ نہیں مل رہا تھا

---@@@:-----

السلام علیکم کیسی ہیں ماہم؟ نسیم عباس کا میسج جیسے ہی اسے ملا وہ مکمل توجہ سے اس سے بات چیت کرنے لگی

میں ٹھیک ہوں آپ سنایئے کیسے ہیں؟

میں بھی ٹھیک ہوں میرے لیے دعا کیا کریں

میں آپ کے لیے دعا کروں گی

آپ کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے ماہم؟

میری خواہش ہے کہ میرا تخیل خوش رہے

تخیل؟ سکرین پر یک لفظی سوال ابھرا

جی ہاں تخیل میں بولی

کس کا تخیل اور کہاں ملا؟

مسئلہ تو یہ ہے کہ وہ کبھی ملا نہیں

حقیقی نہیں ہے کیا؟ پھر سے سوال اسکرین پر چمکا

حقیقی ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی

مطلب؟ پھر سے نیا سوال اٹھا

کچھ نہیں کیا آپ کے پاس یہی اک موضوع رہ گیا بات کرنے کو؟ میں بولی

نہیں آپ کی بات نے مجھے کنفیوز کر دیا ماہم

کس بات نے؟

آپ کے تخیل والی بات نے؟ لڑکا ہے کوئی فرشتہ ہے کیا چیز ہے آپ چھپا کیوں رہی ہیں؟ بتائیں نا اس بار اصرار کیا تھا

لڑکا ہے مگر آپ فرشتہ سمجھ لیجئے میں مسکرائی

اب لڑکے فرشتے نہیں ہوتے فوری جواب آیا

میرا دل مانتا ہے کہ وہ فرشتہ ہے

اچھا تو معاملہ دل کا ہے

جی دل کا

سارے شاعر کیا ایسے ہی ہوتے ہیں اک نیا سوال ابھرا

باقیوں کا مجھے نہیں علم البتہ میں منفرد ہوں

ہر کسی کو یہی وہم کیوں لاحق ہے کہ وہ دوسروں سے منفرد ہے؟ سوال پہ سوال کرنا نسیم عباس کی عادت تھی

مگر میں ہوں الگ ہی، مجھے دوسروں سے کیا سروکار؟ میں نے

مسکراتے ہوئے ٹائپ کیا

وہ کون ہے؟ کیسا ہے؟ کہاں ملا آپ کو؟ پھر سے سوالیہ میسج تھا

میرے خیالوں میں ملا تھا ماہم درانی مسکرائی

ہاہاہاہا کوئی ناول پڑھا آج آپ نے؟

میں اب ناول نہیں پڑھتی، میں غصے سے کہا

سب شاعر ایسا ہی تخیل بنا کر شاعری کرتے ہیں مس ماہم

مگر میں نے حقیقت کا تخیل بنایا ہے مسٹر نسیم عباس

حقیقت حواس خمسہ سے تصدیق شدہ ہوتی ہے مس رائٹر

محبت حواس خمسہ کی پہنچ سے باہر ہے شاید آپ کو میری بات کا اعتبار نہیں

آپ کو ہے اپنی بات پر اعتبار؟ اففف پھر وہی سوالیہ انداز ہی

جی ہاں مجھے ہے یقین خود پر

لڑکیوں کو مضبوط اور باوقار ہونا چاہیے ماہم درانی جی

میں مضبوط ہوں مگر اس کے لیے بن نہیں پاتی

سب لڑکیاں ایسے ہی کہتی ہیں اس بار بے اعتبار سا لہجہ تھا

ماہم درانی کے اندر اس وقت چھن سے کچھ ٹوٹا تھا

آپ اس موضوع کو بند کر دیں اس نے من کی کرچیاں چھپا کر کہا تھا

آج تو آپ نے سچ میں مجھے پاگل کر دیا لگتا ہے یہ آپ کی نئی کہانی کا پلاٹ ہے

اس بار شرارتی سائن بھی میسج کے ساتھ ساتھ تھا

دس یا بیس سال بعد بھی میری یہی کہانی ہو گی نسیم عباس

کیونکہ یہ محبت ایک اٹل حقیقت ہے

کہانی کا پلاٹ اچھا ہے نسیم عباس نے پھر وہی بات دہرائی

سچ ہمیشہ اچھا ہوتا ہے جانے کیوں اس لمحے میرے لبوں پہ مسکراہٹ آئی تھی

آپ میری ایک بات مانیں گی؟

نسیم عباس نے کیا سوال پوچھا تھا ماہم بھلا اس کی کوئی بار کب ٹالتی تھی

جی بولیں میں مسکرائی تھی یا شاید گنگنائی تھی

اپنے تخیل پر اعتبار مت کیجئے گا دنیا بہت بری ہے لوگ بلیک میل کرتے ہیں اور ان سطحی باتوں میں وقت ضائع مت کریں اپنی پڑھائی پر توجہ دیں

سطحی باتیں؟ میرا ضبط جواب دے گیا؟ اور میں یعنی ماہم درانی اپنا وقار اور پندار بھول کر پھٹ پڑی اور میں نے اسے بتا دیا کہ وہی میرا تخیل ہے وہی میرا فرشتہ ہے وہی میری آنکھوں کا خواب ہے وہ میری زندگی کا عنوان ہے

اس کا جواب نہیں آیا یہ ہماری آخری بات چیت تھی

------@@@@@@-----

ماہم درانی آج ملک کی مایہ ناز مصنفہ اور شاعرہ ہیں انہیں حلقہ ادب میں جو بات دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ انکا لیا دیا انداز تھا اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کوئی کھڑوس قسم کی مصنفہ ہیں بلکہ وہ مخاطب کو اس قدر سلجھے انداز میں نکتہ نظر واضح کرتی کہ مخاطب کہ ہمت نہ پڑتی کہ دوبارہ ماہم درانی سے خطاب کرے وہ مضبوط کردار اور باوقار شخصیت جیسے القابات سے نوازی جاتی تھی ان سب باتوں سے بالاتر اس کی

سے سے بڑی خوبی اسکا چغہ نما عبایا اور لمبا سا اسکارف تھا جو
اسے منفرد بناتا تھا بہت سے لوگوں نے اس کی طرف ہاتھ
بڑھایا تھا مگر اس نے شائستگی سے انہیں انکار کیا تھا مگر کسی کو
کیا خبر تھی کہ ماہم درانی کا دل تو کب کا نسیم عباس کا ہو چکا ہے
وہ اپنی بات کسی سے نہیں کہتی تھی کیونکہ اسے اپنا بھرم بہت
عزیز تھا
وہ بہت سی خوبیوں کی مالک تھی مگر افسوس کہ اس نے یہ
ساری خوبیاں ایک مٹی کے پتلے نما انسان کے لیے اپنائی تھیں
اس کی دعائیں نسیم عباس سے شروع ہوتی تھیں اور اختتام
بھی اسکا نسیم عباس ہی تھا ماہم درانی حیران ہوا کرتی کہ کیا کوئی
کسی سے اس قدر بھی محبت کر سکتا ہے جتنی کہ ماہم درانی کو
نسیم عباس سے تھی مگر نسیم عباس کو محبت نامی بلا پر یقین نہیں
تھا وہ کہتا یہ قصے کہانیوں کی باتیں ہیں

وہ کہتا ہے
میں بھی عام سی ہی لڑکی ہوں
جسے محبت ہے
ان دیکھے ان جانے سے
وہ کہتا ہے
میں پاگل سی لڑکی ہوں
جو بیوقوفی کرتی ہے
محبت کا دم بھرتی ہے
مگر اسے معلوم کہاں
کچھ لوگ ہیں ہوتے
اڑیل اور ضدی سے
اپنے قول کے پکے
وہ پاگل نہیں ہوتے
وہ عام نہیں ہوتے
داو لگا دیں جو سب کچھ
محبت پہ لٹا دیں جو سب کچھ
وہ خاص ہوتے ہیں
مگر تمہیں یقین کیسے دلاوں
کون سے الفاظ لاوں
جو سحر پھونکیں
کہ تم یقین کر لو
حقیقت میں بھی
محبت وجود رکھتی ہے
تم جو کہتے ہوں
یہ الفاظ ہیں مرے کسی افسانے کے
مگر تم جان لو
میری زندگی کا افسانہ تم ہو
میری زندگی کا عنوان تم ہو
آزمائش شرط ہے
انتظار طویل ہو چا ہے
مگر دیر سے سہی
تم مان لو گے
تم جان لو گے

محبت اک حقیقت ہے

جو اپنا وجود رکھتی ہے

-------@@@@@@---

وہ ابھی تک ساکت بیٹھی اپنی ماں کے الفاظ یاد کر رہی تھی اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے کانوں میں تپتا سیسہ ڈال دیا ہو ایک الاو اس کے اندر جل رہا تھا ایسا الاو جو سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتا ہے. اچانک وہ بے اختیاری کی کیفیت میں اٹھی اور وضو کرنے چل دی نجانے یہ کونسی کیفیت تھی جو اس کے حواس پر چھا گئی تھی عجب سکون کی حالت وہی سکون جس کی وہ اتنے سالوں سے متلاشی تھی اسی کیفیت میں اس نے وضو کیا اور سجدے میں گر چکی تھی آنکھوں سے سیل رواں تھا ہونٹ سرگوشیاں کر رہے تھے وہ اپنے رب سے ہم کلام تھی

اے میرے رب میں نے اپنی زندگی کے دس سال تیرے بندے کے عشق میں گزار دیے مگر آج تیری بارگاہ میں آئی ہوں دس سال جس کھوٹ نے میری راہ کھوٹی کی آج وہ تیری محبت کے سامنے میرے دل سے نکل گیا مجھ عاصی کو نواز دے اپنے کرم سے نواز دے تو کریم ہے تو رحیم ہے مجھ پر رحم کر اور میری ذات کو اذیتوں سے نکال دے مجھے بخش دے میرے عیب کا پردہ رکھ لے ہچکیوں سے سارا وجود لرز رہا تھا وہ زار و زار رو رہی تھی بارگاہ الہی میں اس کی سن لی گئی اسے نواز دیا گیا وہ سرفراز کر دی گئی عشق حقیقی میں قدم رکھتے ہی اسے پر انعام ہوا تھا وہ دنیا کی اذیتوں سے منہ موڑ چکی تھی رب کا قرب اسے مل چکا تھا وہ خوش نصیب تھی جو جاتے جاتے نسیم عباس کو دل سے نکال کر عشق حقیقی کو پا کر گئی تھی ملک کی مایہ ناز مصنفہ وشاعرہ سجدے کی حالت میں دم توڑ چکی تھی وہ اخبارات کی شہ سرخیوں میں تھی جب نسیم عباس اپنے بیٹے کی خوشیاں منا رہا تھا ہزاروں لاکھوں دلوں کی دھڑکن ماہم درانی امر ہو چکی تھی ایک جم غفیر تھا جو اس کی نماز جنازہ میں شامل تھا ہر آنکھ اشک بار تھی

بہت خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو جاتے جاتے بھی رحمت الہی کا پلو پکڑ لیتے ہیں وہ بھی فیض یاب ہوئی تھی شاید اللہ کو اسی وقت کا انتظار تھا کہ وہ اس کی طرف لوٹے یقینا ماہم درانی رب کے چنے ہووں میں سے ایک تھی تاریخ جب بھی ماہم درانی کو یاد کرے گی چپکے سے دو آنسو اس کی یاد میں ضرور بہائے گی

-----@@@@@@@-------

میں ملیحہ درانی، ماہم درانی کی ماں ہوں آج اسے رخصت ہوئے مہینہ گزر گیا مگر یوں لگتا ہے جیسے ابھی کل کی بات ہو جب وہ ننھی سی بچی تھی اور میرے بغیر ایک منٹ تک نہیں رہتی تھی اس کی یہ عادت مجھے بہت پریشان کرتی تھی مجھے بزنس کے سلسلے میں کہیں نا کہیں آنا جانا پڑتا تھا مگر وہ میرے بغیر رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیتی تھی اس کی اسی عادت کو ختم کرنے کے لیے میں نے اس سے سختی سے پیش آنا شروع کیا اور اپنی بیٹی سے فاصلہ رکھنے لگی مگر فاصلے تو فاصلے ہوتے ہیں جو بڑھتے بڑھتے ایک دیوار کہ شکل اختیار کر گئے جنہیں پاٹنا

میرے لیے مشکل ہو گیا تھا میں جانتی ہوں کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھی مگر میں اسے کبھی بتا ہی نہ سکی کہ اس کی ماں بھی اس سے بہت محبت کرتی ہے وہ اپنے باپ کی لاڈلی بیٹی تھی نجانے کب وہ اپنی ذات کو روگ لگا بیٹھی مجھے خبر تک نہ ہوئی جب خبر ہوئی وہ عشق کے سفر میں بہت آگے جا چکی تھی اب وہ اس دنیا سے بھی روٹھ گئی اور مجھے پچھتاوں کی جلتی آگ میں دھکیل گئی جو پل پل مجھے جلا رہی ہے اے کاش کوئی مجھے گزرا ہوا وقت واپس لا دے اور میں اپنی بیٹی کو یہ بتا سکوں کہ وہ میرے لیے کیا تھی وہ تو میرے جگر کا ٹکڑا تھی میری ایک آواز پر دوڑی چلی آنے والی میری بیٹی اب شہر خاموشاں کی باسی ہے میں آوازیں دیتی ہوں مگر وہ سنتی ہی نہیں مجھے تو اب ان پچھتاوں کے ساتھ زندگی گزارنی ہی ہے مگر میری آپ سب سے گزارش ہے کہ اپنی بیٹیوں سے محبت وشفقت سے پیش آئیں اور ان سے فاصلہ مت رکھیں کہیں ایسا نہ ہوں کہ وہ دور چلی جائیں اور آپ پچھتائیں

-----@@@@@----

میں نسیم عباس ہوں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں ماہم درانی کی زندگی کا افسانہ یا زندگی کا عنوان نسیم عباس، میں جانتا ہوں کہ ماہم درانی کی زندگی میں میرا وجود بہت اہمیت رکھتا ہے مگر لازم تو نہیں وہی ہو جس کی ہم نے چاہ کی ہو وہ میری بہت اچھی دوست تھی مگر میری زندگی میں سرفہرست میرے والدین تھے میں انکی اکلوتی اور فرمانبردار اولاد ہوں میں چاہ کر بھی ماہم درانی کی خواہش پوری نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میرے والدین کبھی بھی اسے قبول نہ کرتے میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس سے ملنے آوں گا اپنی فیملی کے ساتھ اپنی بیوی کے ساتھ اور اس نے مجھے کہا تھا میں انتظار کروں گی میں نے اسے کہا تم بھول جاو گی اس نے کہا تھا میں یاد رکھوں گی اور انتظار کروں گی میں نے کہا تھا تم پہچاننے سے انکار کر دو گی اس نے کہا تھا میں پہچان لوں گی اور انتظار کروں گی مگر وہ جھوٹی تھی ایک نمبر کی جھوٹی کہتی تھی انتظار کروں گی کب کیا اس نے میرا انتظار؟ میں اپنے وعدے کے مطابق گیا تھا اس کے گھر مگر اس کی ماں جی کہتی وہ تو دنیا چھوڑ کر جا چکی ہے وہ ایسے کیسے جا سکتی ہے وہ بات کی پکی تھی پھر اس نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟

میں جب سے اس کے گھر سے ہو کر آیا ہوں اک عجب سی بے چینی دل پہ طاری ہے میرے من میں وحشت کا راج ہے وہ خود تو گئی مگر جاتے جاتے نسیم عباس کا دل بھی لے گئی آپ قارئین سے التماس ہے میرے لیے دعا کیجئے مجھے سکون نصیب ہو میری بیوی اور بیٹا میری اس حالت سے بہت پریشان ہیں

☆ ☆ ☆

بنگلہ نمبر ۲۱۰

سیدہ عروج فاطمہ

''امی یہ بنگلہ تو بہت خوبصورت ہے۔کشادہ کمرے اور اتنے مہنگے فانوس۔سمجھ نہیں آرہا کہ کس کس چیز کی تعریف کی جائے۔سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ پرانے کرایہ دار اپنا سارا فرنیچر بھی چھوڑ گئے ہیں۔''رامین نے سامنے پڑی ہوئی قیمتی سنگھار میز کے قریب کھڑے ہو کر کہا۔

''بیٹا تم خوش ہو رہی ہو جبکہ مجھے تو فکر لاحق ہو رہی ہے۔بغیر وجہ کے تو کوئی بھی اپنا سامان چھوڑ کر نہیں جاتا ہے۔ضرور اس کے پیچھے کوئی نا کوئی راز پوشیدہ ہے۔''رامین کی والدہ نے فکرمندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''چھوڑیں امی ہم نے تو صرف پانچ ہزار روپے دیئے ہیں۔یوں سمجھ لیں کے ہماری لاٹری نکل آئی ہے۔''رامین نے خوشدلی سے جواب دیا۔

بہت عرصہ قبل رامین کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔وہ دل کے مریض تھے۔رامین کی والدہ نرس تھیں جبکہ اس کا کوئی بھائی نہیں تھا۔رامین کی ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کے وہ نور محل دیکھے لیکن اس کی یہ آرزو تو کبھی پوری نہیں ہوئی مگر یہ بنگلہ نور محل سے کم نہ تھا۔پھر بھی نا جانے کیوں ہر چیز پر اداسی کی حکمرانی تھی جیسے ہر چیز کسی گہرے غم کا سوگ منا رہی ہو۔

رامین نے حال ہی میں ایم۔اے انگلش کی ڈگری شاندار گریڈ سے حاصل کی تھی۔اسے بچپن سے ہی لکھنے کا شوق تھا اور اب تو اسے وقت بھی مل گیا تھا اور دور دور تک پھیلی ہوئی خاموشی بھی میسر تھی۔

رامین کی والدہ بنگلے کا گیٹ باہر سے لاک کر کے ہسپتال جا چکی تھیں۔رامین نے لکھنے کے لیے دوسری منزل پر جانے کا پروگرام بنایا۔اب رامین اپنی پسندیدہ جگہ ٹیرس پر بیٹھ چکی تھی۔رامین نے کاغذ پر اپنے ناول کا نام لکھا

''ادھوری خواہش مکمل خواب''

ابھی رامین نے اتنا ہی لکھا تھا کہ کسی نے اس کا نام پکارا اسے لگا کے اس کا وہم ہے لیکن پھر دوبارہ اسے اپنا نام سنائی دیا- اس نے اٹھ کر ارد گرد کا جائزہ لیا تو وہاں کوئی بھی نا تھا جب وہ واپس ٹیرس کی طرف آئی تو اپنے کاغذ کی طرف دیکھ کر وہ حیران ہو گئی اس پر یہ عبارت خون سے لکھی ہوئی تھی

"تمہیں یہاں سے جانا ہو گا رامین"

اور اگلے ہی لمحے وہ تحریر مٹ گئی- رامین اپنی چیزیں اٹھا کر تیزی سے سیڑیوں کی طرف بڑھی اب کسی لڑکی کی رونے کی آواز بلند ہو گئی تھی- رامین نے اب رکنا مناسب نہیں سمجھا رامین اپنے کمرے کی جانب چلی گئی اور اس نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کر لیا-

کچھ دیر بعد کسی نے رامین کے دروازے پر دستک دی- رامین نے سکھ کا سانس لیا کہ اس کی والدہ ہسپتال سے واپس آ گئی ہیں- دروازہ کھولتے ہی سامنے کھڑے ہنستے مسکراتے چہرے نے اسے پر سکون کر دیا-

"کیسی ہو میری پیاری بیٹی؟ تمہیں اکیلے ڈر تو نہیں لگا؟"

اس سے پہلے کہ رامین کچھ کہتی اس کی نظر ان کے پاؤں پر پڑی جو پیچھے کی طرف مڑے ہوئے تھے دیکھتے ہی دیکھتے وہ جو کوئی بھی تھی نظروں سے اوجھل ہو گئی- رامین کو گیٹ کا لاک کھلنے کی آواز آئی اب اس کی والدہ ہی آئی تھیں مگر رامین تو جیسے بے یقینی کی حالت میں کھڑی تھی- رامین کا چہرہ دیکھ کر انہیں احساس ہو گیا کہ کچھ تو ایسا ہوا ہے جس نے رامین کو بے حد پریشان کر دیا ہے-

"کیا ہوا ہے رامین؟ تم اتنی بوکھلائی ہوئی کیوں لگ رہی ہو؟ کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ؟" رامین کی والدہ کو تشویش لاحق ہوئی-

"نہیں امی ایسی کوئی بات نہیں ہے- آپ بتائیں آج کا دن کیسا گزرا؟"

رامین نے بات ٹال دی-

"بہت مصروف رہی آج- کل میری نائٹ شفٹ ہے- بیٹا اب میں آرام کرنے جا رہی ہوں تم بھی آرام کرو-" رامین کی والدہ نے شفقت بھرے انداز میں کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئیں-

کل رات رامین کے لیے اچھا موقع تھا کہ وہ جان سکے کہ یہ سب کون کر رہا ہے؟ اور پھر رات کا پہر بھی آ ہی گیا- رامین کی والدہ نے جیسے ہی گھر سے باہر گئیں رامین نے سٹور روم کی طرف چلنا شروع کر دیا- سٹور روم کے دروازے سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آتی رہتی تھی- سٹور روم کا دروازہ کھولتے ہی رامین کی نظر ایک پینٹنگ پر پڑی اس میں جو لڑکی تھی وہ کسی شہزادی سے کم نا تھی- آج تک شاید ہی کسی کو شک ہوا ہو کہ

اس پینٹنگ کے پیچھے کوئی اہم راز چھپا ہو سکتا ہے۔رامین نے جب اس پینٹنگ کو دیوار سے اتارا تو اس کے پیچھے ایک چھوٹا ساخانہ تھا اس میں بہت سے کاغذ موجود تھے۔اس سے پہلے کے رامین انہیں اٹھا پاتی کسی نے اس کا پاؤں پکڑ لیا رامین نے جب نیچے کی طرف دیکھا تو صوفے سے نکلا ہوا انتہائی لمبا ہاتھ دیکھ کر اس کا دل تو ایک لمحے کے لیے رک گیا ہو اسے یوں محسوس ہوا۔ پھر سے وہ ہی درد بھری رونے کی آواز سنائی دینے لگی۔رامین نے خود کو ہاتھ کی گرفت سے آزاد محسوس کیا لیکن سسکیوں کی آواز اب بھی جاری تھی۔رامین نے سٹور روم سے باہر جانا ہی مناسب سمجھا۔پینٹنگ خود بخود ہی واپس دیوار پر لگ چکی تھی۔رامین کو جتنی بھی آیات زبانی یاد تھیں اس نے وہ پڑھیں اور اپنے کمرے میں پہنچ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

اگلے روز رامین ساتھ والوں کے گھر اپنی والدہ کے ساتھ گئی۔ آج اتوار تھا اور رامین کی والدہ کو ایک ہفتے کے بعد آج فرصت کے لمحات میسر آگئے تھے۔رامین کو وہاں اپنی ہم عمر سہیلی مل گئی۔اس کا نام زینب تھا۔وہ رامین کو اپنے کمرے میں لے گئی اور دونوں نے خوب باتیں کیں۔

''رامین سچ سچ بتانا تمھارے ساتھ اب تک ایسا کچھ ہو چکا ہے نا جو آسیب زدہ گھروں میں ہوتا ہے؟''زینب نے وہ سوال کر ہی دیا جس کا رامین کو شدت سے انتظار تھا۔

''ہاں بہت کچھ ہوا ہے اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک یہ گھر چھوڑ دیتا لیکن میں حقیقت جاننا چاہتی ہوں۔مصنف بہت حساس طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔مجھ سے اس کی سسکیاں اور رونے کی آوازیں برداشت نہیں ہوتی ہیں۔میں حقائق جاننا چاہتی ہوں۔''رامین نے زینب کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''رامین تم ایک رائیٹر ہو۔ہو سکتا ہے کہ اسے لگتا ہو کہ تم اپنے الفاظ سے اس کی مدد کر سکتی ہو۔ورنہ پچھلے کرایہ داروں کا حال تو تمہارے سامنے ہے جو اپنا سامان بھی چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔تم جیسے باہمت لوگ ہی بنگلہ نمبر ۲۰۱۰ میں رہ سکتے ہیں یہ ہمارے بس کا کام نہیں ہے۔''زینب نے مسکراتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

''میں تو خود جاننا چاہتی ہوں کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ مجھے خوشی ہوگی اگر میں اس کی مدد کر سکوں تو۔''رامین نے بجھے ہوئے لہجے سے جواب دیا۔

''رامین ہم نے تو محلے والوں سے یہ سنا ہے کہ اس لڑکی کا نام رانیہ تھا۔اس کی امی اور ابو دونوں ڈاکٹر تھے۔رانیہ بچپن سے ہی بہت خوبصورت تھی۔اسکی شادی جس لڑکے سے ہوئی وہ بھی رانیہ ہی کی طرح حسین تھا۔سب اس شادی سے بہت خوش تھے۔لڑکا بھی اکلوتا اور لڑکی بھی اکلوتی تھی۔دونوں گھروں میں دولت کی فراوانی تھی۔پھر اچانک نا جانے ایسا کیا

ہوا کہ ایک دن رانیہ کی خودکشی کی خبر نے ساری خوشیاں ختم کر دیں-شادی کو ابھی چھ ماہ ہی گزرے تھے-رانیہ کی والدہ تو یہ خبر سنتے ہی دم توڑ گئیں-اس کے والد بھی زیادہ عرصہ جی نا سکے اور ایک دن وہ بھی وفات پا گئے-اس طرح رانیہ کی ہنستی مسکراتی فیملی کا نام ونشان مٹ گیا-دوسری طرف رانیہ رانیہ کا شوہر بھی جلد ہی چل بسا اس کی موت بہت پراسرار تھی-وہ کسی ذہنی کرب کا شکار تھا نیند کی گولیاں روز کھاتا تھا پھر بھی وہ سہی طرح سو نہیں پاتا تھا- سب رانیہ کو کوستے تھے کے بن ماں باپ کے بچے کو اس کی بیوی نے ذہنی مریض بنا دیا-راحیل کے چچا نے اس کی پرورش کی تھی-راحیل کی جائیداد کے وہ بھی حصہ دار تھے- بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اس لیے عمر کے تو زیادہ نہیں تھے لیکن بہت زیادہ لالچی تھے-راحیل اچانک ایک دن وفات پا گیا-یوں یہ کہانی ختم ہو گئی-"زینب کو جتنا معلوم تھا اس نے رامین کو بتا دیا-

یہ سب سننے کے بعد رامین کی مسکراہٹ غائب ہو گئی-وہ کچھ دیر اور بیٹھی اور پھر اپنی والدہ کے ساتھ اپنے گھر واپس چلی گئی-

رامین ایک بار پھر سے سٹور روم میں موجود تھی-"رانیہ مجھ سے بات کرو پلیز-میں تمہاری مدد کروں گی-مجھے معلوم ہے تم بے قصور ہو-نا جانے مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کے تمھارے شوہر نے ہی تمہیں قتل کیا تھا-"رامین نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کے دیوار پر لگی پینٹنگ خود بخود نیچے گر گئی اور تیز ہوا کے ساتھ وہ سارے کاغذ فرش پر گر گئے-رامین نے سرے اوراق اکھٹے کئے اور سامنے پڑی ہوئی کرسی پر انہیں لے کر بیٹھ گئی-

January 5

السلام علیکم......پیاری امی جان میں یہاں بالکل بھی خوش نہیں ہوں-میں یہ سب آپ کو بتا بھی نہیں سکتی-راحیل کسی اور لڑکی کو پسند کرتے ہیں-انہوں نے صرف میری دولت کی خاطر مجھ سے شادی کی تھی-آپ کی پھولوں جیسی بیٹی کانٹوں بھری زندگی گزار رہی ہے-مجھے آپ سے ملنے کی اجازت نہیں ہے اس لیے میں مصروفیت کا بہانہ بنا دیتی ہوں-مما آپ سب بہت یاد آتے ہو-

آپ کی بیٹی

رانیہ

January 10

السلام علیکم......مما امید ہیں آپ ٹھیک ہوں گی-میں نے پہلے بھی آپ کو خط لکھا لیکن بھیجنے کی ہمت نا کر سکی میں اپنی خبر دوں بھی تو کس طرح دوں یہاں مجھ پر ہر چیز کی پابندی لگا دی گئی ہے-میری جان خطرے میں ہے-آپ کی پیاری بیٹی

آپ کو بہت یاد کرتی ہے۔ اس طرح خط لکھنے سے میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور کیا معلوم کبھی کوئی پڑھ ہی لے اور میرے حق میں سب بہتر ہو جائے۔

آپ کی بیٹی

رانیہ

باقی کے صفحوں پر بھی رانیہ نے صاف صاف بتا دیا تھا کہ راحیل اور اس کے چچا دونوں کی ہی نظر اس کے زیور اور دوسرے قیمتی سامان پر ہے۔ ہر صفحے کے آخر میں رانیہ کے دستخط تھے اور یہ ثبوت رامین کے لیے کافی تھے۔ رامین نے رانیہ کے حق کے لیے آواز اٹھائی۔ مختلف اخبارات میں اس کے خطوط شامل کروائے اور آخر کار وہ دن آ ہی گیا جب اس کے جاننے والے لوگ اور خاص کر محلے داروں نے بھی افسوس کا اظہار کیا کہ جو کچھ بھی ہوا تھا بہت غلط ہوا تھا۔

راحیل کے چچا آج جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھے۔ انہوں نے اعتراف کر لیا کہ اس سب کے پیچھے ان کا اور راحیل کا ہاتھ کا رانیہ نے خودکشی نہیں کی تھی۔

آج پہلی بار رامین نے رانیہ کو اس کے اصل روپ میں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں نم تھیں مگر چہرے پر بے پناہ سکون تھا۔ وہ اتنی خوبصورت تھی کہ رامین کو وہ کوئی خواب لگ رہی تھی۔ پھر اس کے بعد اس کا سایہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ اگلے روز رامین نے بھی وہ بنگلہ خالی کر دیا۔ وہ اس گھر میں کبھی نہیں رہ سکتی تھی جہاں کسی لڑکی کے ساتھ اتنا ظلم ہوا ہو۔ آج وہاں جو لوگ رہ رہے ہیں انہیں ایک سال ہو گیا ہے لیکن کبھی بھی پھر ایسا ویسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ رامین اگر ہمت نا کرتی تو یہ خوفناک حقیقت قائم رہتی لیکن رامین نے وہ کر دکھایا جس کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆

دل کی آواز

ایک چہرہ تھا معوم
جس کی کرن تھی رشتے
کچھ رشتے تھے
جن کی کرن تھی انا
بس ایک ہی تھا جگر
جس کی طلب تھی احساس
ہر کسی نے کر دیے دفن
اس چہرے کے تبسم
معوم چہرے نے کہا ہنس کر
ہم زمانے کی طرح کمزور نہیں رشتا
جو انا کی خاطر اپنے احساس چھیوردے
(سماویہ چوھدری عبید اللہ)
(شہر. لاہور)

☆ ☆ ☆

بھی شکوہ تھا زمانے سے
کوئی سمجھتا نہیں ہمیں
اب تو ایسا عالم ہے
ہم خود ہی سمجھ نہیں پار ہے
فخر تھا جن کی خدائی پے
وہ ہی زہر پلاتے رہے
ہم شیدائی کرب کی آہٹ میں پیتے رہے
جب ہوش آئی تب پلٹ کر دیکھ نہ سکے
تب سانسے بند ہو چکی تھیں
(سماویہ چوھدری عیبد اللہ)
(شہر. لاہور)

☆ ☆ ☆

جب تلک مجھ میں جان باقی ہے۔
حوصلوں میں اڑان باقی ہے.
جو بھی نکلے گا سچ ہی نکلے گا۔
منہ میں جب تک زبان باقی ہے.
آ تسلی دے تو نہیں میرا۔
دل کو اب بھی گمان باقی ہے.
لٹ گئی جب زمین ہی تو پھر۔
کس لئے آسمان باقی ہے.

تم تو گھبرا گئے ابھی آذاد۔

اور مری داستان باقی۔۔۔۔۔آیم افضل

آذاد۔ساھیول۔03035409374

☆ ☆ ☆

اے زمینِ وطن ہم گنہگار ہیں

ہم نے نظموں میں تیرے چمکتے ہوئے بام و در کے بیتاب قصے لکھے

پھول چہروں پہ شبنم سی غزلیں کہیں، خواب آنکھوں کے خوشبو قصیدے لکھے

تیرے کھیتوں کی فصلوں کو سونا گنا، تیری گلیوں میں دل کے جریدے لکھے

جن کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں، ہم نے تیری جبیں پر وہ لمحے لکھے

جو تصور کے لشکر میں لڑتے رہے

ہم وہ سالار ہیں

ہم گنہگار ہیں

اے زمینِ وطن ہم گنہگار ہیں

ہم تیرے دکھ سمندر سے غافل رہے

تیرے چہرے کی رونق دھواں ہو گئی اور ہم رہینِ غمِ دل رہے

ظلم کے روبرو لب کشائی نہ کی، اس طرح ظالموں میں بھی شامل رہے

حشر آور دنوں میں جو سوئے رہے

ہم گنہگار ہیں

اے زمینِ وطن ہم گنہگار ہیں

جاگتی آنکھ سے خواب دیکھے، ان کو اپنی مرضی کی تعبیر دیتے رہے

ہم تیرے بار آور موسموں کے لئے بادِ صرصر میں تاثیر دیتے رہے

ہم اندھیرے مناظر کو روشن دنوں کی امیدوں سے تنویر دیتے رہے

تیرے ساحل کی آزادیوں کے لئے ہم تلاطم کو زنجیر دیتے رہے

جو ہمیشہ تجھے آرزو کے جھروکے سے تکتے رہے

ہم وہ فنکار ہیں

ہم گنہگار ہیں

اے زمینِ وطن ہم گنہگار ہیں

جب تیرے زرد پڑتے ہوئے موسموں کو مہکتی شفق کی ضرورت پڑی

ہم نے اپنا لہو آزمایا نہیں

تیری خوشبو سکوں کی تمنا لئے آندھیوں کے جلو میں بھٹکتی رہی

ہم نے روکا نہیں

تیری مٹی نگاہوں میں بادل لئے خشک موسم کی راہوں میں بیٹھی رہی

ہم نے دل کو سمندر بنایا نہیں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

تیری عزت زمانے کے بازار میں دل جلاتی بولیوں میں بکی

ہم نے کانوں میں سیسہ اتارا نہیں

ہم گنہگار ہیں

اے زمینِ وطن ہم گنہگار ہیں

اے زمینِ وطن! تجھ کو تو علم ہے، لوگ کیوں دربدر راہِ ملامت ہوئے

جن محافظ دشمنوں کے علم تیرے روشن لہو کی شہادت ہوئے

ہم بھی ان کی سیاست کے نخچیر ہیں، آستینوں کے جو سانپ ثابت ہوئے

ہم بھی تیری طرح سازشوں کی ہوا کے گرفتار ہیں

ہم گنہگار ہیں

اے زمینِ وطن ہم گنہگار ہیں

ہم گنہگار ہیں اے زمینِ وطن! پر قسم ہے ہمیں اپنے اجداد کی

سرحدوں سے بلاتے ہوئے خون کی، اپنی بہنوں کی حرمت کی، اولاد کی

ہاں قسم ہے ہمیں آنے والے دنوں کی اور آنکھوں میں ٹھہری ہوئی یاد کی

اب محافظ نما دشمنوں کے علم ان کے کالے لہو سے بھگوئیں گے ہم

تیرے دامن کے رسوائیوں کے داغ اپنے آنسوؤں سے دھوئیں گے ہم

آخری مرتبہ اے متاعِ نظر! آج اپنے گناہوں پہ روئیں گے ہم

تیری آنکھوں میں اے نگارِ وطن! شرمساری کے آنسو نہیں آئیں گے

ہم کو تیری قسم اے بہارِ وطن اب اندھیرے سفر کو نہ دہرائیں گے

گر کسی نے تیرے ساتھ دھوکا کیا، وہ کوئی بھی ہو

اس کے رستے کی دیوار بن جائیں گے

جان دے کر تیرا نام کر جائیں گے

اے زمینِ وطن

امجد اسلام امجد

☆ ☆ ☆

از قلم سمیرا احمد؛

دنیا ہے میری بس خواب سے خواب تک

لفظ لفظ بنتی جیسے کتاب سے کتاب تک

میرے ہر احساس کا عنوان ہو تم ہی

روح میں کھلتے جیسے گلاب سے گلاب تک

ہوئی ہے مکمل ذات میری، تیری ذات سے جڑ کر

تیری محبت کی روشنی میں لکھے ہر جواب سے جواب تک

تیری نظر اور باتوں کے سب دیئے ہیں روشن آج بھی یادوں میں

لمحہ لمحہ بنا ہے میں نے ماہ و سال کے حساب سے حساب تک

وفا اک دوسرے میں بستی ہے کچھ ایسے ہماری

پاک روحیں چھپی ہوں جیسے حجاب سے حجاب تک

☆ ☆ ☆

عروج کیسا زوال کیسا؟

یہ نفرتوں کا وبال کیسا؟

تم نے تو کچھ کہا بھی نہیں

یہ وجود میرا نڈھال کیسا؟

میرے ہو کر بھی نہیں ہو میرے

عجب ہے دل کا سوال کیسا؟

انا تو ہاری ہے میں نے ماہی

اس میں تیرا کمال کیسا؟

ہم تو تیری نظر کے قیدی

ہم پرندوں پہ جال کیسا؟

کبھی تو آ کر وہ پوچھ لے گا

کہو ''پیا'' اب ہے حال کیسا؟

پیا سحر گجرات

☆ ☆ ☆

کاندھے پہ بستہ ڈالے

ہاتھ میں لنچ باکس تھامے

آنکھوں میں وہ خوف لئے

میرے سامنے کھڑا تھا

میں نے اس پر آیت الکرسی پھونکی

اس کے گلابی لب کپکپائے

مڑتے ہوئے قدم تھرائے

پھر اس نے ہولے سے پوچھا

مما دھماکہ تو نہیں ہو جائے گا

سکول پہ وہ حملہ تو نہ کر دیں گے

نہیں! میری جان.....

میں نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی

(شازیہ ستار نایاب)

☆ ☆ ☆

عنوان: نہ سحر پھونک اب کی بار

بقلم: فاطمہ عبدالخالق

نہ سحر پھونک اب کی بار

ہم جان گئے

تو جادو گر

تو ساحر

نہ سحر پھونک اب کی بار

ہم پہچان گئے

تو وہی ہے

بے وفا

ہے رہتا خفا

نہ سحر پھونک اب کی بار

ہم مان گئے

تو ناٹک کے کھلاڑی

میں پتلی

ڈور تیرے ہاتھ رہے گی

دنیا تیرے ساتھ رہے گی

نہ سحر پھونک اب کی بار

ہم جا رہے ہیں

ہم خفا ہوئے ہیں

بے خبر

تجھے کیا خبر

اب یہ سب بے کار ہے

نہ سحر پھونک اب کی بار

میری آنکھوں میں

اب وہ بینائی کہاں

میرے کانوں کی

اب وہ رسائی کہاں

نہ سحر پھونک اب کی بار

اب ختم ہوا

یہ کھیل تماشا

جا چکے تماش بین

خالی خالی سارا جہاں

نہ سحر پھونک اب کی بار

نہ سحر پھونک اب کی بار

☆ ☆ ☆

غزل

~*~

آندھی سے کھو باد_صبا ڈھونڈھ رہا ہوں

سانسوں کے لئے اور فضا ڈھونڈھ رہا ہوں

-

معصوم کہ نادان ہوں معلوم نہیں ہے.

اس دنیا کی آنکھوں میں حیا ڈھونڈھ رہا ہوں

-

خطرہ ہے مری جاں کو مسیحا کی طرف سے

قاتل کی پناہوں میں بقا ڈھونڈھ رہا ہوں

-

ہے مجھ کو خبر در ترا پتھریلا ہے لیکن

ناکام سی دستک کی صدا ڈھونڈھ رہا ہوں

-

کچھ تیرے لئے میں نے وظائف تھے سنبھالے.

رو رو کے جو مانگی تھی دعا ڈھونڈھ رہا ہوں

-

آداب_محبت سے میں واقف نہیں شاید

بیماری دل کی جو دوا ڈھونڈھ رہا ہوں

-

جلتی ہوئی صدیوں سے میں گھبرا گیا رانی

جو وقت کے صحرا میں گھٹا ڈھونڈھ رہا ہوں

_ایم شفیع تنہا (استنبول ترکی)

☆ ☆ ☆

اے رات سونے دے یوں تنگ نا کیا کر

بیکار سوالوں میں پابند نا کیا کر

اس کے سوا اور بھی ہیں زمانے کے کام

تو میرے خیال یوں بے ڈھنگ نا کیا کر

دنیا میں اور لوگ بھی بستے ھیں تنہا

تو صرف میرے ساتھ ہی یہ یہ جنگ نا کیا کر

اے رات سونے دے یوں تنگ نا کیا کر

مضبوط ہوں پر اتنا بھی نہیں ھوں

دنیا کے سبھی غم تو میرے سنگ نا کیا کر

اے رات۔ سونے دے یوں تنگ نا کیا کر

سید زادہ

☆ ☆ ☆

شام کے وقت صبح کا منظر یاد آتا ہے

صبح کے وقت شام کا منظر یاد آتا ہے

کیسا عجب راز ہے معلوم نہیں مجھ کو

ملوں جو تم سے تو بچھڑنے کا منظر یاد آتا ہے

فقط اسی ڈر سے ہنسی میرے لبوں پر آتی نہیں

ہنسوں تو پھر رونے کا منظر یاد آتا ہے

بارشوں میں بھیگنا اب ترک کر دیا ہم نے

بارشوں میں آنسو چھپانے کا منظر یاد آتا ہے

حوصلے ہیں کتنے بلند بتا نہیں سکتی

شام غریباں میں دل بھر آنے کا منظر یاد آتا ہے...

کبریٰ نوید_لاہور

☆ ☆ ☆

شام کے وقت صبح کا منظر یاد آتا ہے

صبح کے وقت شام کا منظر یاد آتا ہے

کیسا عجب راز ہے معلوم نہیں مجھ کو

ملوں جو تم سے تو بچھڑنے کا منظر یاد آتا ہے

فقط اسی ڈر سے ہنسی میرے لبوں پر آتی نہیں

ہنسوں تو پھر رونے کا منظر یاد آتا ہے

بارشوں میں بھیگنا اب ترک کر دیا ہم نے

بارشوں میں آنسو چھپانے کا منظر یاد آتا ہے

حوصلے ہیں کتنے بلند بتا نہیں سکتی

شام غریباں میں دل بھر آنے کا منظر یاد آتا ہے...

کبریٰ نوید_لاہور

☆ ☆ ☆

وہ میری محبت کو نیلام کر گیا

تنہائیاں وہ ساری میرے نام کر گیا

اس سے بچھڑ کر سانس لینا بھی ہوا مشکل

وہ میرے دل کی دھڑکن کو ایسے جام کر گیا

وہ ہی تھا میری زندگی کی سحر

جو میری زندگی کی شام کر گیا

اب گلہ کروں تو کس سے کروں پریمی

ہر تعلق وہ خود ہی تمام کر گیا

رمضان تبسم پریمی

☆ ☆ ☆

نظم

"تاکید"

پاکستان میرا دل ہے

میری نگاہ دو جہاں

اس زمیں پاک کو دھیان سے رکھنا

میلی نظر سے کوئی دیکھ نہ پائے میرے وطن کو

چھ ستمبر کے مشن کو ذرا یاد رکھنا

اس چمن میں رہنا والوں

سدا شاد آباد پاک

سجا کر رکھنا اس وطن کو

اسمیں بسنے والی عظیم ہستی

جو دینے والے ہیں اس ملک کو

اس پاک ہستی شیریں سخن کو سوچنا

اک نظر خاص سے میرے وطن کو دیکھنا

ہے پاک سرزمین یہ اس کو جنت نگاہ دو جہاں سے دیکھنا۔۔

ہے یہ انمول بہت میرا پاک وطن

سر اٹھا کر جو چل سکو

فخر سے جو بول پاؤ

ہے یہ میرا پاک وطن

اسکا ہر گوشہ قریہ کو سجا کر رکھنا۔۔!!

ازشازیہ_کریم

☆ ☆ ☆

جو میرا انہیں اس پر کیسا مان ؟

تو جسکا ہے اُس کا مان رکھ..!

دو پل کا ہے بس یہ دنیا کا دھوکہ

جو سچ ہے بس وہ سامنے رکھ

چاہت کی آہ میں چھپی رضا کی واہ کو سن

تو رب کو اپنا مان سونپ رکھ

ہیں جو اشک پلکوں پہ

اور ہے بے شکستہ سلامی

پر ہو ہر زخم مرہم گر رب پر یقین رکھ

ہے سچی امید وا قیان وہی

حقیقتِ وفا بھی وہی

ترک کرانا تو

بس رب کو یزدان رکھ

ازشازیہ کریم

☆ ☆ ☆

محبت ہم پر بھی

مہربان ہو گی۔۔۔

پریشان کبھی تم نہیں ہونا

کبھی چھپ کر

بھی نہیں رونا

جانتی ہو جاناں

جدائی زہر ہوتی ہے

مجھ معلوم ہے لیکن

فراق و ہجر کا موسم بھی

یقیناً بیت جائے گا

یقیناً وصل کے لمحے

پھر دوبارہ لوٹ آئیں گے

وہی شامیں ہو نگی جاناں

وہی راتیں بھی

تم اور میں ہونگے جاناں

وہی قصے ہونگے ہمارے

پھر وہی باتیں ہماری جاناں

وہی پھر داستاں ہوگی

محبت پھر مہرباں ہوگی

بس تم اداس نہیں ہونا جانان

از شازیہ کریم

☆ ☆ ☆

غزل

زندگی میں جہنم دیکھی ہو جس نے

موت کا انتظار کیوں نہ کرے وہ؟

ہر سُو نفرت ہی نفرت ہو جہاں

محبت کا اعتبار کیوں کرے وہ؟

عورت کو شر پھیلاتے دیکھا ہو جس نے

مرد کو بدنام کیوں کرے وہ؟

یہاں تو اپنے ہی دیتے ہیں دھوکہ

غیروں کا اعتبار کیوں کرے وہ؟

آشنا بھی گدھ کی مانند ہیں ہمارے

زخموں کو ہی نوچتے ہیں وہ

اب تو جانور بھی کرنے لگے ہیں رحم

پر انسان ہی انسان پہ رحم نہ کرے تو؟

وہ جو سنتا ہے ہر ایک کی عرش پہ

اس سے حالِ دل کیوں نہ بیان کرے وہ؟

از قلم: عریشہ سہیل

☆ ☆ ☆

چلو آؤ جھوٹی انا کا ہم یہ پرچم آج گراتے ہیں

اِک قدم تم بڑھاؤ دوسرا ہم بڑھاتے ہیں

کیا رکھا ہے نفرتوں میں، بڑی مختصر یہ زندگی ہے

چلو مسرتوں میں اسے اب سنگ سنگ بتاتے ہیں

یقین ہے مجھے، لکیروں میں نام تمہارا ہے لکھا

پل پل اپنی ہمراہی کے جگنو دیکھو یہی جتاتے ہیں

مانگا ہے ہم نے شب بھر سجدوں میں تمہیں

اب بیچ ملن کھڑی اس دیوار کو بھی ہٹاتے ہیں

چلو محبت کا پرچم کریں بلند، اب خوشیوں کو اپناتے ہیں

اچلو آؤ اِک قدم تم بڑھاؤ، دوسرا ہم بڑھاتے ہیں....!!!

.

نادیہ خان- حیدرآباد

☆ ☆ ☆

گر کچھ نہ بن سکا تو ڈبو دیں گے سفینہ

ساحل کی قسم منت طوفان نہ کریں گے

ثمینہ طاہر بٹ

☆ ☆ ☆

نظم

درد سے بھری ہوئی

لکھ رہا ہوں آج میں
ایسی کچھ کہانیاں
دل کو جو جن ون دیں
زندگی کی پُرجنوں
ایک اک مسافتیں
رہ گئی جو دل میں وہ
سب کی سب شکایتیں
آنسوؤں میں بہہ گئیں
پُرفریب خواہشیں
اور کیا سناؤں اب
ایسی کچھ کہانیاں
کھو گئی ہیں راحتیں
چاہیے وہ ہم سفر
دل کو جو جنون دے
آسماں سے آ گئیں
ہجر کی مسافتیں
سوچتا ہوں میں مگر
کس طرح کٹے سفر
جب وہ دل رُبا نہیں
راستہ کٹھن ہوا
دُور اُن سے کیوں رہوں
جو ہیں دل کی دھڑکنیں
کاش وہ ملے کبھی

جو جُدا ہوا نہیں
آج تک ہیں آس پاس
اُس بدن کی شوخیاں
وہ حسیں نگاہِ ناز
بُھولنا محال ہے
اُس کے واسطے مگر
آج تک اُداس ہے
رات رات بھر سُنا
جاگتا بلال ہے

بلال شیخ

☆ ☆ ☆

غزل

دروازہ جو کھولا تو نظر آئے کھڑے وہ
حیرت ہے کہ آج کدھر بھول پڑے وہ
نہیں بھولا ابھی تک دل ہجر کے لمحات کڑے وہ
راتیں تو لمبی تھی، مگر دن بھی بڑے وہ
کیوں جان پے بن ائی روٹھا اگر ہادی
اسکی تو عادت ہے مجھ سے آئے روز لڑے وہ
الفاظ تھے اسکے کہ بہاروں کے ترانے تھے
کیا خوشبو تھی جاناں کیا پھول جھڑے وہ
ہر شخص مجھے تم سے جدا کرنے کا خواہاں ہے
ایک لفظ جو سن لے دس حرف اور جڑے وہ
طوفان تھا تو کیا غم، مجھے آواز تو دیتے

کیا بھول گئے تھے تم، میرے کچے گھڑے وہ

حماد ظفر بادی۔۔ گوجرہ

☆ ☆ ☆

اب کیوں پھرتا ہے تو،

دیوانوں کی طرح وفاؤں کی تلاش میں.

وہ لوگ وہ زمانے اور ہوا کرتے تھے.

ہاں! میں نے مان لیا وہ حسین بھی تھا اور قریب بھی.

وفاؤں کی منزلیں بھی عروج پہ تھی.

جب یاد کرتا ہوں گزرے دنوں کو.

روتا ہوں مدھوش ہو جاتا ہوں.

اس بے وفائی میں قصوروار ہم ہی نہیں؟ شامل وہ بھی تھا.

تلاش وفا میں عمر گزری وفا تو ملی وفادار نہ ملا.

ہاں ملا تو تھا برسوں بعد ملا.

رویا تو تھا ہی اور بے چین ہم بھی ہو گئے.

کہا تو بہت لوٹ آؤ پھر سے میری زندگی میں.

اس کی خاموشی انوکھا جواب دے گی.

بولا جو وہ کچھ لمحوں بعد تو کیا بولا.

نہیں تیرا راستہ جدا میرا راستہ جدا.

اب نہ رہیں وفائیں وہ لوگ وہ عروج کی منزلیں.

کنول آج بھی دعا کرتا ہے تو کیا کرتا ہے.

لوٹ آؤ اے میرے دوست لوٹ آؤ

عون عباس جھنگ

(42514610313)

☆ ☆ ☆

پھیلا ہے ہر سو آندھیرا

بیٹھے ہیں پیام سحر کے انتظار میں

راحیلہ

بہت ستایا ہے زمانے نے

بہت رُلایا ہے زمانے نے

رقیبوں کا نام لے لے کر

زخموں کو دُکھایا ہے زمانے نے

جب بھی جلایا ہے تیری یاد کا دیپ

اپنی ہوا سے بجھایا ہے زمانے نے

روٹھ جاتا ہوں جب میں ہر اک سے

خود ہی مجھے منایا ہے زمانے نے

شاعر:۔ شیراز احمد ساحر 0301-4687451

☆ ☆ ☆

نہیں اپنی کوئی حسرت باقی

یاد آیا آج پھر مجھ کو ساقی

بھول نہیں پایا میں الفت کے دن

موجودہ حالت کی وجہ ہے اک ناچاکی

مجھ کو یقین ہے کہ آؤ گے اِن روز

تم بھی جانتے ہو تیرے سوا کچھ نہیں باقی

مجھ کو دے کر تحفے میں ہجر کا غم

پوچھتے ہو کیا مناسب اداسی

اپنی بربادی کی وجہ آج تک نہ جان پایا

کچھ اس قدر کر گئے تم میرے ساتھ چالا کی

محسوس کرتا ہوں تجھ کو آج بھی آس پاس

تم تو چل دیئے چھوڑ کر اپنا نقش باقی

شاعر:۔ شیراز احمد ساحر 0301-4687451

☆ ☆ ☆

نعت

جب ہوئیں پیغام رب سے بستیاں آراستہ

نور وحدت سے ہوا پھر کل جہاں آراستہ

یہ مہ و خورشید و انجم سب اسی نے ہیں جڑے

کرتا ہے اپنے چمن کو باغباں آراستہ

جب بھی کرتا ہوں تصور خالق کونین کا

خود ہی ہو جاتے ہیں میرے قلب و جاں آراستہ

اس کے پرتو کی جھلک ہے اس کی ہر تخلیق میں

اس کے جلوؤں سے ہوا یہ خاکداں آراستہ

اپنے رب کی آرزو سے، اپنے رب کی یاد سے

میرے ذہن و دل سجے ہیں، جسم و جاں آراستہ

اُس کے کچھ بندوں سے روشن ہے زمیں بھی اس طرح

چاند تاروں سے ہے جیسے آسماں آراستہ

بام و در سے ہو رہا ہے تیرے جلوؤں کا ظہور

ہے تجلی سے تری میرا مکاں آراستہ

مدحت رب سے حسیں لفظوں سے ہوتا ہے ندیم

میرا لہجہ، میرے شعروں کا بیاں آراستہ

اس کے جلوؤں سے ندیم، اُس کے مظاہر سے ندیم

چاند سورج جلوہ آرا، کہکشاں آراستہ ریاض ندیم نیازی

0344-37001617

☆ ☆ ☆

غزل

دے کر مجھے الفت کا یہ آزار، مرے یار

کر ڈالا مری زیست کو دشوار، مرے یار

یہ وادی پُر خار ہے، ہر گام سنبھل کر

گر جائے نہ سر سے ترے دستار، مرے یار

دے گا مرا ماضی مری عظمت کی گواہی
ہوتا تھا مرا شعر ہی شاہکار، مرے یار

کیا چیز پس پردہ احوال جنوں ہے
کُھل جائیں گے اک روز یہ اسرار، مرے یار

ہو جانے کو ہے ختم یہ ہستی کی مسافت
ہر شخص ہی چلنے کو ہے تیار، مرے یار

ہر سوچ یہاں زر کی پرستش میں مگن ہے
کوئی نہیں یوسف کا خریدار، مرے یار

میں ہی تھا ندیم رہ ہستی، سو مجھے بھی
کر ڈالا ترے عشق نے بے کار، مرے یار

ریاض ندیم نیازی 0333-3701617

☆ ☆ ☆

شان کلام اللہ

جہاں میں انقلاب آیا ہے قرآن کی تلاوت سے
منور سے جہاں قرآن کے نور صداقت سے
ہوا عثمان غنیؓ کے دل پہ صینا اس سے
علیؓ بن ابی طالب بنے شیر خدا اس سے
اسی نے ابن قاسم کے عزائم کو ابھارا تھا
اسی نے غزنوی کے حوصلوں کو ابھارا تھا
یہ محبوب کبریاؐ کے دل الم پر اترا تھا
ہدایت بن کے آیا تھا زمانے بھر میں چمکا تھا
اس قرآن نے خالدؓ کو سیف اللہ بنایا تھا
اسی قرآن نے حبشیؓ کی عظمت کو بڑھایا تھا
اسی نے طارق ادنی کو اعلی کر کے چمکایا تھا
اس نے اندلس پر پرچم اسلام لہرایا تھا
اسی کو پڑھ کر عثمانؓ نے پیا جام شہادت ہے
انوکھی یہ شہادت اور یہ انوکھی یہ تلاوت ہے
بناؤ اپنے بچوں کو قرآن کا حافظ و قاری
ملے گا تاج جنت کا بہت خوش ہونگے اب باری
ختم ہو جاتی ہے یارو تلاوت سے پریشانی
مسائل کا یہی حل ہے سنور جاتی ہے زندگانی

مولانا عبدالغفور نقشبندی حافظ آباد 0305-54035104

☆ ☆ ☆

ماہ کنول کی شاعری

العبی سورج نہیں ڈھوبا ذرا سی شام ہونے دو
میں خود ہی لوٹ جاؤں گی مجھے ناکام ہونے دو

مجھے بدنام کرنے کے بہانے کیوں ڈھونڈتے ہیں

میں خود ہی ہو جاؤں گی بدنام پہلے نام ہونے دو

میری ہستی نہیں اغول پھر بھی بک نہیں سکتی

وفائیں بیچ لینا پر ذرا نیلام ہونے دو

ابھی آغاز میں ہی کیوں حوصلہ چھوڑ بیٹھے ہو

جیت جاؤ گے تم سب کچھ ذرا انجام ہونے دو

☆ ☆ ☆

غزل

لگائی تھی چھلانگ بڑے شوق سے سمندر میں

پر ہوا یوں کہ ابھی تک کنارہ نہیں ملا

بڑے مان سے پوچھا تھا سمندر نے سبب تیری جدائی کا

ہم پہلے ہی رو پڑے بتانے کا حوصلہ نہیں ملا

ہم نے ساری دنیا چھان ماری کہ کئی تو اپنا اشیانہ ہو گا

لیکن تیرے بعد پھر کوئی تیرے جیسا نہیں ملا

تیری یاد کے نشیمن میں خود کو جلا ڈالا

ہم نے تو ہر سمت قیام کر کے دیکھا یہاں تیری یادیں نہ ہوں

کوئی ایسا ٹھکانہ نہیں ملا

نظریں تو ہر سو گردش کرتی رہی سورج کی طرح

ہم بہت دور تک گئے تجھے ڈھونڈنے پر تیری گوانہ نہیں ملا

دل کا درد تو جانا ہے ہر کسی نے

پر خود درد بانٹ سکے کوئی ایسا نہیں ملا

میں نے صحرا سے لہروں کو بھی روک کر پوچھا پتہ تیرا

ہر اک نے یہی کہا کہ وہ ایسا بچھڑا پھر ہم کو دوبارہ نہیں ملا

ماہ نور کنول

☆ ☆ ☆

مجھے تم یاد آتے ہو

مجھے تم یاد آتے ہو تنہائی کے صحراؤں میں کسی مصروفیت کے موڑ پر

کسی گہرے درد کی شدت میں مجھے تم یاد آتے ہو

کسی بچھڑے ہوئے کی چشم پر نم کے نظارے پر

کسی بیتے ہوئے دن کی تھکن کی اوٹ سے

یا پھر تمہاری یاد میں گزری ہوئی شب کے اشارے پر

کسی ویران بستی میں کسی سنسان جگہ پر

اور کسی دریا، کسی ویران جنگل کے کنارے پر

مجھے تم یاد آتے ہو

کبھی حیران آنکھوں میں کبھی بے جان لمحوں میں

کبھی سنسان راستوں پر کبھی ویران شہروں میں

مجھے تم یاد آتے ہو

ماہ نور کنول

سیدہ امامہ علی کے نام

تمہیں کیوں وہم رہتا ہے کہ تمہیں ہم بھول جائیں گے

(دوست)

ارے تم دل کی دھڑکن ہو اور دھڑکن زندگی تک ہے

ماہ نور کنول

☆ ☆ ☆

ہو جائے گا پیار اسی سے

کرلوں میں اقرار اسی سے

میرے خوابوں میں وہ آئے

کرتی ہوں انکار اسی سے

دل اسکو ہر بار پکارے

کہہ دونگی ہر ار اسی سے

پیاری جس کی خوشیاں مجھکو

غم کا بھی تقرار اسی سے

بدن پہ جس نے کوڑے مارے

زخموں کا اظہار اسی سے

دوری کا جو احساس ہوا ہے نازش

ابھی جو پیکار اسی سے

نبیلہ نازش راؤ اوکاڑہ

☆ ☆ ☆

غزل

دل اکھاں وچ اکھاں پا کے حق آکھن تے ڈٹ جاندا اے

خوف اک کالی بلی بن کے روزای رستہ کٹ جاندا اے

اک کڑی نے پائی بجھارت حوادوہ ساک تے سمجھو

ویخی ہزار دے وچ کے جہیز ادی دے پیسے وٹ لیندا اے

ممتا کو لوٗمنہ کالک دی ذلت بازی لے جاوے تے

سرگی ویلے جم کے کوئی کوڑے اُتے سٹ جاندا اے

سب نوں اوناں اونا ملیا جہیز جینے جوگا سی

یہی جھولی بھاری ہووے خیر وی پلی کھٹ جاندا اے

مولانا عبد الغفور نقشبندی گیلانی حافظ آباد

☆ ☆ ☆

عید مبارک

سنا ہے بہت حسین ہوتے ہیں

لمحات عید کے

بڑی پر کیف ہوتی ہیں

یادیں ملن کی

جب لوگ سج سنور کر

گلے ملتے ہیں

ایک دوسرے کے

کہتے ہیں سب

یہ رسم محبت ہوتی ہے

اور راہ وفا بھی

جو یہ نہ ہوا ادا

عید ادھوری رہتی ہے

مگر اپنی تمام عمر

اسی انتظار میں گزری ہے

سج یہ ہاتھ بھی رنگ حنا سے

کھنکیے چوڑی کلائی میں

ساتوں رنگ کی

اور کبھی شام ڈھلے

اترے چاند

اس آشیانہ دل میں

اور گلے لگا کر

کہیے ہم کو

عید مبارک

راحیلہ منظر حجمرہ ستی

☆ ☆ ☆

بارشوں کے موسم میں

خواہشوں کی جو بارش ہو

جذبوں کی کشمکش میں

محبتوں کی روانی ہو

اور اک ذرا سی آرزو ہے!!!

بھیگتی ہوئی بارش میں

تم میرے ہمراہی ہو

تم میرے ہمراہی ہو

کبریٰ نور

☆ ☆ ☆

مجھ کو شب وجود میں تابش خواب چاہیے

شوخ خیال تازہ ہے یعنی عذاب چاہیے

آج شکست ذات کی شام ہے مجھکو آج شام

صرف شراب چاہیے ہے، صرف شراب چاہیے

کچھ بھی نہیں ہے ذہن میں سواب مجھے

کوئی سوال چاہیے کوئی جواب چاہیے

اس سے نبھے گا رشتہ سودو زیاں بھی کیا بھلا

میں ہوں بلا کا بدحساب اسکو حساب چاہیے

امن وامان شہر دل خواب وخیال ہے ابھی

یعنی کہ شہر دل کا حال اور خراب چاہیے

جان گماں ہمیں تو تم صرف گمان میں رکھو

تشنہ لبی کو ہر نفس کوئی سراب چاہیے

کھل تو گیا ہے دل میں ایک مکتب حسرت وامید

جون اب اس کے واسطے کوئی نصاب چاہیے

اقبال خان عرف جھگڑا، سعودی عرب نیو کیمپ

☆ ☆ ☆

حرا طاہر کا گروپ

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا....

تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں....

علامہ محمد اقبال....(اللہ کی بندی)

موسم میرا کوئی بھی نہیں اس زمین میں

آب وہوا کے ساتھ ہوں، تم کس کے ساتھ ہو؟

جون ایلیا...

(نوریہ مدثر سیالکوٹ)

☆ ☆ ☆

تھکن ایسی کے بولنے کو دل نہیں کرتا

اصرار دوستاں ہے نور چپ توڑی جائے

ہالہ نور

☆ ☆ ☆

چپ چاپ اپنی آگ میں جلتے رہو فراز

دنیا تو ارض حال پہ بے بے آبرو کرے

آسیہ شاہین انتخاب

☆ ☆ ☆

جس کا ملنا قسمت میں نہ ہوں

ان سے محبت کمال کی ہوتی ہے

سمندری

تو آ چکا ہے سطح پر کب سے خبر نہیں

بے درد میں ابھی انھیں گہرائیوں میں ہوں

محمد شہزاد انصاری

☆ ☆ ☆

لفظ تاثیر سے بنتے ہیں تلفظ سے نہیں

اہل دل آج بھی ہیں اہل زباں سے آگے

مہر شکیل

☆ ☆ ☆

میرے حال پر تبصرہ کرنے والے

میرے حال میں ہی رہ جائیں گے

رخسار رشید کشمیری

☆ ☆ ☆

داستانِ دل گروپ میں ہونے والا شاعری مقابلہ

طلوع صبح سے پہلے ہی بجھ نہ جائے کہیں

یہ دشتِ شب میں ستارا سی ہمسفر آنکھیں!!

-

زارا رضوان-لاہور

☆ ☆ ☆

جدائی پر ہی قائم ہے نظام زندگانی بھی

بچھڑ جاتا ہے ساحل سے گلے مل مل کے پانی بھی

انتخاب-

ریمانور رضوان کراچی

☆ ☆ ☆

انا کہتی ہے التجا کیا کرنی

وہ محبت ہی کیا جو منتوں سے ملے

فاطمہ ایم اے خان

☆ ☆ ☆

ڈر ہے کہیں چبانہ جائیں کلیجہ نکال کر

رہتے ہیں تیرے شہر میں ہندہ مزاج لوگ

حماد ظفر بادی_منڈی_بہاوالدین

☆ ☆ ☆

لوگ احساس کی روندی ہوئی گلیوں میں

پھینک دیتے ہیں تعلق کو پرانا کر کے.

شفقت محمود

☆ ☆ ☆

ہم نے بھی تنہا اک عمر بسر کی ہے..

اب کیسے برداشت کریں تیرے

ہاتھوں میں کسی کا ہاتھ ہو....

حرا طاہر جدہ سعودی عرب

☆ ☆ ☆

مجھے اچھا لگتا ہے

تیرا ساتھ ہو

میرے ہاتھوں میں تیرا ہاتھ

بلاوجہ تجھ سے محبت

بلاوجہ تم سے باتیں..

تیرے شکوے اور شکایتیں

اک پل میں اجنبی ہو جانا

اک پل میں تیرا منانا..

مجھے اچھا لگتا ہے

پھر کیوں چھوڑ گے ہو

کہ رشتے ناطے توڑ گے ہو

ہماری یاد نا تم کا آتی ہو

کوئی صدا نا ستاتی ہو

تم شاد رہو آباد رہو

مجھے اچھے لگتے تھے

تیرے وعدے تیرے قسمے

سب بھول گے ہو.

پھر بھی تم مجھے اچھے لگتے ہو.....

حرا طاہر جدہ سعودی عرب.

☆ ☆ ☆

دل یہ کہتا ھے کہ شاید ہو فسردہ تو بھی

دل کی کیا بات کریں دل تو ھے ناداں جاناں

رضوانہ صدیقی

☆ ☆ ☆

تیرے بعد ہم جس کے ہوں گے

اس رشتے کا نام مجبوری ہو گا

داود احمد۔ بورے والا

☆ ☆ ☆

دیکھ سکتا ہوں میں اُسے...

لیکن وہ حقیقت میں خواب جیسی ہے

عائشہ احمد

☆ ☆ ☆

طلاق دے تو رہے ہو مجھے غرور و قہر کے ساتھ

مرا شباب بھی لوٹا دو میرے مہر کے ساتھ

شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: عریشہ سہیل

☆ ☆ ☆

بہت اداس ہے کوئی تیرے چپ ہو جانے سے **

ہو سکے تو بات کر کسی بہانے سے **

تو لاکھ خفا سہی مگر اتنا تو دیکھ،،

کوئی ٹوٹ گیا ہے تیرے روٹھ جانے سے

عثمان انجم قبولہ شریف

☆ ☆ ☆

سوچ کو انوکھی زباں دیتے ہیں۔

عشق تو فقط مجبوریاں دیتے ہیں۔

دل کے معاملوں میں جلد بازی کیسی

یہ معاملے تو صدیاں لیتے ہیں۔

تجل شاہ

☆ ☆ ☆

ناجانے کس مٹی سے بنا ہے میرا وجود

پریمی

ہزاروں زخم کھا کے بھی زندہ ہوں میں

رمضان

☆ ☆ ☆

تیری یاد برستی ہے

رم جھم رم جھم

میرے دل کے آنگن میں

میری آنکھوں کے ساون میں.

از جیا زبیری

☆ ☆ ☆

مصحفی ہم تو سمجھے تھے کہ ہو گا کوئی زخم

تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

قمر

☆ ☆ ☆

مجھے اور زندگی دے کہ ہے داستاں ادھوری

میری موت سے نہ ہو گی میرے غم کی ترجمانی

انتخاب:- فرحین ناز طارق

چکوال

☆ ☆ ☆

درد جب حد سے بڑھا ضبط کے آنسو لکھے

ہم نے سکھا ہی نہیں آنکھ سے رونا سائیں

کوئی کھیلے کوئی توڑے کوئی چاہے toر کھے

مرد کے ہاتھ میں عورت ہی کھلونا سائیں

انتخاب. فہمیدہ. غوری

کراچی

☆ ☆ ☆

آج وفا نبھانے کا دن مناؤں گا

میرے وعدے سب یاد دلاؤ مجھے

صفیہ تجل شاہ

☆ ☆ ☆

غم کے مارے بہار سا لگتے ہیں

دو گھڑی کا قرار سا لگتے ہیں

نعیم الدین نعیم

☆ ☆ ☆

تم آے ہو تو او وفا کی بات کریں

وفا کی بات میں ہر بیوفا سے کرتا ہوں

فہمیدہ غوری. کراچی

☆ ☆ ☆

ریما نور رضوان کے گروپ میں منعقدر شاعری مقابلہ

شاعر: امجد اسلام امجد

زندگی کے میلے میں، خواہشوں کے ریلے میں

تم سے کیا کہیں جاناں، اسقدر جھمیلے میں

وقت کی روانی ہے، بخت کی گرانی ہے

سخت بے زمینی ہے، سخت لامکانی ہے

ہجر کے سمندر میں

تخت اور تختے کی ایک ہی کہانی ہے

تم کو جو سنانی ہے

بات گو ذرا سی ہے

بات عمر بھر کی ہے

(عمر بھر کی باتیں کب دو گھڑی میں ہوتی ہیں!

درد کے سمندر میں

ان گنت جزیرے ہیں، بے شمار موتی ہیں)

آنکھ کے دریچے میں تم نے جو سجایا تھا

بات اُس دیئے کی ہے

بات اُس گلے کی ہے

جو لہو کی خلوت میں چور بن کے آتا ہے

لفظ کی فصیلوں پر ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے

زندگی سے لمبی ہے، بات رتجگے کی ہے

راستے میں کیسے ہو؟

بات تخلیئے کی ہے

تخلیئے کی باتوں میں گفتگو اضافی ہے

پیار کرنے والوں کو اِک نگاہ کافی ہے

تم کو جو سنانی ہے

بات گو ذرا سی ہے

بات وہ پتے کی ہے

ہو سکے تو سُن جاؤ ایک دِن اکیلے میں

زندگی کے میلے میں، خواہشوں کے ریلے میں

تم سے کیا کہیں جاناں اسقدر جھمیلے میں

انتخاب

ریما نور رضوان کراچی

☆ ☆ ☆

اے ذندگی

تجھے جیا

تو سمجھ نہ آئی

کبھی روٹھی

کبھی خفا

کبھی مسکراتی

کبھی کھلکھلاتی

تیرے ہر روپ کو

بھرپور جیا

ہر موسم ہی ذندگی

میں

آیا اور گزر گیا

لیکن

اے ذندگی

تجھے جیا

تو سمجھ نہ آئی

از قلم۔ ریما نور رضوان

☆ ☆ ☆

لفظ بے ربط

ختم ہوتا ضبط

انکھ نم

خود بے دم

اداس شام

اپنے نام

ہجر ناتمام

عذاب مقام

ہاتھ میں قلم

پریشانیوں کا علم

لکھو کہاں تلک

اشک تارے اور فلک

اک وہ گل تازہ

خوابوں کا شیرازہ

بند کر کہ ہر دروازہ

سنانہ تو غزل تازہ
وہ راز آشنا
پارسا و دلربا
ائی بہکی ہوا
نہ پھر وہ مجھے مل سکا
چاند بن کر اترنا تھا
خوشبو نے بکھرنا تھا
وہ حبیب تھا
وہ قریب تھا
وہ دل کا غریب تھا
انکھیں میری ہوئی خالی
ہاتھ میں آنسوؤں کی پیالی
میرے باغ میں سوکھی ڈالی
میں ناکام سی اک سوالی
تو نہ کر فکر
تیرا نہیں ذکر
نصیب ہے اپنا
بن تیرے تڑپنا
شکوہ نہیں کوئی
یہاں اپنا نہیں کوئی
از قلم
رخسار رشید کشمیری

☆ ☆ ☆

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی
جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں
میری آواز گر نہیں آتی
داغِ دل گر نظر نہیں آتا
بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی
کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی
انتخاب
یسری امین کراچی

☆ ☆ ☆

(ذاتی شاعری)

دل کی کتاب سے تجھے مٹایا نہیں کبھی
خود کو بھلا دیا مگر بھلایا نہیں تجھے
سب ہی آنسو میرے ستارے ہونے لگے
مسکرا کر پھر کسی کو دکھایا نہیں کبھی
پہرے لگے ہیں جب سے خوابوں پر
نیندوں میں میری سکون آیا نہیں کبھی
مجھ میں ہی میری زندگی مر گئی اب تو
کہاں ہو تم یہ تم نے بتایا نہیں مجھے
از- قلم
سیدہ عروج فاطمہ
ملتان

☆ ☆ ☆

(انتخاب)

شاعر
محسن نقوی
جب بھی ہنسنے کے زمانے آئے
زخم پھر یاد پرانے آئے
بارہا ان کو منایا تو ہمیں
روٹھ جانے کے بہانے آئے
پھر مجھے ٹوٹ کے چاہا اس نے
پھر بچھڑنے کے زمانے آئے
مسکرا کر ہمیں ملنے والے
زندگی بھر کو رُلانے آئے
تیری چاہت نے ٹھہرنے نہ دیا
راہ میں کتنے ٹھکانے آئے
تو نہیں ہے تو ہوا کا جھونکا
گھر کی زنجیر ہلانے آئے
دل بجھا ہے نہ جلے ہے خیمے
آپ کیوں جشن منانے آئے
اسی امید پہ جاگو یارو!
اب وہ کس وقت نہ جانے آئے
راس آیا جنہیں صحرا محسنؔ
اُن کی قسمت میں خزانے آئے
(سیدہ عروج فاطمہ)
ملتان

☆ ☆ ☆

میں نے کتنی خواہشیں اپنی
اس دل میں دفنا رکھی ہیں
جی چاہتا پوری کر دوں۔۔
جب بھی تجھ کو دیکھتی ہوں تو۔۔
اکثر پھر میں سوچتی ہوں کہ
تیری روشن پیشانی پہ
صاف صاف یہ لکھا ہے
جو چاہو گے کر جاؤ گے
دنیا تمہارے ہاتھ میں ہے

دل کا لوٹنا تو تمہاری
جنبش آبرو کے لیے
بہت چھوٹا سا کام ہے
اور تمہاری کالی آنکھیں۔۔
جیسے کسی دربار کے جیسی
جتنی روشن اتنی گہری
اور تمہاری ستواں ناک
اففف مت پوچھو......
کتنی اکڑو و لگتی ہے۔۔
پھر آتے ہیں ہونٹ تمہارے
جی چاہتا ہے چھو کر دیکھوں
اتنی نرمی اتنی نزاکت؟؟
لیکن پھر میں رہ جاتی ہوں
او ور تمہاری ٹھوڑی کا خم
واللہ کتنا پیارا ہے......
لو دیکھو میں بھول گئی
دائیں گال پہ ٹھہرا ڈمپل
کرتا ہے جو دل کو مائل...
لیکن جاناں....
یہ تو میری خواہشیں ہیں....
جن کو میں نے اپنے دل میں
دفنا رکھا ہے....
شاعرہ:

دعا اعوان
دنیا پور

☆ ☆ ☆

ہجر کی آنکھوں سے آنکھیں ملاتے جایئے
ہجر میں کرنا ہے کیا یہ تو بتاتے جایئے
بن کے خوشبو کی اداسی رہیے دل کے باغ میں
دور ہوتے جایئے نزدیک آتے جایئے
جاتے جاتے آپ اتنا کام تو کیجیے مرا
یاد کا سرو ساماں جلاتے جایئے
رہ گئی امید تو برباد ہو جاؤں گا میں
جایئے تو پھر مجھے سچ مچ بھلاتے جایئے
زندگی کی انجمن کا بس یہی دستور ہے
بڑھ کے ملیے اور مل کر دور جاتے جایئے
آخری رشتہ تو ہم میں اک خوشی اک غم کا تھا
مسکراتے جایئے آنسو بہاتے جایئے
وہ گلی ہے اک شرابی چشم کافر کی گلی
اس گلی میں جایئے تو لڑکھڑاتے جایئے
آپ کو جب مجھ سے شکوا ہی نہیں کوئی تو پھر
آگ ہی دل میں لگانی ہے لگاتے جایئے
کوچ ہے خوابوں سے تعبیروں کی سمتوں میں تو پھر
جایئے پر دم بہ دم برباد جاتے جایئے
آپ کا مہمان ہوں میں آپ میرے میزبان
سو مجھے زہر مروت تو پلاتے جایئے

ہے سرِ شب اور مرے گھر میں نہیں کوئی چراغ

آگ تو اس گھر میں جانانہ لگاتے جایئے

شاعر:-جون ایلیا

انتخاب:-موناشاہ قریشی-کبیر والہ

☆ ☆ ☆

اک کسک دل کی دل میں چھپی رہ گئی

زندگی میں تمہاری کمی رہ گئی۔۔۔۔!!!!

رات کی بھیگی بھیگی چھتوں کی طرح

میری پلکوں پہ تھوڑی نمی رہ گئی۔۔۔!!!

میں نے روکا نہیں وہ چلا بھی گیا

بے بسی دور تک دیکھتی رہ گئی۔۔۔!!!!

ایک میں، ایک تم، ایک دیوار تھی

زندگی آدھی آدھی بٹی رہ گئی۔۔۔!!!

ریت پر آنسوؤں نے تیرے نام کی

جو کہانی لکھی بے پڑھی رہ گئی۔۔۔!!!!

اروشمہ ملتان

☆ ☆ ☆

جب بھی دیوانوں پہ در ہجر کے کھل جاتے ہیں

دل کے سودائی غمِ یار میں گھل جاتے ہیں

یہ ضروری نہیں تعبیر کی منزل پالیں

خواب کچھ عمر کی گلیوں میں بھی رل جاتے ہیں

داغ جتنے بھی سیاہی کے لگے ہوں دل پر

فقط اک اشکِ ندامت ہی سے دھل جاتے ہیں

آمدِ جشنِ بہاراں کی خبر سنتے ہی

خیر مقدم کے لئے باغ سے گل جاتے ہیں

شاعرہ:سدرہ سحر عمران

نمرہ انعم

☆ ☆ ☆

اسی نازک دل دے لوک ہاں

ساڈا دل نہ یار دکھایا کر

نہ جھوٹے وعدے کیتا کر

نہ جھوٹیاں قسماں کھایا کر

تینوں کئی واری آکھیا میں

مینوں ول ول نہ ازمایا کر

تیرے پیار دے وچ میں مر جاساں

مینوں اپنا یاد نہ آیا کر

انتخاب احمد فرام گجرات

شاعر بابا بلھے شاہ

☆ ☆ ☆

مجھ شوق سی یار فقیری دا

کجھ عشق نے در در رول دتا

کجھ سجن کسر نہ چھوڑی سی

کجھ زہر رقیباں گھول دتا

کجھ ہجر فراق دا رنگ چڑھیا

کجھ درد ماہی انمول دتا

کجھ سڑ گئی قسمت بد قسمت دی

کج پیار وچ جدائی رول دتا

کج اُونج وی راہواں اوکھیاں سن

کج گلے وچ غماں دا طوق وی سی

کج شہر دے لوگ وی ظالم سن

کج سانوں مرن دا شوق وی سی

انتخاب احمد فرام گُجرات

شاعر مُنیر نیازی

☆ ☆ ☆

ایونٹ میں منعقد شاعری مقابلہ

سفر

وہی سفر ہے، وہی ہیں رستے

وہی دُعا سفر کی

وہی کھانے کے چسکے

وہی رم جھم کا موسم

وُہ ہر سُو خوشی کا عالم

باہر کی ٹھنڈ میں ہے اندر کی گرمی

وہی تبسم اور باتوں میں نرمی۔۔

وہی رکنا، رُک کے جانا

مُوڑوں کے جالوں میں ہلچل مچانا

کبھی سننا گیتوں کی مالا

کبھی اپنی باتیں سُنانا

خیالوں کی بارش میں

میرا بھیگ بھیگ سا جانا۔۔

وہی سفر ہے مگر اب۔

تنہائی ہم سفر ہے۔

نغمہ کوئی، نہ باتیں کوئی

قہقہہ کوئی نہ نگاہیں کوئی۔

دھنک رنگ کی اس بارش میں

میرے سنگ ہیں بس یادیں کئی

باتیں تیری، وہ تیری چٹکیاں

ہنسی سے بھری وہ تیری بدلیاں

میرے وہ سنگ ہیں

اس سفر کے یہ رنگ ہیں

☆ ☆ ☆۔

وہ فیصلہ نہ کرتا تو کیا کرتا

میں ہواؤں سی پاگل

وہ چراغ سا لڑکا!!!

کبریٰ نوید_ لاہور

☆ ☆ ☆

ہم دعا لکھتے رہے وہ دغا پڑھتے رہے

ایک نقطے نے محرم مجرم بنا دیا

انتخاب

عبدالولی زاہد سواتی

☆ ☆ ☆

محبت نامے

ثمینہ طاہر بٹ (لاہور): اسلام و علیکم !! نزہت آپی اور ندیم عباس صاحب۔!!۔ داستانِ دل کی ساری ٹیم کو میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو۔ اتنی جلدی، اپنے جریدے کے معیار کو اتنی بلندی پر لے جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ آپ سب کی شبانہ روز محنت اور خلوص پرچے کے لفظ لفظ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ماشااللہ۔ اللہ آپکو اور زیادہ ترقی اور کامیابیاں عطا کرے۔ آمین۔ میں نے آپکو اپنی چند کہانیاں ارسال کی ہیں۔ آپ انہیں دیکھ لیجیے گا اگر مناسب لگیں تو جگہ بھی ضرور دیجیے گا مجھے خوشی ہو گی۔ اب میں آتی ہوں ستمبر کے داستانِ دل کی طرف (اپکی کہانیاں شائع باری باری ہوتی رہے گی)۔

سب سے پہلے نعت رسول مقبول ﷺ آمولانا ظفر علی)اور (حفیظ تائب) کے کلام میں دل اور روح کو منور کیا۔ ماشا اللہ۔ عمدہ کلام، بے حد عمدہ انتخاب۔ جزاک اللہ۔ اور اسکے بعد آ گیا اداریہ۔۔ ندیم عباس۔۔۔ انتادرد۔۔ انتاد کھ۔۔۔

بیٹا جی، یہ زندگی ہے اور اس میں اتار چڑھاؤ تو آتے رہتے ہیں۔ آپ ابھی سے اپنے دل میں درد اور رف درد کو بسالا گے تو آگے چل کر کیا کرو گے۔؟ یہ زندگی اللہ کی دی ہوئی بہت خوبصورت نعمت ہے۔ الحمدللہ۔ اسے خوشی اور سکون کے ساتھ گذارنا ہی ہمارا فرض ہے۔ آپ بہت بہادر بچے ہیں۔ میں نے آپکی تحریریں جواب عرض اور سچی کہانیاں میں بھی پڑھی ہیں اور مجھے تب بھی محسوس ہوتا تھا کی آپ بہت زیادہ ا حساس دل رکھتے ہیں۔ اور آج آپکا اداریہ اور آپکی تحریر "شام تنہائی" پڑھ کر یقین واثق ہو گیا کہ جو میں سوچ رہی تھی وہ ٹھیک ہی تھا۔ بیٹا جی، آپ سے درخوست ہے کہ اپنی احسامیت کو تھوڑا سا کنٹرول کر لیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا انشااللہ۔ ویسے، آپکے ناول شام تنہائی نے رلایا بہت۔ ایک عام سی لو اسٹوری سے شروع ہونے والی کہانی کا انجام اسقدر دلدوز اور اندوہناک بھی ہو سکتا ہے۔؟ آپ نے بہت اچھا لکھا۔ ماشااللہ۔۔ اداریے کے بعد (نزہت آپی) کی باتیں

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

پڑھیں۔ انکی باتیں بھی انکی شخصیت کی طرح نرم نرم اور دل کو چھونے والی تھی۔ زبردست۔ پھر سامنے آئیں عنبرین دین کی خوبصورت باتیں لیئے۔ بسم اللہ۔ کے فوائد بہت اچھے طریقے سے سمجھائی ہوئی۔ جزاک اللہ۔ اور جناب پھر ملاقات ہوئی (ڈاکٹر منظور اکبر صاحب) سے۔ ان کی تحریریں بھی جواب عرض کے شماروں میں نگاہ سے گذر چکی ہیں۔ ماشاللہ۔ مگر جس طرح انہوں نے اپنے جھنگ کی سیر کرائی مزہ آگیا۔ (اپ لاہور کی کب کروا رہے ہیں ہم کو سیر) ۔ اس بار کے داستانِ دل میں افسانے آٹھ تھے، اور کیا خوب تھے۔ سبحان اللہ۔ (عفت بھٹی) کی (ہار) دل کو چھو لینے والی تحریر رہی۔ ہمارے معاشرے کی دکھتی رگ پر جس طرح عفت نے ہاتھ رکھا، انکا ہی خاصہ ہے۔ جمیل سے شبو تک کے سفر میں جمیل کے ساتھ ساتھ ہمارے پاؤں بھی شل ہوئے اور ہمت بھی کئی بار ٹوٹی۔ بہت خوب عفت۔ (ربیعہ احمد) کا (میرا گھر۔) عورت کی ازلی خواہش اور حق پر مبنی خوبصورت کہانی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ ہم اپنی بہنوں بیٹیوں کے کان میں شروع سے ہی یہ بات ضرور ڈالتے ہیں کہ جو بھی کرنا ہے اپنے گھر جاکر کرنا۔ اپنی ہر خواہش اپنے گھر ہی جا کر پوری کرنا، مگر ہوتا یہ ہے کہ وہ اپنا گھر عورت کی قسمت میں ہوتا بہت کم ہے۔ ویلڈن ربیعہ ویلڈن۔۔۔ (شہزاد سلطان کیف) کا (ماں میں پردیسی) پردیسیوں کے دکھوں اور تنہائیوں کی منہ بولتی کہانی۔ بہت عمدہ۔ (شعیب ملک) کا

(لازوال) اپنے نام کی طرح خوبصورت اور لازوال کہانی، ابھی تکمیل کے مراحل میں ہے۔ مکمل تبصرہ انشا اللہ تحریر مکمل ہونے پر۔ (داستان ابھی باقی ہے۔) فاطمہ عبدالحق کا خوبصورت آرٹیکل نظریہ پاکستان اور اساسِ پاکستان پر ایک خوبصورت تحریر۔ جزاک اللہ فاطمہ۔ (عفت بھٹی) کا (زرد پتے) نیک اور عمدہ تحریر۔ ابھی اسکی پہلی قسط پڑھی ہے۔ انشا اللہ کہانی پوری ہونے پر تبصرہ بھی مکمل کروں گی۔ (ماورا خان) کا (اک ورق زندگی کا) ایک اور دکھی کہانی۔ خونی رشتوں میں احساس اور مروت نہ ہو تو پھر ہر (بی) کو ایسے ہی جان کی بازی لگانی پڑتی ہے۔ ویلڈن۔ (راحیلہ منظر) کا (لال گلاب) بھی اچھا تھا، مگر اس میں ایڈیٹنگ کی بہت غلطیاں تھیں۔ کہانی اچھی تھی۔ (محسن عتیق) کا آرٹیکل (اٹھ بھی جاؤ کہیں دیر نہ ہو جائے) کشمیر اور کشمیر کاز پر لکھی جانے والے خوبصورت اور حساس تحریر۔ بہت خوب محسن صاحب۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ (نبیلہ نازش راؤ) کا (درد محبت) محبت اور چاہت، وفا اور بے وفائی کے رنگوں سے سجی حسین تحریر۔ بہت اعلیٰ اسلوب اور انداز بیان۔ جزاک اللہ نبیلہ۔ (ذیشان) کا (آرٹیکل) (ماں) ماں سے محبت اور ماں کی عظمت کا شاہکار۔ واہ۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ (قربانی بنام آزادی) (محمد جواد) کا آرٹیکل بھی مثال رہا۔ انہوں نے جن حقائق کا ذکر اپنی تحریر میں کیا ہمیں ان پر تہہ دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ واقعی، ہماری نئی

نسل تعمیری کام کرنے کی بجائے اپنا زیادہ وقت سوشل میڈیا کو ہی دینا پسند کرتے ہیں۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ ابھی بھی وقت ہے، ہم اپنے آپ کو سنبھال لیں کیوں کہ یہ آزادی ہمیں کسی نے پلیٹ میں رکھ کر نہیں پیش کر دی تھی۔ اس لیے ہمارے اباؤ اجداد نے بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ پھر کہیں جا کر یہ پیاری وطن ہمیں نصیب ہوا ہے۔ جزاک اللہ محمد احمد صاحب۔ (فاطمہ ایم اے خان) کی بے یقینی سی بے یقینی بھی نئی نسل کی بیراہرویوں پر لکھی گئی ایک عمدہ تحریر۔ مگر یہ افسانہ تھا۔ مکمل ناول نہیں۔ بہر حال جو بھی تھا اچھا اور سبق آموز تھا۔ عشق زادی۔ علی حسنین۔ سفید خون محسن علی نیلا روبال یونس ناز۔ سچی خوشی۔ پیا سحر روشنی کا سفر شازیہ کریم۔ اور تمام مستقل سلسلے۔ سب کے سب بہت اچھے رہے۔ ماشا اللہ۔ اللہ اسی طرح داستانِ دل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی سے نوازے آمین ثم آمین۔۔ اور اسکے ساتھ ہی میں اب آپ سب سے اجازت چاہتی ہوں۔ اگلے ماہ نئی کہانی اور نئے تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔ انشا اللہ۔ تب تک اپنا خیال رکھئے گا اور ان سب کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں۔ آپ سے محبت کرتے ہیں۔ خوش رہئے، سلامت رہئے پھر ملاقات ہو گی۔ تب تک کے لیئے فی امان اللہ۔۔ اللہ حافظ

جواب، کیا بات ہے اپ کا تبصرہ پڑھ کر ہماری ٹیم کو یقین ہو گیا کہ ہم کامیاب ہو گے ہیں،، ہمیشہ حاضری دیتے رہنا غیر حاضری نہیں چلے گی

☆ ☆ ☆ ☆

حماد ظفر بادی۔ گوجرہ: اسلام علیکم محترم جناب ایڈیٹر صاحب امید کرتا ہوں خیریت سے ہوں گے آپکا داستان دل ،دل کو جا لگا، سارے کا سارا پڑھ کے دم لیا مگر اپنی تحریر نہ پا کر دل روہانسا ہو گیا، ندیم عباس کی سٹوری، محمد شعیب نزہت جبئیں، راحیلہ منظر اور شہزاد سلطان کی سٹوریز نے دل جیت لیا،، منظور بھائی کا انٹرویو بہت اچھا تھا، باقی تمام سلسلے بہت اچھے جا رہے ہیں تمام پڑھنے والوں کو سلام،، اور بقرہ عید مبارک۔

جواب: اس بار آپ کا شکوہ دور ہو گیا ہے میرے خیال سے

☆ ☆ ☆ ☆

عثمان انجم قبولہ شریف: داستان دل میں یہ میرا پہلا محبت نامہ ہے داستان دل کو پڑ کر میری انگلیوں سے رہا نہ گیا اور میں لکھنے بیٹھ گیا پہلی بار اتنا اچھا رسالہ پڑنے کو ملا ہے جس کا کوئی اندازہ نہیں ہے ہر کالم ہر چیز اتنی اچھی اور اتنے سبھی طریقے سے لکھی ہوتی ہے کہ پڑھ کر دل خوش ہو جاتا ہے اور سبھی دوست بہت اچھے طریقے سے اور بہت اچھا لکھ رہے ہیں اور میں آخر میں اتنا ہی کہوں گا کہ داستان دل ایک بہت ہی اچھی سوچ اور بہت ہی سوہانے سفر کا آغاز کیا ہے للہ تعالی

داستان دل کی پوری ٹیم کو سلامت رکھے اور داستان دل دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے

71769200343

جواب: شکریہ بہت بہت آئندہ بھی تبصرہ کرنا مت بھولئے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆

ربیعہ امجد (نارووال): السلام و علیکم امید کرتی ہوں سب خیریت سے ہوں گے اس دفعہ میں نے پہلی دفعہ داستان دل کا پورا شمارہ پڑا اور پڑھ کہ اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ اس سے پہلے کیوں نہی پڑا۔ اس شمارے کو پڑھنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس میں میری تحریر شامل تھی مگر اس کو پڑھ کہ شاید اب ہمیشہ کا ساتھ جڑ گیا۔ سب سے پہلے بات کرتی ہوں سرورق کی تو وہ بہت ہی کمال کا تھا، دل کو چھو لینے والا۔۔ پھر نعت اور حمد سے دل کو منور کیا۔ سب سے پہلے اپنی چھوٹی سی کہانی پڑھی اور پڑھ کہ بہت اچھا لگا۔ اس کے بعد عفت بھٹی کا خوبصورت انداز میں لکھا ہوا ناولٹ پڑا واقع بہت مزا ایا۔ نزہت جبیں ضیاء کی ناولٹ پڑا ہمیشہ کی طرح لاجواب۔

سلسلے وار ناول دونوں اچھے لگے ندیم عباس کا انداز بہت ہی منفرد اور اچھوتا لگا دوسرا ناول بھی اچھا تھا۔ افسانوں میں سب سے ذیادہ سفید خون پسند ایا۔ ناول بھی سب اچھے تھے ماورا خان نے بہت خوبصورت انداز میں لکھا نبیلہ راو کا مکمل ناول بھی اچھا لگا۔ شاعری ساری بہت ہی کمال کی تھی شازیہ کریم کی شاعری بہت پسند آئی۔ پورا داستان دل پڑھ کہ واقعی بہت مزا ایا اللہ اس رسالے کو دن دگنی رات چگنی ترقی دے اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گی تبصرے کے ساتھ تب تک کے لیے اللہ حافظ

جواب: اس شمارے پر بھی آپ کے محبت نامے کا انتظار رہے گا

☆ ☆ ☆

فاطمہ عبد الحق: جیسے ہی شمارہ آیا ہم نے بھی جمپ لگائی ڈاونلوڈ کیا اور پڑھنے بیٹھ گئے پورا شمارہ حقیقتاً لفظ لفظ چاٹ لیا کہنا زیادہ مناسب ہوگا، آخر تبصرہ لکھنے کا ہم نے بھی ادارے سے وعدہ کیا تھا یوں تو تبصرہ لکھنے میں ہم بالکل اناڑی ہیں مگر کوشش کرنے میں کیا ہرج ہے آخر چنانچہ شروع ہوگئے ہم بھی سب سے پہلے ظفر علی خاں کی حمد اور حفیظ تائب کی نعت سے روح کو معطر کیا اور اداریہ کی طرف جمپ لگائی آخری الفاظ تو یوں لگا جیسے مین نے ہی لکھے ہیں "جو مجھے نہیں سمجھتے وہ اتنا سمجھ لیں کہ مجھے کامیاب ہونا ہے" ابھی اداریہ کے بعد ہم مگن ہی تھے نزہت جبیں کے الفاظ سننے میں کہ عنبرین اختر کی صدا سنائی دی" آو دین سیکھیں "ہم جو ذرا سانس لینے کا سوچ رہے تھے شرمندہ سے محفل دین میں شامل ہوئے اور بسم اللہ کے فیوض و برکات سے آگہی حاصل کی، اگلے صفحے پر چھلانگ لگائی اور شازیہ کریم کی شاعری پڑھی اچھی لگی نظر اٹھی تو ارشد محمد ارشد کے کلام پر نظریں جم گیئں ہمیشہ کی طرح لاجواب شاعری تھی ابھی سر دھن رہے تھے کہ منظور اکبر

روالونگ چیئر پر جھومتے ہوئے اپنا انٹرویو دیتے نظر آئے سامنے میز پر چائے پڑی ٹھنڈی ہو رہی تھی مگر وہ مگن سے جوابات دے رہے تھے ہم نے چپکے سے چائے اٹھائی پی کر تازہ دم ہوئے اور آگے کی جانب بڑھے مگر یہ کیا نزہت جبیں کا "پہنچی کہاں بہار" تو ہم پہلے آنچل کے کسی شمارے میں پڑھ چکے ہیں ذرا سنبھل کر آگے کی جانب چلے تو شعیب کا "لازوال" ناول تھا جو کہ ہم مکمل ہونے پر پڑھیں گے مگر امید ہے یہ ان کے باقی ناولز کی طرح شاندار رہی ہو گا، عفت بھٹی کی ہاں میں ہم ہاں ملاتے ہیں کاش کہ ہمارے معاشرے میں خواجہ سرا کو اسکا اصل مقام دیا جائے وہ بھی مخلوق خدا ہے مگر ہمارا انتہائی غیر مساوی سلوک انہیں معاشرے میں ان کا مقام نہیں دیا جا رہا تحریر پڑھ آنکھوں میں کر آنسو آگئے۔ ربیعہ امجد کی کہانی میرا گھر انکی باقی تحاریر کی طرح ایک عمدہ تحریر اور ہمارے معاشرے کے ہر دوسرے یا تیسرے گھر کی کہانی ہے تھوڑا آگے بڑھے تو شہزاد سلطان کیف بڑے شاندار الفاظ میں ماں سے متعلق اپنے جزبات کا اظہار کرتے ہوئے نظر آئے پڑھ کر اچھا لگا، اب ہم ثمینہ طاہر بٹ کے ظرف کو پڑھنے لگے سیلاب نے بے جی کو تو سبق سکھا دیا کاش اسے پڑھ کر آس پاس کی بے جیں بھی سبق حاصل کریں شام تنہائی ندیم عباس کی اکتوبر 2005 کے زلزلہ کے پس منظر میں لکھی گئی خون کے آنسو رلاتی کہانی، دل دہلانے والی، معاشرے میں پلتے سوروں کا اصل چہرہ دکھاتی کہانی، تلخیاں پیتے کڑوے الفاظ ہمارے معاشرے کی حقیقت کی عکاسی کر رہے تھے

ایک ورق زندگی کا ماورا خان کی اچھی کہانی تھی پہلی بار ان کی تحریر پڑھی اس حساب سے تو زبردست رہی،

راحیلہ منظر کا لال گلاب پڑھ کر آنکھ میں آنسو آگئے مگر اینڈ پر زمان کو بیٹا بنانے والی بات پر خوشی ہوئی ہمارے معاشرے میں ابھی احساس کی دولت باقی ہے، محسن عتیق کی تحریر "اٹھ جاو کہ کہیں دیر نہ ہو جائے" کشمیر کے پس منظر میں لکھی گئی شاندار تحریر تھی ولید جیسے لوگ ہی ہمارے معاشرے کا ناسور ہیں ہمارے اندر رہ کر ہمارے آستین کا سانپ بن کر ہمیں ڈستے ہیں ایک یادگار تحریر کے یادگار الفاظ "جنگ صرف جدا پر توکل کر کے جیتی جاتی ہے" تحریر کا کل خلاصہ بلاشبہ ہم میں توکل ہی کی کمی ہے جب ہم توکل باللہ کرنا سیکھ لیں گے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ہمیں ہرا نہیں پائے گی۔ دردِ محبت نبیلہ نازش راو کی ایک اچھی کاوش قابل تحسین، ریان مر کر محبت کو امر کر گئی، ذیشان زاہد نے ماں کے درجات کو خوبصورت انداز میں تحریر کیا

آزادی بنام قربانی محمد جواد خاں کی باقی تحاریر کی طرح ایک جاندار اور خوبصورت اپنے مقصد کی یاد دلاتی تحریر تھی فاطمہ صاحبہ کا بے یقینی سی بے یقینی بھی اچھا تھا

مجموعی طور پر داستان دل ایک اچھا شمارہ ہے سچائی اور حقائق پر مبنی تحاریر اس کی زینت بنی ہیں جن حقائق کو عموماً ماہنامے شائع نہیں کرے امید ہے ایک دن جلد ہی اسے بہت اچھا

مقام حاصل ہو گا مستقل سلسلے بھی اچھے ہیں مگر بے حد معزرت کے ساتھ دو سلسلے جو مجھے بالکل بھی پسند نہیں آئے اور جو میری نظر میں ماہنامے کا حسن گہنار ہے ہیں وہ ہیں "آپ کی زندگی میں چاند کون ہے؟" اور "مختصر اشتہارات" یہ ماہنامے کا باقی جو معیار ہے اس سے مطابقت نہیں رکھتے امید ہے آپ اس پہلو پر غور کریں گے شکریہ

اب اجازت دے اس سے پہلے کہ ہماری اماں کا جلال بھی تبصرے کا حصہ بن کر انگارہ بنے اگلے ماہ حاضر خدمت ہوں گے فی امان اللہ

جواب: یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ شمارہ باریک بینی سے پڑھتی ہیں۔ آپ کی رائے کو آگے پہنچادیا گیا ہے۔ آئندہ بھی اپنی قیمتی آراء سے آگاہ کرتی رہئے گا۔

☆ ☆ ☆

کبریٰ نوید_ لاہور: سب سے پہلے تو داستان دل کو اتنے اچھے طریقے سے پیش کرنے پر مبارک باد وصول کیجئے ...شام تنہائی اس بار ٹاپ پر رہا....کچھ مقام ایسے بھی تھے جب تلخ حقائق پڑھ کر دل افسردہ ہوا... مگر ناول کا انجام حقیقت پے مبنی تھا... سچی خوشی پیاسحر نے بھی اچھا لکھا بس افسانے تھوڑے میچور ہونے چاہیے. شازیہ کریم کی شاعری تو اچھی تھی افسانہ تھوڑا بے ربط لگا. محمّد شعیب کی شاعری بی پسند ائی باقی زیر مطالعہ ہے ...اور سب دکھی بہن بھائیوں کے لیے دعا ہے اللہ پاک سب کو سکون دے آمین..

جواب: اتنا مختصر تبصرہ؟ ایسا نہیں چلے گا۔ آئندہ مکمل تبصرے کا انتظار ہے ہمیں

☆ ☆ ☆

راحیلہ بنت مہر علی شاہ گاؤں آما خیل تحصیل ٹانک: اسلام علیکم مجھے داستان دل بے حد پسند آیا ہے اور مجھے امید ہے یہ بہت جلد ترقی کے منازل طے کرے گا انشااللہ اور ہم اپنی خوش نصیبی سمجھے نگے اگر اس میں ہماری تحریر شائع ہوئی بہت ساری دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ اجازت دیں۔ اللہ حافظ

جواب: جی ضرور! آپ بھیجیے، ہم ضرور شائع کریں گے۔ اور باقی ڈائجسٹ پر بھی تبصرہ کریں

☆ ☆ ☆

راحیلہ منظر حمرہ سٹی: السلام ندیم صاحب! کیسے ہیں آپ امید کرتی ہوں خیریت سے ہونگے۔ سب سے پہلے میں آپکی خالہ کے لیے تعزیت کرنا چاہوں گی اللہ تعالیٰ اسکو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آپکی خالہ کی ڈیتھ کی وجہ سے داستان دل کا شمارہ شائع نہیں ہوا سن کر بہت دکھ ہوا تھا اگلے شمارے کا شدت سے انتظار تھا ماشااللہ بہت اچھا اخبار ہے سب ایک جگہ پڑھنے کو مل جاتا ہے۔ دعا ہے آپ یونہی اس کام کو جاری رکھے ندیم صاحب میں ایک چھوٹی سی تحریر بھیج رہی ہوں۔ امید کرتی ہوں آپ اسے داستان دل کی دنیا میں ضرور جگہ دیں گے۔ میں آپکی بے حد مشکور رہوں گی۔

آخر میں سب ریڈر اور رائیٹر کو دل کی گہرائیوں سے سلام !

جواب: شمارے پر تبصرے کا انتظار ہے آپ کی طرف سے۔

☆ ☆ ☆ ☆

حکیم جاوید نسیم۔ فیصل آباد: جناب ایڈیٹر ملک ندیم عباس ڈھکو صاحب !السلام علیکم ! امید کرتا ہوں کہ آپ خیریتے ہوں گے۔ ساہیوال میں آپ سے مل کر دل باغ باغ ہو گیا ارے بھائی یقین ابھی تک بھی نہیں آرہا کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے۔ داستان دل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے داستان دل کے تینوں شمارے پڑھ چکا ہوں بے حد پسند آئے۔ نزہت جبیں ضاء بہت اچھے انداز میں لکھتے ہیں بے حد انداز لکھنے کا پسند آیا اور محمد شعیب کی تحریریں لاجواب ہیں۔ ہمارے شہر کے چھپے ہوئے رستم نکلے آپ کو۔ نظمیں، غزلیں کے تمام سلسلے اچھے ہیں کتابی شکل میں داستان دل کو پڑھنے کے لیے بے تاب ہیں علی رضا بھائی اچھا تعاون کرتے ہیں ادا ب کے حوالے سے انشاءاللہ میں داستان دل میں اپنے دوستوں کے ساتھ ضرور تحریر میں لے کر جلد حاضر ہوں گا۔ نزہت جبیں ضاء کو مبارک باد دینا چاہوں گا کہ وہ داستان دل کے ادارے اچھے طریقے سے چلا رہے۔ سب میری نک دعائیں ہمیشہ ساتھ ہیں۔

0345-5453286

(نوازش بے حد تبصرہ پسند آیا ہمیشہ محبتوں سے نوازتے رہنا۔ ڈھیروں دعاؤں کے مشکور رہیں۔ محفل کا حصہ بنتے رہنا۔

دوستوں اور آپکی تحریروں کے لیے ہمارے نظریں داستان دل کے دروازے کی طرف میں انتظار رہے گا)

☆ ☆ ☆

شازیہ کریم۔ رحیم یار خاں: ایڈیٹر صاحب میری طرف سے اتنی اچھی کاوش کی کامیابی پر بہت بہت مبارک ہو۔ داستان دل کے تمام سلسلے بے حد پسند آئے خصوصی نزہیت جبیں ضاء کا ناول دل بڑی مشکل سے بے حد پسند آیا۔ ہمیشہ اتنا اچھا لکھتے رہنا اور داستان دل کا حصہ لازمی بنتی رہنا آیا آپ کے ناول میں بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔ شعیب بھائی کیا بات ہے۔ ایک ہی شمارے میں دو تحریریں کیا بات ہے ہماری تو ایک غزل تک شائع نہیں ہوتی۔ خیر شام تنہائی کی قسط بے حد پسند آئی۔ شاعری، نظمیں وغیرہ ساری بے حد پسند آئی۔ آخر داستان دل کی تمام ٹیم کو کتابی شکل میں آون لائن شائع ہونے پر دل کی اہتا گہرائی سے مبارک باد پیش کرتی ہوں۔

(پیاری شازیہ ناراضگی ختم کریں۔ آپکی تحریر میں شائع کر دی ہیں آپکی تحویل تحریر کا انتظار رہے گا۔ داستان دل کی مکمل ٹیم کی طرف سے آپکو بھی بہت بہت مبارک ہو۔ ہمیشہ حاضری دیتے رہنا)

☆ ☆ ☆

یاسر وکی دیپالپور، اوکاڑہ: ہمارے بھائی ایڈیٹر ندیم عباس ڈھکو صاحب مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ آپنا رسالہ نکال رہے ہو کچھ مصروفیت کی وجہ سے رابطہ نہ کر

سکا۔ کچھ دن پہلے شاپ پر گیا تو وہ داستان دل پر نظر پڑی جب میں نے غور سے دیکھا تو ایڈیٹر ندیم عباس ڈھکو ارے واہ کیا بات ہے اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنی بڑی کامیابی۔ میں انشااللہ جلد اپنی تحریریں لے کر حاضر ہوں گا۔

(پیارے وکی ہمیشہ مسکراتے رہو اب غیر حاضری کی نہیں چلے کی تحریروں کا انتظار رہے گا بندہ ناچیز کچھ نہیں سب میرے والدین کی دعائیں ہیں۔)

☆ ☆ ☆

منظور اکبر تبسم جھنگ : پیارے بھائی ندیم عباس ڈھکو صاحب کیسے ہیں آپ؟ امید کرتا ہوں کہ خیریت سے ہوں داستان دل کے لیے جو محنت کر رہے اللہ تعالیٰ اس کا پھل ضرور دے گا آپکو ہمارا مکمل تعاون آپکے ساتھ ہیں میں باقی سب دوستوں سے بھی ریکوئسٹ کرتا ہوں کہ وہ داستان دل کے ساتھ مکمل تعاون کریں اس کے لنک کو اپنے سب ادبی دوستوں کو ضرور ارسال کریں۔ انشااللہ وہ دن اب دور نہیں کہ جب ہر زبان پر داستان دل کا نام ہو گا۔ ندیم بھائی سے ملاقات ہوئی آپ قارئین کے محبت نامے دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ہماری ٹیم کامیاب ہو گی ہے۔ میری ہر شخص سے ریکوئسٹ ہے کہ جس کی بھی نظر سے داستان دل گزرے وہ اپنی رائے ہمیں واٹس اپ، فیس بک، ای میل یا موبائل پر ضرور بھیجے چاہیے وہ اپنا نام جو مرضی رکھ لے۔ مگر آپ سب اپنی رائے لازمی ارسال کریں تاکہ ہمیں آپ سب کی رائے کا پتہ ہو اور ہمارا وعدہ ہے کہ انشااللہ ہم داستان دل کو آپ سے دوستوں کی رائے مطابق لے کر چالیں گے۔ شکریہ

3487779-0345

☆ ☆ ☆

ماہ نور۔ آزاد کشمیر : اسلام ماموں جی۔۔۔ ارے واہ کیا بات ہے ماموں پہلے آپکی تحریریں پڑھنے کو ملتی تھی اب آپکا رسالہ اللہ تعالیٰ آپکو کامیاب کرے۔ آمین داستان دل بہت اچھا ہے۔ پلیز میری دوستوں کی تحریریں ماموں لازمی شائع کرنا میری دوستوں کے نام، شازیہ گل، ارم، راشدہ عمران ہے پلیز لازمی شائع کرنا آئندہ تحویل تبصرہ پھر کروں گی۔

(میں ماموں کب بنا؟ پیاری ماہ نور آپکی دوستوں کی جو تحریریں موصول ہوئی شائع کر دی آپکو کوئی شکوہ نہیں ملے گا۔ اپنا بہت سارا خیال رکھا ارماموں کے لیے دعا کرنا۔)

☆ ☆ ☆

ملک علی رضا: اسلام علیکم! محترم جناب ندیم عباس ڈھکو صاحب امید ہے کہ مزاج گرامی شگفتہ ہوں گے۔ ماہنامہ داستان دل کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ احساس شکر سے دل کی دھڑکنیں معطر ہو گئیں۔ زیر نظر شمارہ اپنے آنکھیں میں شعر وافسانوں کے حسین وجمیل مناظر سجائے ہوئے منظر عام پر آیا ہے۔ آپ کی خدمات شعر و ادب روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ ضلع ساہیوال خوش نصیب ہے کہ اسی دھرتی پر آپ کا داستان دل خوشبوئیں بکھر رہا ہے آخر میں نزہت جبیں ضیاء، رانا ظفر علی، شعیب عالم، رمضان پریمی، افضل آزاد، زخمی دل، عائشا نصاری، نبیلہ نازش، ذیشان ریاض،

محسن علی طاب، اقراء سیف، خصوصی سلام اور تمام قارئین کو دی عید مبارک قبول ہو۔

☆ ☆ ☆

اسامہ زاہروی: داستان دل کے بارے میں جتنا لکھا جائے کم ہے. یہ پلیٹ فارم دوسرے پلیٹ فارمز سے بالکل مختلف ہے. یہ وہ پلیٹ فارم ہے جس نے اپنی مثال خود قائم کی ہے. مشہور کہاوت ہے کہ ہمیشہ پیاسا ہی کنویں کے پاس آتا ہے مگر داستان دل وہ کنواں ہے جو پیاسے کی طرف خود چل کر آ رہا ہے. میرے خیال سے داستان دل کی ٹیم پاکستان میں موجود ٹیلنٹ کی قدر کرتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ جن لوگوں کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملا وہ داستان دل میں اپنی مہارت دکھا کر اپنی پہچان بنائیں. میں ٹیم داستان دل کی ادبی خدمات کو سراہتا ہوں. اور میری دعا ہے کہ داستان دل کی ادبی خدمات میں کبھی کوئی کمی نہ آئے.

03077206016

(بہت شکریہ داستانِ دل کو پسند کرنے کا۔ آئندہ بھی اسی طرح ساتھ رہئے گا۔)

☆ ☆ ☆

ہمارا تعارف

میرا نام ریما نور رضوان

پیدائش رہائش کراچی ہے۔

15 اکتوبر میری سالگرہ کا دن ہے۔

میرا اسٹار میزان ہے اور اس اسٹار کی تمام تر خوبیاں اور خامیاں مجھ میں موجود ہیں۔

میری دوستیں بہت۔ بہت۔ بہت زیادہ ہیں۔ میری نیچر فرینڈلی ہے اسی لیے۔ ہر اک سے دوستی ہو جاتی ہے۔

لیکن خاص اور قریبی دوست میرے ہزبینڈ جی محمد رضوان صاحب اور میرے امی ابو بہن بھائی ہیں۔

تعلیم انٹر ہے۔

کوکنگ۔ کٹنگ سلائی۔ کورسز کئے ہوئے ہیں۔

پڑھائی کے دوران ہی منگنی اور جلد ہی شادی ہو گی۔ تعلیمی سلسلہ رک گیا۔ لکھنے پڑھنے کی شوقین ہوں۔

اچھی کتابیں ہمہ وقت زیر مطالعہ رہتی ہیں۔

شادی شدہ اک بچی کی ماں ہوں۔

میری بیٹی فضاء میری زندگی میری جان ہے۔

مجھے بارش۔ سرد ہوائیں۔

گرما گرم چائے ساتھ پکوڑے

ہممممممم

موسم سرما کی بارش بہت زیادہ متاثر کرتی ہے۔

کوکنگ کا بے حد شوق ہے اور الحمد اللہ بہت اچھے کھانے بنا لیتی ہوں۔

کھانے میں فاسٹ فوڈ۔ باربی کیو۔ پیزا موسٹ موسٹ موسٹ موسٹ فیورٹ ہے۔

سوئیٹ ڈش میں اونلی آئسکریم بے حد پسند ہے۔

پسندیدہ کتاب۔ قرآن پاک

پسندیدہ شخصیت۔ حضرت محمد صلی اللہ علی علیہ وسلم

پسندیدہ مصنف۔ اللہ پاک

پسندیدہ خوشبو۔ مٹی کی اور مہندی کی۔

پسندیدہ پہر۔ فجر اور تہجد کا وقت

پسندیدہ جگہ۔

وہ تو پوچھئے ہی مت

میں ماشاء اللہ گھومنے پھرنے کی بہت۔ بہت۔ بہت شوقین ہوں۔

دو دریا۔ ہل پارک والا روڈ۔ ہاکس بے۔

کرلی جھیل۔ چرنا اسلینڈ۔

ساحل سمندر۔ مری اسلامہ آباد کا لاک ورشہ۔ شکر پڑیاں۔ راول ڈیم

لاہور کا واہگہ بارڈر۔ بادشاہی مسجد۔

سیالکوٹ میں واقع محمد علامہ اقبال کا گھر۔ ہیڈ مرالہ۔ کینٹ۔

اور بھی کافی ساری جگہیں ہیں۔

پسندیدہ شہر۔ اسلامہ آباد

پسندیدہ ملک۔ ہمارا پیارا پاکستان

پسندیدہ اسکالر۔ طارق جمیل

پسندیدہ پروفیشن۔ استاد

پسندیدہ ڈائجسٹ۔

آنچل۔ حجاب۔ شعاع۔ کرن۔ حنا۔ خواتین۔

دوشیزہ۔ پاکیزہ۔ ردا۔ ریشم۔

داستان دل ڈائجسٹ

گھریلو امور نمٹانے کے بعد جو وقت بھی میسر آئے۔ کچھ نہ کچھ ضرور لکھتی ہوں۔

لکھنے لکھانے کا سلسلہ دس سال سے جاری ہے ردا ڈائجسٹ میں متعدد ناول۔ ناولٹ افسانے، شاعری، آرٹیکل شائع ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں۔

آن لائن ویب پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر دو افسانے اک ناول پبلش ہو چکا ہے۔ اردو ناولز آن لائن ڈاٹ کام پر اک افسانہ سوہنی ڈائجسٹ ان لائن میں بھی دو افسانے افسانہ اک ناولٹ پبلش ہو چکا ہے۔ مختلف اخباروں میں کالم شائع ہو چکے ہیں۔

مختلف ڈائجسٹوں میں افسانے بھیجے ہوئے ہیں۔ دعا دیجیے کہ اللہ پاک زندگی کے ہر موڑ پر ہر معاملے میں ترقی، عزت، کامیابی نصیب فرمائے آمین ثمہ آمین۔

☆ ☆ ☆ ☆

میرا نام مھناز یوسف ھے اور یہ میرا اصلی نام یعنی ماں باپ کا دیا ھوا نام ھے

میری جائے پیدائش حیدر آباد ھے، پچھلے سات سال سے کراچی میں رھائش پزیر ھوں، میری تاریخ پیدائش چھ ستمبر ھے، اور سن پیدائش تو جیسا کہ آپکو معلوم ھی ھے کہ لڑکیاں بتاتی نھیں ھیں

اسلیے میں بھی نھیں بتاؤنگی، میں ورگو ھوں اور اسکی ساری خوبیاں تو مجھے معلوم نھیں لیکن ایک خامی یعنی کہ تنقید پسندی مجھ میں ھے، لیکن میں صرف اپنے آپ پر تنقیدی نظر رکھتی ھوں، اور دوسروں کی خوبیاں دیکھنے کی کوشش کرتی ھوں،

میں میر ڈھوں، اور میرے شوھر کا نام نعیم ھے، میں نے اپنے نام کے ساتھ اپنے ابو کا نام اب تک لگا رکھا ھے کیونکہ میرے میاں جی نے میرا شناختی کارڈ ابتک نھیں بنوایا ھے، احتجاجا میں نے انکا نام اپنے نام کے ساتھ نھیں لگایا ھے

میری تعلم انٹر ھے، آج کے دور کے حساب سے صرف "انٹر" کھا جائے گا، کم تعلیم کی وجہ، شادی جو کہ انٹر کرتے ھی ھوگئی تھی،

میں لکھتی بھی ھوں کبھی کبھی، میرے دو افسانے شعاع میں شائع ھو چکے ھیں (نومبر 2015 اور اگست 2015) اور ایک افسانہ حجاب (جون 2016) میں شائع ھو چکا ھے، پر خلوص ھوں، رشتے نبھانے کی آخری حد تک کوشش کرتی ھوں، غصے کی بھی بھت تیز ھوں، لیکن برداشت بھی حد درجے کی ھے،

لیکن جب برداشت کی حدیں ختم ھوتی ھیں تو غصہ بھی حد درجے کا ھوتا ھے,

تھوڑی بیوقوف ھوں اور تھوڑی زھین ھوں,

کچھ کھٹی اور کچھ میٹھی

یہ میں ھوں

مھناز یوسف

☆ ☆ ☆

گرمی کے جاتے ہی سردی کی شروعات کی دن تھے پانچ نومبر 1995 کو دو دریاؤں کے درمیان ضلع منڈی بہاوالدین کے جنوب مغرب میں واقع ایک سرسبز شاداب شہر گوجرہ میں علی محمد کے خاندان کا چشم چراغ بنا،،

پاپا آرمی میں اچھے عہدے پے فائز تھے گھر میں ضرورت کی ہر چیز میسر ہے میرا نام حماد ظفر رکھا گیا

پاپا اس وقت راولپنڈی میں کور کمانڈر تھے، اکلوتا اور لاڈلا تھا نام ہادی ہادی سب کی زبان پے رواں ہو گیا،،

تعلیم کی معملے میں تھوڑا نالائق تھا دادا حضور درویش صفت تھے سو مجھے بھی ادب سے لگن ہو گئی،،

مڈل تک پرائیویٹ اداروں میں پڑھا پھر بچوں کی کہانیاں ناول میں چھوٹی چھوٹی تحریریں لکھتا رہا میٹرک کے امتحان پاس کیئے پھر جواب عرض میں لکھنا شروع کیا

پہلے خط کتابت اور شاعری لکھتا رہا پھر ایک سٹوری شائع ہوئی تو پھر ریگولر لکھنا شروع کر دیا،

2014 میں ایک ناول بھی لکھا،،

ابھی بی اے مکمل ہوا اب ایم اے اردو کا خواب ہے،،

گھومنے پھرنے کا شوق ایسا ہے کے پاکستان کے تمام صوبے پھر ڈالے پھر زیارت پے ایران عراق، شام کا بھی ویزٹ کیا

،،

دوست احباب میں میرے پانچ ایسے دوست ہیں جو بچپن سے ساتھ ہیں اور ساتھ ہی رہیں گے

☆ ☆ ☆

نام: منتہا آرائیں

تعلیمی قابلیت: web &bechelor's in cs developer

پیدائش: میرپور خاص تاریخ: 27 فروری

میں اللہ پاک کی شکر گزار ہوں جس نے میرے ہاتھ میں قلم تھمایا اور مجھے اس لائق بنایا کہ میں اپنے خیالوں اور سوچوں کو اپنے لفظوں میں ڈھال سکوں.

قلمی سفر کا آغاز: 19 سال کی عمر میں پہلا ناول لکھا امایہ اور اسکی عجیب چاہت جو گوگل بلاگ سایٹ پے شائع ہوا، اور پیارے قارئین نے بے حد پسند کیا اور انشاللہ بہت جلد کتابی شکل میں شائع ہو گا۔

دوسرا ناول 2016 جون میں لکھا جو انشاللہ بہت جلد الف کتاب ڈیجیٹل پے شائع ہو گا...

اس کے علاوہ چار افسانچے لکھے ہیں ان میں سے 1 انشاللہ الف کتاب پے شائع ہو گا اور 3 داستان دل ڈائجسٹ میں زیر تکمیل افسانچے

مھنگائی

جھوٹ

مسیحا

م سے مٹی

بچوں کی کہانیاں

اور ایک افسانہ لکھا ہے فیس بک

☆ ☆ ☆

السلام علیکم

میرا نام فاطمہ خالق ہے مگر مجھے فاطمہ عبدالخالق لکھنا اچھا لگتا ہے

آٹھ بازاروں کے شہر فیصل آباد سے میرا تعلق ہے ابھی بی کام پارٹ 2 میں زیر تعلیم ہوں

کوکنگ ،ہینڈی کرافٹ ، آرٹ اور پڑھنا میری ہابیز ہیں لکھنا میرا جنون ہے

سردی کا موسم پسند ہے گرمی سے جان جاتی ہے ہلکی ہلکی بارش بوندا باندی کا سماں پسند ہے

میری بنائی گئی خاندان میں جو ڈشز مشہور ہیں ان میں چائنیز رائس ،ماش کی دال ، آملیٹ ، رشین سیلڈ ، میکرونی اور سپیگھٹی ہیں جو اکثر مہمان فرمائش کر کے بنواتے ہیں

پاکستان کے شہر اسلام آباد ، فیصل آباد ، لاہور اور مری سے واقفیت زیادہ ہے

بچے بہت پسند ہیں کالے کلوٹے گندے مندے مٹی سے لتھڑے بس بچے ہوں

پہلی نظم 2012 میں لکھی پبلش 2014 کے اگست آنچل میں ہوئی تب سے سفر جاری ہے ان شاء اللہ جاری رہے گا

☆ ☆ ☆

اسلام علیکم !!داستانِ دل میں اپنے تعارف کے ساتھ حاضر ہوں

نام سعدیہ چوھدری

شہر اقبال کی باسی ہوں ، تو ظاہر ہے ادب سے لگاو تو ہونا ہی تھا ، ایم ایس کیا ہے اس سے اگے تعلیم کا فل حال کوئی ارادہ نہی ،

مزاج کچھ شاعرانہ واقع ہوا ہے ، مجھے تنہائی بہت بھاتی ہے تنہائی میں بہت سے بھید چھپے ہوتے ہیں اور پہیلیاں سلجھانا مجھے بہت اچھا لگتا ہے ،، موسم سرما کی بارش تو دیوانہ کر دیتی ہے تب دل چاہتا ہے بس ایک کپ کافی ہو ، میں ہوں اور کمرے میں ٹینا سانی کی آواز میں کوئی گیت ماحول کو سحر انگیز بنا رہا ہو ،

کوکنگ کا بہت شوق ہے بہت کچھ بناتی ہوں اور بہت اچھا بناتی ہوں

چائے کی بے حد شوقین ہو مگر بہت اچھی چائے نہی بناپاتی البتہ باقی سب بہت اچھا بناتی ہوں ، اچھا ادب پڑھنے کا شوق ہے پھر چاہے وہ اُردو میں ہو یاں انگلش میں

لکھنے کا بھی شوق ہے ، ابھی ایک ناول بھی لکھا ہے رگِ جاں کے نام سے بس مکمل ہونے ہی والا ہے ، دعا کریئے گا جلدی مکمل ہو جائے ۔۔

زندگی کے چیلنجز کو قبول کرنے والوں میں سے ہوں

میں فائٹر ہوں مجھے لگتا ہے اگر مرنا ہی ہے تو کچھ کر کے مرا جائے

زندگی کو مشکلوں سے اکیلی لڑتی ہوں مجھے شکیر تنگ کی عادت نہی ہے--

مقصدِ حیات کی کھوج میں ہوں ابھی تک پر کوئی سرا نظر نہی آ رہا ابھی تک تو

میں ایک بہت اچھی لکھاری بننا چاہتی ہوں اپنی قلم سے کسی کے لیے سوچ کے نئے در کھولنا چاہتی ہوں---

دعا گو---

☆ ☆ ☆

السلام وعلیکم

میرا نام ارم فاطمہ ہے. گورنمنٹ کالج لاہور سے اردو ادب میں ایم اے کیا ہے

میرے والد خصوصی بچوں کے سکول کے پرنسپل تھے ڈان اور پاکستان ٹائمز میں ان کے آرٹیکل لگا کرتے تھے لکھنے کا شوق ان سے وراثت میں ملا ہے.

ادب سے خصوصی لگاؤ ہے صحیح معنوں میں لکھنے کی صلاحیت کا آغاز ایکسپریس بلاگ سے ہوا.

سماء جنگ اور نئی بات میں کئی آرٹیکل لگ چکے ہیں

افسانہ نگاری میں قدم دکھے ابھی کچھ عرصہ ہوا ہے لکھنے کا بہت شوق ہے اس لیے ہر صنف ادب میں طبع آزمائی کی ہے تاحال پہچان کا سفر ابھی جاری ہے

امید ہے داستان دل کی ہمراہی میں جلد ہی اپنے خواب کو سچ ہوتا دیکھ دیکھ پاؤں گی آمین

☆ ☆ ☆

داستان دل ڈائجسٹ کی محفل کے تمام قارئین واراکین کو تسلیمات!

میرا نام فرحین ناز طارق ھے میرا تعلق چکوال شہر سے ھے میں نے یونیورسٹی آف پنجاب-لاھور سے ایم-اے پولیٹیکل سائنس اور ایم اے اردو کی ڈگریاں لے رکھی ھیں-

ادب سے خاص لگاؤ ھے لکھنے اور پڑھنے سے خاصی دلچسپی ھے بانو قدسیہ، اشفاق احمد، قرأت العین حیدر ریلدرم، شیخ سعدی، ھنری ڈی بالزاک، شازیہ چوھدری اور شفیق الرحمن میرے پسندیدہ مصنفین ھیں-بلاگز کالمز، افسانے اور ناولز لکھتی ھوں-لکھنے کا شوق بچپن سے تھا مگر اپنی تحاریر دوسروں کو پڑھاتے وقت جھجک محسوس ھوتی تھی میرا پھلا ناول "ڈر نا آشنا" ماھنامہ نئے افق میں اکتوبر2012 میں شائع ھوا تھا-دو ناولز "اک مسکراھٹ ھے زندگی" اور "بانجھ"-ماھنامہ صائمہ ڈائجسٹ میں چھپ چکے ھیں-داستان دل میں بھی چند افسانے چھپ چکے ھیں ایک افساہ بھت جلد

ڈیجیٹل میگزین الف کتاب میں چھپنے والا ھے اسکے علاوہ اردو کی کافی ویب سائٹس پہ لکھتی رھتی ھوں میرا بلاگ بھی ھے اپنے ملک پاکستان سے بے پناہ محبت ھے -میرے پسندیدہ شھر چکوال اور لاھور ھیں

پسندیدہ تفریحی مقام جھیل سیف الملوک ھے کیونکہ پھاڑ اور قدرتی مناظر مجھے بہت پسند ھیں-

☆ ☆ ☆

السلام علیکم،

"بہت ہی عام سے لوگوں میں بہت ہی عام سے ہیں ہم" پیدائش لاہور کی ہے لیکن بچپن کراچی میں گزرا ہے. انٹر تک تعلیم حاصل کی تو شادی ہو گئی. نصابی کتب سے لگاو نہیں تھا لیکن آگے بڑھنے کا شوق تھا اس لئے شادی کے بعد بی اے (اردو اکنامکس) بھی کر لیا. شادی سے پہلے ثناء واجد تھی. شادی کے بعد ثناء عامر ہوں. نصابی کتب کے علاوہ باقی ہر قسم کی ادبی کتب سے بہت لگاو ہے، بہت سی مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور کرتی رہتی ہوں. مطالعہ کرتے اکثر سوچا کرتی تھی کہ

"نجانے یہ لکھنے والے کیسے اپنے خیالات کو الفاظ میں ڈھال لیتے ہیں، نا جانے کیسے یہ اپنی سوچوں کو اتنا خاص بنا لیتے ہیں اور نا جانے کیسے یہ الفاظ ان لکھنے والوں کو اتنا خاص بنا دیتے ہیں."

ان خاص لوگوں کو بہت شوق سے میں پڑھا کرتی تھی. اس لئے اکثر مطالعہ کی ہوئی کتب کا مطالعہ بار بار کرتی رہتی ہوں. جہاں کہیں سے کوئی رسالہ، ناول یا کتاب ملتی تو وہیں بیٹھ کر پڑھنا شروع ہو جاتی پھر میں ہوتی تھی اور وہ کتاب ہوتی تھی.

وقت بدلہ تو ہم بھی بدل گئے اب کتاب کی جگہ موبائل ہوتا ہے اور موبائل کے ذریعے ہی سوشل میڈیا سے شناسائی ہوئی اب اسی پر اپنے مطالعہ کا شوق پورا کر لیتی ہوں.

بس ایسے ہی کسی مہربان نے فیس بک کا راستہ دکھا دیا اور فیس بک پر ہی بہت سے ادبی پیجز کا مطالعہ کرتی رہتی تھی، ایسے ہی ایک پیج پر مقابلہ کی پوسٹ دیکھی تو وہیں سے احساس ہوا میں بھی لکھ سکتی ہوں بس پھر کیا تھا لکھنا شروع کر دیا. اسی طرح میرا ادبی سفر شروع ہو گیا کئی آرٹیکلز اور کہانیاں لکھیں جو مختلف اخبارات اور ویب سائیٹس پر شائع بھی ہوئیں. جب کوئی میری لکھی تحریر کی تعریف کر دے تو ایسے لگتا ہے جیسے میں بھی بہت خاص بن گئی ہوں."

ثناء واجد

☆ ☆ ☆

عائشہ احمد

تعلیم ایم. اے ہسٹری، بیڈ

پیشہ. استاد

پڑھنے اور لکھنے کا شوق ہے

کالم اور کہانیاں لکھتی ہوں

پاکستان میری پہلی محبت ہے

ایسا لگتا ہی کہ میں پاکستانی نہیں پاکستان ہون

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

مجھے اس وطن کی مٹی سے لے کر اس کی ایک ایک چیز سے
پیار ہے
ہونا بھی چاہیے اس لیے کہ اس پاک وطن کے ہم پہ بہت
احسانات ہیں
آجکل کے لکھاری بظاہر زمانے کے ساتھ چل رہے ہیں لیکن
حقیقت میں ایسا نہیں ہے
پہلے لکھاری یادیزیادہ جاندار تھے انکو اب بھی پڑھ کے مزہ
آتا ہے
پسندیدہ لکھاری یوں تو بہت ہیں لیکن چند ایک کے نام بیان
کروں گی
اشفاق احمد، بانو قدسیہ، کاشف زبیر، احمد اقبال، حسینہ معین،
قدرت اللہ شہاب، طاہر جاوید مغل، عمیرہ احمد، خلیل
الرحمن قمر، مستنصر حسین تارڑ،
کھانے میں بھنڈی، کریلے، آلو، دال، دہی بڑے اچھے لگتے
ہیں. بہت کم کھاتی ہوں لیکن صاف ستھرا کھاتی ہوں
مٹی کی خوشبو اچھی لگتی ہے
سردی کا موسم پسند ہے
سسپنس اور جاسوس پڑھنا اچھا لگتا ہے
سفرنامے اور اسلامی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے
سفید اور گلابی رنگ اچھا لگتا ہے
چنبیلی کا پھول پسند ہے
کرکٹ اور گھوڑ دوڑ پسند ہے

گلی ڈنڈا اور اخروٹ کھیلنا بچپن میں پسند تھا، اب بھی دل کرتا
ہے کھیلنے کو،
اسلام سے زیادہ خوبصورت دنیا میں مذہب کوئی نہیں
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
قائد اعظم پائندہ باد
پاکستان زندہ باد

☆ ☆ ☆

میرا نام حرا طاہر ہے..
عمر..24 سال..
میں شادی شدہ ہوں..
ایک اسلامی مملکت اور اسلامی گھرانے میں پرورش پائی
میں جدی سعودی عرب میں 15 سال سے اپنی فیملی کے
ساتھ رہائش پزیر ہیں اور 2011 میں میرا انکاح حرم پاک ہوا
جس کی وجہ سے میں خود کو بے حد خوش نصیب سمجھتی
ہوں..
فل وقت پاکستان پنجاب میں ہوں..
میں نے جدہ انٹرنیشنل سکول پاکستان سے تعلیم حاصل کی اور
اردو آداب سے دل زور لگاؤ ہے زیادہ تر شاعری پسند ہے
پڑھنا لکھنا اور اردو آداب کی کتابیں شوق سے پڑتی ہوں..

☆ ☆ ☆

میرا تعارف
کسی شاعر نے کہا ہے کہ
زندگی "ہم" کا اک مختصر سا قصہ ہے،

ملاقات، محبت، ملال، اور موت!

پہلی بات تو یہ کہ یہ اتنا مختصر قصہ بھی نہیں جتنا شاعر نے بنا دیا مگر پھر بھی میری بھرپور کوشش ہے کہ اس طویل داستاں کو کوزے میں قلمبند کر سکوں۔ تو جناب نام سارہ مجید ہے مگر میری زندگی کے دیگر معاملات کی طرح نام میں بھی شدید اختلافی پہلو رہے ہیں جن پر فی الحال روشنی ڈالنے سے کافی وقت برباد ہونے کا اندیشہ ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں 23 جولائی کو کراچی میں پیدا ہوئی حالانکہ کسی یورپین کنٹری میں بھی پیدا ہو سکتی مگر پھر کسی غیر مسلم گھرانے کے تصور ہی جھرجھری لے کر شکر ادا کرتی ہوں کہ جو ہوتا ہے اچھے کے لئے ہوتا ہے۔ جس عمر میں ابھی بچے پانی کو مم بولتے ہیں تب سے میری کتابوں سے دوستی چلی آرہی ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ نہ کب یہ دوستی عشق میں بدلی اور پھر جنون بن گیا۔ مگر پھر خیال آیا کیا رکھا ہے کتابوں میں تو سب چھوڑ چھاڑ کر ایم بی اے کر لیا مگر بزنس کے سب اسرار و رموز جانے کے بعد بھی دل تھا کہ راغب نہ ہوا۔ تو دل پر جبر کی بجائے ایل ایل بی میں داخلہ لیا اور وکالت کا امتحان پاس کر لیا۔ مگر دل کی بے تابی تھی کہ ختم نہ ہوئی حالانکہ کہ دل کو تسلی دینے کی خاطر ایک ایم اے لٹریچر میں بھی کر لیا تھا۔ اس تعلیمی سفر کے دوران ہی ایک اخبار اور میگزین سے بھی منسلک رہی۔ ایک تعلیمی ادارے میں پرنسپل کے فرائض بھی سرانجام دیئے اور میڈیا پروڈکشن ہاوس سے وابستگی بھی رہی۔ اور آخر کار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ادب کا دامن تھام لیا اور اب نجی چینل کے لئے ڈرامہ لکھ رہی ہوں اور میری آپ بیتی پر مبنی ایک کتاب بھی جلد ہی شائع ہو گی۔ اب یہ مت کہیئے گا کہ یہ تعارف کی بجائے تعریف ہے اگر غور کیا جائے تو کافی تنقیدی پہلو جا بجا نظر آئیں گے۔

☆ ☆ ☆

میرا تعارف

نام میرا املانکہ خان ھے اور رھتی میں راولپنڈی کے ایک بہت خوبصورت گاؤں میں جہاں زندگی کی ھر سھولت موجود ھے....

زندگی میں بہت کچھ پانے کی لگن میں بہت محنت کر رھی ھو بس آپ لوگوں کی دعائیں چاہیے. فرینڈز میں بہت کم بناتی ھو کیونکہ بہت خاموش اور چپ چپ رھتی ھو تو لوگ سمجھتے ھیں سہ مغرور ھو جبکہ ایسا کچھ بھی نھیں ھے...

دل کی بہت نرم ھو کسی کا دکھ برداشت نھیں ھوتا. نہ کسی کو دکھی دیکھ سکتی ھو... سوچتی ھو سہ

جانے کب ھونگے کم
اس دنیا کہ غم

شاعری بہت شوق سے کرتی ھو. اسٹوریز بہت شوق پڑھتی ھو. پڑھے بنا تو میرا کھانا ھضم نھیں ھوتا...

سردی کا موسم خاص کر دسمبر کی شامیں اور ایک کپ چائے اور ڈوبتا سورج مجھے بہت پسند ھے...

کھانے میں کچھ بھی مل جائے کھا لیتی ھو. سردیوں میں آئس کریم کھانا اپنا ھی مزہ ھے... خامیاں ھی خامیاں ھے بہت

غصہ آتا ھے۔ بد تمزی بھی کر جاتی ھو غصے میں مگر پھر دکھ بھی ھوتا ھے کہ غلط کر دیا۔ برداشت بھت کم ھے۔

چھوٹے بھائی سے بھت پیار ھے اس کی کوئی بات ٹال نھیں سکتی۔

میری دلی خواھیش ھے کہ میں کربلہ کی سرزمین دیکھوں۔ وھاں جا کہ بس اتنا رووں کہ میری روح وھی نکل جائے مجھے عشق ھے کربلہ کی سرزمین سے....

مطالعہ میرے لیے اتنا ضروری ھے جتنا پیاسے کے لیے پانی...

اک آخری بات جو جس سے میں نے بھت کچھ سیکھا۔

جن لوگوں کے لیے ھم اللہ کو ناراض کرتے ھیں اکثر وھی لوگ ھمیں ذلیل خوار کرتے ھیں......

☆ ☆ ☆

میرا نام طوبیٰ منظور ہے۔ زبان کے لحاظ سے پنجابی اور ویسے پاکستانی ہوں۔ سندھ کے ایک چھوٹے علاقہ سے تعلق ہے۔ نفسیات کی طالبہ ہوں اور شوق ہے لکھنے کا، کبھی کبھار لکھ لیتی ہوں مگر علم کی کمی اور وقت کی قلت سے مجھے لکھنے کا مسئلہ ہو جاتا کبھی کبھار۔ اس کے علاوہ پڑھنے میں دلچسپی ہے ہر خاص و عام کو پڑھ لیتی ہوں اس کے علاوہ کچھ پوچھنا چاہیں تو اس میں لکھ دوں گی

☆ ☆ ☆